تقسیم جائیداد کے
اسلامی اصول
مرتب
مفتی ابوبکر جابر قاسمی
معاون
مفتی محمد منیر قاسمی
رفیق تصنیف دارالدعوۃ والارشاد، یوسف گوڑہ، حیدرآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقسیمِ جائیداد کے اسلامی اصول

مرتب

مفتی ابوبکر جابر قاسمی

معاون

مفتی محمد منیر قاسمی

رفیقِ تصنیف دارالدعوۃ والارشاد، یوسف گوڑہ، حیدرآباد

تفصیلات

نام کتاب: تقسیمِ جائیداد کے اسلامی اصول

مرتب: مفتی ابوبکر جابر قاسمی (9885052592)

معاون: مفتی محمد منیر قاسمی (9059550920)

کتابت: محمد سعید احمد قاسمی (8106575687)

سن اشاعت: ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰۱۸ء

تعداد صفحات: 249

ناشر:

دارالدعوۃ والارشاد

یوسف گوڑہ، حیدرآباد (تلنگانہ اسٹیٹ)

- مدرسہ خیر المدارس، بورابنڈہ، حیدرآباد، فون: 23836868 - 040
- دکن ٹریڈرس، پانی کی ٹانکی، مغلپورہ، حیدرآباد، فون: 66710230 - 040
- مکتبہ کلیمیہ، یوسفین ویڈنگ مال، نامپلی، حیدرآباد

- مکتبہ نعیمیہ دیوبند، یوپی۔

فہرستِ مضامین

اسلام کا نظامِ ہبہ

﴿اسلام کا نظام وصیت﴾

اسلام کا نظامِ میراث

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم
ناظم المعہد العالی الاسلامی، وجنرل سیکریٹری فقہ اکیڈمی انڈیا

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں انسان کو کچھ اس طرح پیدا کیا ہے کہ وہ قدم قدم پر اپنی ضروریات کے لئے روپیہ، پیسے اور مال ودولت کا محتاج ہے، خوراک و پوشاک ہو یا علاج اور صحت یہاں تک کہ تعلیم اور انصاف بھی پیسوں کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، ہر شخص پر اقارب اور متعلقین کے بھی کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں، ان حقوق کی ادائیگی بھی پیسوں کے بغیر نہیں ہوسکتی، اسی لئے اس دنیائے بے ثبات میں دولت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، اور اگر جائز طریقہ پر دولت حاصل کی جائے اور صحیح طریقہ پر خرچ کی جائے تو اسلام نہ صرف اس کی اجازت دیتا ہے؛ بلکہ اس کو استحسان کی نظر سے دیکھتا ہے۔

دولت کے سلسلے میں شریعت کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ چند ہاتھوں میں ارتکاز نہ ہوجائے، بلکہ منصفانہ طور پر اس کی زیادہ سے زیادہ تقسیم ہو، اسی تصور کے تحت شریعت اسلامی میں میراث کا ایک جامع قانون مقرر فرمایا گیا ہے، اور اسلام کے قانون میراث کی اہمیت اور اس میں پائے جانے والے اعتدال وتوازن کی مستشرقین نے بھی تحسین کی ہے ،مگر افسوس کے مسلم معاشرہ میں شریعت کے جن احکام سے متعلق بڑی غفلت پائی جاتی ہے، ان میں سے ایک میراث اور وصیت کے احکام ہیں : بیٹی کو مرنے والے کی بیوہ کو اور بعض حالات میں اس کے ماں باپ کو بھی ترکہ سے محروم کردیا جاتا ہے، بعض دفع بڑا بھائی یا چھوٹا پورے ترکہ پر قابض ہوجاتا ہے، ترکہ کی تقسیم میں تاخیر اور ٹال مٹول سے کام لیا جاتا ہے، جس کا نتیجہ سخت اختلاف کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

اسی طرح ہبہ اور وصیت کے مسائل کبھی جہالت وناواقفیت اور کبھی بدنیتی کی وجہ

سے صحیح طور پر عمل نہیں ہو پاتا، اسلئے ایک عام فہم کتاب کی ضرورت تھی، جو اصلاحی نقطۂ نظر سے اور جس میں ہبہ وصیت اور ترکہ کے احکام پر ضروری حد تک تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

بڑی مسرت کی بات ہے کہ نوجوان فاضل مفتی ابو بکر جابر قاسمی۔زادہ اللہ توفیقا۔نے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے یہ کتاب تالیف کی ہے، جس میں بڑی عمدگی کے ساتھ وصیت اور میراث کے ضروری احکام پیش کئے گئے ہیں، مؤلف عزیز اس میں معتبر کتابوں سے استفادہ کیا ہے، اس باب میں پیدا ہونے والے نئے مسائل کے احکام بھی واضح کئے گئے ہیں، اور اس سلسلہ میں تین خاص طور پر اسلامک فقہ اکیڈمی کے فقہی فیصلوں سے روشنی حاصل کی گئی ہے، نیز قانون میراث کے سلسلہ میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان کا بھی مدلل طور پر ازالہ کیا گیا ہے۔

جو کچھ لکھا گیا ہے مستند اور اہم مراجع کے حوالہ سے لکھا گیا ہے اور آسان جو عام فہم زبان میں تمام باتیں پیش کی گئی ہیں۔

مؤلف عزیز ماشاء اللہ مؤفق عالم ہیں ؛ حالانکہ ان کی عمر زیادہ نہیں ؛لیکن فقہ کے موضوع پر ان کی متعدد کتابیں آچکی ہیں اور اہل علم نے ان کو بنظر تحسین دیکھا ہے، اس کتاب کی تالیف میں محبی فی اللہ مولانا محمد منیر قاسمی نے ان کا بھر پور تعاون کیا ہے، اس لئے وہ بھی امت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائے ،مرتب اور معاون دونوں کو بھر پور اجر سے نوازے اور ان کو زیادہ سے زیادہ علم وقلم کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

واللہ ہو المستعان

دعائیہ کلمات

حضرت مولانا عبید اللہ اسعدی دامت برکاتہم

استاذ جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ

مولانا ابوبکر قاسمی — حیدرآباد — نوعمر، باذوق فضلاء میں سے ہیں ان کو تحریر وتصنیف سے بھی اچھی مناسبت ہے، تھوڑے سے وقت میں کئی چیزیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

اس وقت میرے سامنے ان کی ایک نئی کاوش ''اسلام میں مالیاتی نظام'' کے ایک پہلو سے متعلق ہے جس پر انہوں نے چند ابواب اور تفصیلات ومسائل کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، آج کل کے ماحول میں ان موضوعات پر خصوصی کاوش کی ضرورت ہے۔

امید کہ مولانا موصوف کی اس کاوش سے امت کو کافی نفع ہوگا — دل سے یہی دعا ہے —

فقط والسلام

(مولانا) محمد عبید اللہ الاسعدی (دامت برکاتہم)

۱۷ رشوال المکرم ۱۴۳۹ھ مطابق ۲ جولائی ۲۰۱۸ء

مقدمہ

مال سے محبت فطری ہے "زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ"حرام سے بچنے اور حلال معاملات میں صفائی رکھنے کے عجیب ضابطے ہماری شریعت نے عطا کیے ہیں، خرچ کرنے اور مالی ذمہ داریاں اٹھانے کے سلسلے میں واضح حد بندی کر دی ہے، پھر قانون کے ساتھ اخلاقاً خرچ کرنے کی بھی ترغیب دی ہے، شریعت سے جہالت نے ہمیں اس شعبہ میں بھی بے حد نقصان پہونچایا، والد، والدہ یا سر پرست خاندان کی ذرا طبیعت خراب ہوئی طبیب سے پہلے وکیل کو لایا جاتا ہے انتقال کیا ہوا! تقسیم جائیداد کے تنازعات اور مقدمہ بازیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے نسل در نسل قطع تعلق، دلوں کی دراڑ، بہتان تراشی، غیبت و بد گمانی کا بازار گرم رہتا ہے، کئی پشت گذر گئے بیٹیوں، یتیموں اور بیواؤں کو حق میراث نہیں دیا گیا، حالانکہ اسلام کا نظام ہبہ اور وصیت اتنا صاف ہے کہ پیشگی سارے جھگڑوں کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے، حق تلفی، ظلم اور انتشار کا سدِ باب ہوسکتا ہے، ویسے ساری شریعت اہم اور مطلوب ہے لیکن ان ابواب (ھبہ، وصیت، میراث) کو مغربی نظامِ قانون پرسنل لاء، عائلی قانون کے نام پر کافی اہمیت دیتا ہے ہمارے ملک ہندوستان میں بھی عدالتیں اس قسم کے مقدمات میں شرعی اصول کی پابند ہیں، یہ ہمارا دستوری حق ہے، مگر ہماری بد عملی اور اسلام دشمن طاقتوں کی شر انگیزی ایک ایک مسئلہ میں خلاف شریعت قانون سازی کرتی جارہی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر مسلمان خدائی قانون پر (ہر حال میں دنیا و آخرت میں سرخروئی کے لئے) جینے مرنے کا حوصلہ پیدا کرلے تو کوئی قانون انھیں نقصان نہیں پہونچا سکتا ہے، اگر وہ خود طاغوت اور جاہلیت کی طرف جانا چاہتے ہوں تو کوئی مسلم مملکت یا سیاسی پارٹی انھیں فائدہ نہیں پہونچاسکتی، اسی موضوع کے تمام عملی پہلوؤں، اکیڈمی کے

فیصلوں کو جمع کرنے کی اس کتاب میں کوشش کی گئی ہے۔

اس کتاب کی ترتیب اور مواد کے نقل وترجمے بار بار حذف واضافے کا کام محبی ومحبوبی فی اللہ مفتی محمد منیر صاحب قاسمی کرتے رہے "بارك الله في علمه وعمله" میراث کے مسائل بنانے پر انھیں ماشاء اللہ مہارت حاصل ہے۔

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم نے نہایت مصروفیت کے زمانے میں (مفتی عثمان صاحب، نواب صاحب کنٹہ، حیدرآباد کے توسط سے) اپنی تحسینی تحریر سے نوازا۔

حضرت مولانا عبید اللہ اسعدی (استاذِ حدیث وافتاء جامعہ عربیہ ہتھورا) دامت برکاتہم نے بھی نظر ثانی فرمائی۔ -فجزاهم الله أحسن الجزاء- پروردگار عالم اپنے فضل سے قبول فرما کر مرتب ومعاون کے لئے ذخیرۂ آخرت بنادیں (آمین بجاہ سید المرسلین)

محمد ابوبکر جابر قاسمی
۳/رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ
۱۹/۵/۲۰۱۸ء

اسلام کا نظامِ ہبہ

اسلام کا نظامِ ہبہ

میراث بغیر محنت کے ملنے والا خدائی انعام ہے ہبہ بھی والدین اور ہبہ کرنے والوں کا احسان ہے، ضد کرنا، مطالبہ میں شدت برتنا، بڑوں کی خدمت سے زیادہ حصہ کا مطالبہ کرنا نہایت بے شرمی ہے، ھبہ کرنے والے پر کسی قسم کا دباؤ ڈالنا ہرگز درست نہیں ہے۔

ھبہ کرنے والا کسی بیٹے سے زیادہ محبت یا کسی کی بدتمیزی ونافرمانی سے متأثر ہوئے بغیر غیر جانبداری کے ساتھ تقسیم کریں، کسی کی شادی ہوگئی کسی کی نہیں ہوئی، کوئی صحت مند ہے کوئی نہیں، بعض اولاد کے بچے زیادہ ہیں کسی کے کم، ایک ذہین دوسرا کم فہم، کسی نے بہت خدمت کی کسی نے نہیں کی یا کم کی، چاہے تو ان امور کا لحاظ کر سکتے ہیں مگر اپنے علماء سے مشورہ ضرور کرلیں اور سارے لڑکے لڑکیوں کی ذہن سازی بھی کریں، قبضہ اور اختیار بھی ان کو دے دے، قانونی کاروائی کر کے حوالہ بھی کردے، بہر حال پوری کوشش ہو کہ گھر بکھر نہ جائے، ان کے دلوں میں پھٹن نہ رہے، کسی جائداد کے معاملہ میں الجھاؤ اور پیچیدگی نہ ہو۔

ایسا ہرگز نہ کرے کہ کوئی جائداد یا نقدی کرایے کی اپنی ملکیت میں نہ رہے، مستقبل میں جب شوہر کا انتقال ہو یا بیوی فوت ہو جائے، معذور ماں پتہ نہیں کب تک رہیں گی، بیماریوں میں کیا ضرورت پڑ جائے، کسی بیٹے بیٹی کے اخلاق میں کیا بدلاؤ آجائے، کچھ اپنے گزارہ کا انتظام رکھیں، بلکل کسی پر تکیہ کر کے جینے کا محتاج نہ بنیں، جب بھی انتقال ہوگا تو باقی مال میں میراث جاری ہو جائے گی۔

مال کی محبت فطری ہے، جب دل صاف ہوں، رشتوں میں خلوص ہو، اپنے بڑوں پر

اعتماد اور ان کے احسانات کا احساس باقی ہو، ماننے اور اطاعت کی امید ہو اسی وقت اس قسم کے معاملات نمٹادے، کشیدگی اور بدمزگی کے زمانہ میں یہ کام ہوتا نہیں، یا مشکل طریقہ سے ہو پاتا ہے جیسے آپریشن اسی وقت کیا جاتا ہے جب کہ مریض کا بی پی (دورانِ خون) اور شوگر نارمل ومعتدل ہو۔

خوب یادرکھیں! مال سے قسمت نہیں بنتی، روپیے سے رشتے نہیں خریدے جاسکتے، فلک بوس عمارتیں، لمبی چوڑی زمینات جُڑے ہوئے دلوں کا بدل نہیں، خاندان متحد ہوں، آج نہیں تو کل خوب کمایا جاسکتا ہے، زمانے اور تاریخ نے یہ منظر بہت دیکھے ہیں کہ خانہ جنگی، مقدمہ بازی نے خاندانی نوابوں کو بھی قلاش کردیا، قطعِ رحمی کی وجہ سے دعائیں مردود ہورہی ہوں پروردگارِ عالم سے رابطہ منقطع ہو چکا ہو تو مخلوق سے تعلق، لیڈروں، وکیلوں اور غنڈوں سے دوستی کا کیا فائدہ پہونچ سکتا ہے، مظلوم کی ہائے کبھی بے اثر نہیں ہوتی، چاہے کچھ وقت لگ جائے، تواضع؛ بزدلی اور کمزوری کی وجہ سے نہیں، اختلاف حدود میں نہیں رہتا، جھگڑے کی ابتدا میں ایک ظالم دوسرا مظلوم ہوتا ہے اخیر میں دونوں ظالم بن جاتے ہیں، پورا بدلہ ملنے کی جگہ آخرت ہے دنیا نہیں، پورا انعام پوری سزا ہم دنیا میں کیوں چاہتے ہیں؟ جتنی صلاحیتیں اور توانائیاں دوسرے کو بدلنے یا منوانے میں لگ جاتی ہیں اس سے کم میں اپنے آپ کو بدلا جاسکتا ہے، پانی پہاڑ سے ٹکرانے کے بجائے اپنا راستہ بنا کر کافی مسافت طے کرلیتا ہے، ان کے حوالہ ہو جائیں جو شریعت ودنیوی تجربہ کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں ان کو مت تلاش کرو جو حق وباطل سے ہٹ کر تمہاری موافقت میں فیصلہ کرتے ہوں، دونوں کسی تیسرے ماہرِ شریعت کے حوالہ ہو جائیں کیونکہ اپنا نفس اپنی خامیوں کو خوبی بنا کر پیش کرتا ہے، سنا ہے کہ ڈاکٹرس بھی بوقتِ علالت معالجہ کے لئے اپنے نبض دوسروں کو دکھاتے ہیں، غصہ اور جلد بازی ختم ہونے تک دین ودنیا برباد ہو جاتے ہیں، یہ حماقت ہے کہ جب امانتدار علماء سے مسئلہ حل نہ ہو تو ضمیر فروش وکیلوں، بے ایمان ججوں سے مل کر آؤ، سچی بات یہ ہے کہ اگر چار گز کی قبر یاد ہے تو سارے گزوں کا

حساب آسان ہے۔

ھبہ کے اصول واحکام

اسلام کے مالی نظام میں ایک اہم باب ''ہبہ'' کا ہے، ہبہ کے ذریعہ انسان زندگی میں اپنی ملکیت کا کوئی حصہ دوسرے کو بلا معاوضہ منتقل کرتا ہے، غور کیا جائے تو بعض پہلوؤں سے میراث اور وصیت کے مقابلہ اس کو امتیازی حیثیت حاصل ہے اور اس میں اس کے تصرفات کا دائرہ وسیع ہے، میراث کی تقسیم میں مورث کا کوئی رول نہیں ہوتا، وہ اللہ کی طرف سے مقرر ہے، اسی لیے قانون میراث کا ذکر کرتے ہوئے ''فَرِيْضَةً مِنَ اللهِ''(۱) کا لفظ ارشاد ہوا ہے، وصیت اپنے وارث کیلئے معتبر نہیں اور ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کا بھی اعتبار نہیں؛ لیکن ہبہ اپنے وارث کو بھی کیا جاسکتا ہے، اس میں کسی وارث کی طرف سے خدمت، اس کی ضرورت اور اس کی خصوصی حالات کی وجہ سے کمی بیشی بھی کی جاسکتی ہے، اگر کوئی انسان چاہے تو اپنی پوری املاک بھی کسی کو ہبہ کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

ہبہ اسلام میں انفرادی ملکیت اور اپنی املاک میں تصرف کے بنیادی حق کا مظہر ہے، حاکم ہو یا محکوم، امیر ہو یا غریب، آجر ہو یا مزدور، عالم ہو یا جاہل اور مرد ہو یا عورت شریعت نے ہر ایک کو اپنی املاک میں تصرف کا آزادانہ حق دیا ہے۔(۲)

البتہ ہبہ سے متعلق بعض شرائط وہ ہیں کہ اگر ان کی طرف سے غفلت ہو جائے تو ہبہ نافذ نہیں ہوتا، عام طور پر لوگ اس سے ناواقف ہوتے ہیں اور اس کی وجہ سے خاندانی تنازعات ابھرتے ہیں اور رشتہ ناتوں میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں، محبتیں نفرتوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

مثلاً فقہ حنفی میں ہبہ کے درست وصحیح ہونے کیلئے اس کا مقسوم ہونا ضروری ہے کیوں کہ ہبۂ مشاع درست نہیں ہے، نیز ہبہ پر قبضہ کرنا بھی شرط ہے اس کے بغیر

(۱) سورۂ نساء:۱۱

(۲) مستفاد: ہبہ سے متعلق بعض مسائل: مطبوعہ فقہ اکیڈمی

موھوب (ہبہ کی ہوئی چیز) موہوب لہ (جس کو ہبہ کیا ہے) کے ملکیت میں داخل نہیں ہوگی۔

یعنی جو چیز مشترک ہو اور قابل تقسیم ہو (یعنی تقسیم کے بعد قابل انتفاع رہتی ہو) اس میں کوئی حصہ دار اپنا حصہ کسی کو ہبہ کرنا چاہے تو وہ ہبہ اس وقت تام ہوتا ہے جب وہ مشترک چیز تقسیم کر کے اپنا حصہ الگ کرلے اور وہ حصہ موہوب لہ کے قبضہ میں دیدے اگر مشترک چیز کو تقسیم کئے بغیر کسی نے اپنا حصہ ہبہ کیا اور واہب کے انتقال تک وہ مشترک ہی رہا تو وہ ہبہ تام نہ ہوگا اور موہوب لہ اس حصہ کا مالک نہ ہوگا خواہ اپنے شریک ہی کو ہبہ کیا ہو وہ چیز واہب (ہبہ کرنے والے) ہی کی ملک میں رہے گی۔(۱)

بہشتی زیور میں حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ نے لکھا ہے:

مسئلہ: اگر کسی کو آدھی یا چوتھائی چیز دو، پوری چیز نہ دو تو اس کا حکم یہ ہے کہ دیکھو وہ کس قسم کی چیز ہے آدھی بانٹ دینے کے بعد بھی کام کی رہے گی یا نہ رہے گی، اگر بانٹ دینے کے بعد اس کام کی نہ رہے جیسے چکی کہ اگر بیچوں بیچ سے توڑ کر دیدو تو پیسنے کے کام کی نہ رہے گی، اور جیسے چوکی، پلنگ، لوٹا، کٹورہ، پیالہ، صندوق، جانور وغیرہ ایسی چیزوں کو بغیر تقسیم کئے بھی آدھی تہائی جو کچھ دینا منظور ہو دینا جائز ہے، اگر وہ قبضہ کرے تو جتنا حصہ تم نے دیا ہے اس کی مالک بن گئی اور وہ چیز ساجھے میں ہوگئی، اور اگر وہ چیز ایسی ہے کہ تقسیم کرنے کے بعد بھی کام کی رہے گی جیسے زمین، گھر، کپڑے کی تھان، جلانے کی لکڑی، اناج، غلہ، دودھ، دہی وغیرہ تو بغیر تقسیم کئے ان کا دینا صحیح نہیں ہے، اگر تم نے کسی سے کہا ہم نے اس برتن کا آدھا گھی تم کو دیدیا وہ کہے کہ ہم نے لے لیا تو یہ دینا صحیح نہیں ہوا بلکہ اگر وہ برتن پر قبضہ بھی کرلے تب بھی اس کا مالک نہیں بنے گا، ابھی سارا گھی تمہارا ہی ہے، ہاں اس کے بعد اگر اس میں کا آدھا گھی الگ کر کے اس کے حوالے کردو تو اب وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔(۲)

---

(۱) فتاویٰ رحیمیہ: ۵/۳۳۵ (۲) بہشتی زیور، ہبہ کا بیان: ۲/۲۳۲

الغرض جو چیز ہبہ کی جارہی ہے وہ یا تو نا قابل تقسیم ہوگی یا تو قابل تقسیم ہوگی (۱) اگر وہ چیز نا قابل تقسیم ہے اور ایک سے زیادہ افراد کو ہبہ کی جارہی ہو تو اس میں ہر ایک کا حصہ الگ الگ تقسیم کرنا ضروری نہیں ہے، سب افراد اس کے مکمل حقدار رہوں گے اور نا قابل تقسیم شئی کی تعریف صاحب کفایہ اور صاحب عنایہ نے یہ نقل کی ہے کہ ''ایسی چیز جس کو تقسیم کرنے سے اس کی مالیت کم ہوجائے نا قابل تقسیم کہلائے گی.هبة المشاع فيما لا يقسم جائزة يعني به مالا يحتمل القسمة أي لا يبقى منتفعا بعد القسمة.أو لا يبقى بعد القسمة من جنس الانتفاع الذى كان قبل القسمة.الخ (۱)

وضابط ذلك أن كل شئى يضرّه التبعيض فيوجب نقصاناً فى ماليته لايحتمل القسمة،ومالايوجب ذلك فهو يحتملها فالثانى كالعبد والحيوان والبيت الصغير والأول كالدار والبيت الكبير(۲)

(۲) اور اگر وہ چیز قابل تقسیم ہے اور ایک سے زیادہ افراد کو ہبہ کی جارہی ہو، یا اس میں کوئی حصہ دار اپنا حصہ کسی کو ہبہ کرنا چاہے تو اسمیں ہر ایک کا حصہ الگ الگ تقسیم کرنا ضروری ہے ، کیوں کہ ہبہ کے تام ہونے کیلئے اور ''موہوب لہ'' کی ملکیت میں داخل ہونے کیلئے قبضہ شرط ہے، اور حنفیہ کے نزدیک قبضہ سے مراد کامل قبضہ ہے اور مکمل قبضہ کا تحقق اس وقت ہوگا جبکہ اس میں تصرف بغیر اضرارِ غیر یا تصرفِ ملکِ غیر ممکن ہو اور یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ تقسیم عمل میں نہ آجائے ۔۔ ''تتم الهبة بالقبض الكامل'' (۳)

حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع روایت ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قابل تقسیم اشیاء کو ہبہ کرنے کی صورت میں ہبہ کے صحیح ہونے کیلئے یہ شرط لگائی کہ ہبہ سے

---

(۱)الكفاية على فتح القدير، كتاب الهبة ۷/ ۴۸۸

(۲)عنایہ ۱۲/ ۲۷۷، چند اہم عصری مسائل ۲/ ۲۶۶

(۳)رد المختار: ۴/ ۵۶۹ طبع رشیدیہ پاکستان ،مستفاد: ہبہ سے متعلق بعض مسائل: مطبوعہ فقہ اکیڈمی انڈیا

پہلے اس کو الگ کردے، جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مشاع ہونے کی حالت میں ہبہ شروع نہیں ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: أَیُّمَا رَجُلٍ نَحَلَ ابْنَہُ نُحْلًا، فَبَانَ بِہِ الِابْنُ، فَاحْتَاجَ الْأَبُ، فَالِابْنُ أَحَقُّ بِہِ، وَإِنْ لَمْ یَکُنْ بَانَ بِہِ الِابْنُ، فَاحْتَاجَ الْأَبُ، فَالْأَبُ أَحَقُّ بِہِ(۱)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جو بھی آدمی اپنے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کردے، پھر اس کو بیٹا الگ کر کے اس پر قبضہ کرلے اس کے بعد باپ کو اس کی ضرورت پیش آجائے تو بیٹا ہی اس کا زیادہ حقدار ہے اور اگر بیٹے نے اس کو الگ کر کے قبضہ نہیں کیا ہے، پھر باپ کو ضرورت پیش آجائے تو باپ اس کا زیادہ حقدار ہے۔

نیز سیدنا علیؓ کے ارشاد پر صحابہ کا اجماع ہے: ''من وھب ثلث کذا أو ربع کذا لایجوز مالم یقاسم'' (۲) جو شخص اپنی قابل تقسیم چیزوں میں سے ایسا تہائی یا ایسا چوتھائی ہبہ کردے، تو وہ اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک تقسیم کر کے الگ نہ کردے۔(۳)

مفتی سلمان منصور پوری صاحب لکھتے ہیں: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہبہ مشاع ناجائز ہونے کی دو علتیں ہیں: (۱) مشاع ہونے کی وجہ سے قبضہ کا تام نہ ہونا، اور یہ علت ہر طرح کی شئی مشاع میں پائی جاتی ہے (۲) مفضی الی النزاع ہونا: یہ علت صرف ان موہوب چیزوں میں پائی جائے گی جن کے مختلف حصوں میں حیثیت واہمیت کے اعتبار سے فرق ہوتا ہو۔(۴)

تتمہ: اب رہی یہ بات کہ اگر مذکورہ شرط کے بغیر تقسیم سے پہلے مشترک اشیاء کے

---

(۱) المعجم الاوسط من اسمه علي، حدیث: ۳۸۹۵، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں: اسکو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے، اس میں رشدین بن کریب یہ ضعیف ہیں (۲) بدائع الصنائع: ۱۷۱/۵

(۳) مستفاد فتاویٰ قاسمیہ: ۲۹۵/۲۱ (۴) مستفاد: ہبہ سے متعلق ضروری مسائل، فقہ اکیڈمی: ۲۸

بعض حصہ کو مشاع کی حالت میں ہبہ کر دیا جائے اور اسی حالت میں اس پر موہوب لہ قبضہ کر لے تو مفید مالک ہوگا یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں بعض جزئیات سے پتہ چلتا ہے کہ مفید ملک نہیں ہے، لیکن مفتی بہ اور راجح قول یہی ہے کہ (چوں کہ عقد باطل نہیں ہوتا اور نہ فاسد ہوتا ہے، بلکہ شیوع کے سبب سے قبضۂ تام نہ ہونے کی وجہ سے ہبہ ناقص رہ جاتا ہے) مفید ملک ہوگا۔(۱)

اس ہبہ غیر تام کو بعض فقہاء نے ''فاسد'' کے الفاظ سے اور بعض فقہاء نے ''لایجوز'' کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے؛ لہٰذا اگر قابلِ تقسیم اشیاء کو تقسیم سے پہلے مشاع کی حالت میں ہبہ کر دیا جائے اور پھر قبضہ سے پہلے اس کو تقسیم کر کے قبضۂ تام کے قابل بنا دیا جائے تو بالاتفاق ہبہ درست ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں حنفیہ کے درمیان میں بھی کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا، اس کو حضراتِ فقہاء نے اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

واختلف عبارة المشائخ في بيان معنى ذلك بعضهم قالوا: بأن هبة المشاع عندنا غير فاسد إلا أنها غير تامة لانعدام القبض على وجه التمام بسبب الشيوع.(۲)

مفتی سلمان منصور پوری صاحب لکھتے ہیں: امام ابو حنیفہؒ کے مفتی بہ قول کے مطابق ہبہ مشاع میں قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے ملکیت منتقل نہیں ہوتی جبکہ صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہبہ مشاع بھی نافذ ہو جاتا ہے اس لیے اصل حکم تو یہی بتایا جائے گا کہ ہبہ مشاع فاسد ہے، لیکن اگر کوئی مفتی حالات کا جائزہ لے کر معاملہ کی نزاکت سمجھتے ہوئے صاحبین کے قول پر فتویٰ دے تو بظاہر اس میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔(۳)

ہبۂ مشاع کے جواز کی شکلیں

(۱) قبضہ سے قبل تقسیم: شئ مشاع کو ہبہ کرنے کے بعد قبضہ دینے سے پہلے شئ

---

(۱) فتاویٰ قاسمیہ: ۲۱/ ۲۹۴ (۲) الفتاویٰ التاتارخانیہ: ۱۴/ ۴۲۵، فتاویٰ قاسمیہ: ۲۱/ ۲۹۸

(۳) ہبہ سے متعلق بعض مسائل: ۲۶

موہوب کو تقسیم کر کے الگ کر دیا جائے ، اس کے بعد موہوب لہ کے قبضہ میں دے دیا جائے تو سب کے نزدیک ہبۂ مشاع درست ہو جائے گا۔

وانّما اشترط کون الموہوب مقسوما ومفرّغا وقت القبض والتسلیم لا وقت الھبۃ. الخ (۱)

(۲) ہبۃ المشاع میں آپس میں مل کر تقسیم کرنا: اگر قابل تقسیم اشیاء کو واہب نے تقسیم سے قبل دو یا دو سے زیادہ افراد کے درمیان ہبہ کر دیا ہے اور موہوب لہم سے کہہ دیا کہ اپنے شریک کے ساتھ آپس میں مل کر تقسیم کر لینا اور تقسیم کر کے اپنے اپنے حصوں پر قبضہ کر لینا تو ایسی صورت میں بھی ہبۃ المشاع بلا شبہ جائز ہے۔ فان قسّمه أی الواھب بنفسه أو نائبه أو أمر الواھب له بان یقسم مع شریکه کل ذلک یتمّ به الھبة کما ھو ظاھرٌ لمن عنده ادنیٰ فقه (۲)

(۳) نزاع نہ ہو تو ہبۂ مشاع کا جواز: اگر شئی مشترک کو مشاع کی حالت میں ہبہ کر دیا ہے اور "موہوب لہ" کے درمیان تقسیم اور قبضہ سے متعلق کوئی نزاع اور اختلاف نہیں ہے، تو ایسی صورت میں یہ ہبۂ مشاع جائز اور درست ہو جائے گا، اس لیے کہ تقسیم سے قبل مشاع اور مشترک ہونے کی وجہ سے شئی موہوب کی تعیین میں جو جہالت مفضی الی النزاع ہوتی ہے وہ قبضۂ تام کیلئے مانع ہوتی ہے، اور یہاں جہالت مفضی الی النزاع نہیں ہے، اس لیے یہ ہبۂ مشاع جائز اور درست ہو جائے گا۔ (۳)

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا فیصلہ

(۱) ہبہ کرنے والے کو چاہیے کہ جو شئی ہبہ کرنی ہو، اگر وہ قابل تقسیم ہو تو اسے تقسیم کر کے ہبہ کرے۔

(۲) اگر مشاع یعنی مشترکہ چیز کو ہبہ کیا جائے تو اگر چہ قیمت واہمیت کے لحاظ سے اس کے مختلف حصوں کی حیثیت میں فرق ہو، لیکن اس کی تقسیم اور قبضہ کے سلسلہ میں

(۱) الفتاویٰ التاتارخانیة: ۱۴/ ۴۲۵ (۲) شامی زکریا: ۸/ ۴۹۵

(۳) مزید تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو، فتاویٰ قاسمیہ: ۲۱/ ۳۰۵، ۳۰۸

ان لوگوں کے درمیان کوئی باہمی نزاع نہ ہو جن کو ہبہ کی گئی ہے تو یہ ہبہ درست ہے۔(۱)

صدقہ اور ہدیہ میں فرق

صدقہ میں ثواب مطلوب ہوتا ہے، غریب کی خوشنودی مقصود نہیں ہوتی، وہ خوش ہو جائے تو اس کی مرضی، اور ہدیہ میں جس کو ہدیہ دیا جاتا ہے اس کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے مگر ثواب بھی ملتا ہے، یہ جو ثواب ملتا ہے یہی ہدیہ کی فضیلت ہے۔(۲)

ھبہ کے بعض احکام

اگر کوئی وارث اپنا حصہ بلاعوض چھوڑ دے تو وہ تخارج نہیں؛ بلکہ ھبہ یا ابراء ہے، جس کے مسائل تخارج سے مختلف ہیں، میراث میں وارث کا حق متعین ہوتا ہے اس لئے حق معاف کرنا یا چھوڑنا یا ساقط کرنا یا بری کرنا یا بخش دینا، کے الفاظ سے قرض معاف ہوتا ہے کسی متعین چیز کی تملیک نہیں ہوتی، اس لئے اگر وارث نے مذکورہ وہ الفاظ استعمال کئے تو وارث کا حق بدستور باقی رہے گا، متعین چیز کی تملیک کے لئے ہبہ، عطیہ، ھدیہ، یا دینا وغیرہ کے الفاظ موضوع یعنی طئے شدہ ہیں۔

ہبہ کے مسائل سے ناواقفیت کا نقصان

اب مذکورہ بالا تفصیل کو سامنے رکھ کر اپنے معاشرہ کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ بعض اوقات ماں باپ اپنی زندگی ہی میں جائیداد تقسیم کر دینا چاہتے ہیں، غریب بیٹوں کی امداد، معذور، کم عمر بے روزگار لڑکوں کی مدد و سہولت پیشِ نظر رہتی ہے اور تقسیم کئے بغیر کوئی جائیداد مشاعاً (مشترکہ رکھتے ہوئے) ہبہ بھی کر دیتے ہیں، لیکن مسائل سے ناواقفیت کی بنا پر فقط زبانی ہبہ پر اکتفا کرتے ہیں اور قبضہ نہیں کراتے، یا ہبہ کا صرف وعدہ کرتے ہیں یا قبضہ دیئے بغیر زمین جائیداد کسی کے نام پر رجسٹرڈ کرا دیتے ہیں، یا ہبہ

---

(۱) اکیڈمی کا فیصلہ: ۱۳۰، ہبہ سے متعلق بعض مسائل

(۲) تحفۃ القاری شرح صحیح بخاری: ۶/ ۵۶۲

کی فقط نیت کر لیتے ہیں اور قبضہ کرانے سے قبل ہی دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں، بعضے دفعہ واہب (ہبہ کرنے والا) اپنا مکان دوسرے کو ہبہ کر کے نام پر رجسٹرڈ کرا دیتا ہے لیکن اس گھر سے اپنا سامان نکال کر اسے قبضہ اور تصرف کا اختیار نہیں دیتا ہے، اور بعضے دفعہ تو انکم ٹیکس سے بچنے یا کسی اور مصلحت سے کسی کے نام پر بطور ہبہ رجسٹرڈ کرایا جاتا ہے مقصود ہبہ نہیں ہوتا، تو ان تمام صورتوں میں قبضہ تام نہ ہونے کے سبب شرعاً ہبہ مکمل نہیں ہو پاتا جو بعد میں چل کر خاندان بھائی بہنوں اور رشتہ داروں میں اختلافات، نفرتوں بلکہ قطع رحمی کا سبب بن جاتا ہے اور سالہا سال تک مسئلہ حل نہیں ہوتا یا تو کوٹ کچہری کے حوالہ ہو جاتے ہیں یا مل جل کر مسئلہ کو حل کرنا نہیں چاہتے جس سے مسئلہ سلجھنے کے بجائے اور الجھتا جاتا ہے۔

ایسے نازک حالات میں سرپرست ذمہ داران خاندان جو زندگی میں جائیداد تقسیم کر دینا چاہتے ہیں یا کسی کو کوئی چیز ہبہ کرنا چاہتے ہیں یا وصیت کے ذریعہ امداد کرنا چاہتے ہیں تو وہ دین و شریعت کا علم رکھنے والے علماء کی رہبری میں ہبہ، وصیت کی کاروائی مکمل کریں تا کہ آنے والے اختلافات و تنازعات سے بچنا آسان ہو، ورنہ بعض دفعہ انسان (نادانی میں) بندوں کو راضی کرنے کے واسطے خدا کی ناراضگی کو مول لیتا ہے، اور بعض دفعہ قرب الٰہی کا اشتیاق ایسا ہوتا ہے کہ جس سے حقوق العباد تلف ہو جاتے ہیں جس کی شریعت بھی اجازت نہیں دیتی۔

ہبہ میں کمی زیادتی کا معیار اکابر کی نظر میں

اگر کوئی شخص زندگی میں ورثاء کے مابین جائیداد تقسیم کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہے، لیکن زندگی میں جائیداد کی تقسیم کے ذریعہ بعض ورثاء کو نقصان پہنچانے کا ارادہ نہ ہو، یا کسی وارث کو بالکل ہی نہ دینا چاہے، یا اس کو اس کے حق سے کمتر دے اور اس کو اپنی طرف سے ہبہ شمار کرے، بلکہ ان کے درمیان عدل و مساوات ضروری ہے، کسی جائز وجہ شرعی ہی کی وجہ سے کسی تقسیم جائیداد میں فضیلت دی جاسکتی ہے چوں کہ اس حوالہ سے

حضرت نعمان بن بشیر کی روایت ہے:

''مجھے میرے باپ نے اپنا کچھ مال ہبہ کیا تو میری ماں عمرہ بنت رواحہ نے کہا میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گی جب تک کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنا لے "اَشْهِدْ عَلٰی هٰذَا رَسُوْلَ اللهِ" میرے والد مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے ہبہ پر گواہ بنائیں، تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو نے اپنے سب بیٹوں کے ساتھ ایسا کیا ہے؟ "أَكُلَّ بَنِيْكَ اعْطَيْتَه هٰذا"؟ انہوں نے کہا نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں انصاف کرو ''وَاتَّقُوْا اللهَ وَاعْدِلُوْا فِيْ أَوْلَادِكُمْ'' میرے والد لوٹے اور ہبہ واپس کر لیا۔

اور دوسری روایت میں ہے "فَإِنِي لَا اَشْهَدُ عَلى جَوْرٍ" کہ میں ظلم پر گواہ نہ بنوں گا۔(۱)

ابن قدامہ المقدسی کہتے ہیں:

''یجب علی الانسان التسویة بین أولاد فی العطیة، اذا لم یختص أحدهم بمعنیٰ یبیح التفضیل، فان خص بعضهم بعطیة، أوفاضل بینهم فیها أثم، ووجبت علیه التسویة بأحد أمرین: اما ردمافضل به البعض، واما اتمام نصیب الآخر، قال طاؤس: لایجوز ذلک، ولا رغیف محترف، وبه قال ابن المبارک (۲)

انسان کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی اولاد کو عطیہ دینے میں برابری کرے، جب کہ ان میں سے کسی میں اضافہ کو مباح کرنے والی وجہ نہ ہو، اگر کسی کو کچھ خصوصی عطیہ دے یا زیادہ دے تو گنہ گار ہوگا، دو طرح سے تسویہ اور برابری ضروری ہے، ایک تو زائد کو لوٹا کر، اور دوسرے کے حصہ کو مکمل کر کے، طاؤس کہتے ہیں: یہ جائز نہیں، گرچہ جلی ہوئی روٹی ہی کیوں نہ ہو اور عبداللہ بن مبارکؒ بھی یہی کہتے ہیں۔

شادی شدہ اور غیر شادی شدہ لڑکیوں کے مابین بھی تسویہ اور برابری کرے، نرینہ اولاد کو لڑکیوں کے مقابل دوگنا دیا جاسکتا ہے۔

---

(۱) مسلم: باب کراهة تفضیل بعض الاولاد فی الهبة، حدیث: ۳۲۶۱ الاصابة ص ۲۰۳، ۲۰۲ حرف العین (۲) المغنی لابن قدامة: مسألة فاضل بین ولده فی العطیة: ۱۵/۶، مکتبة القاهره، بیروت

حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانوی فرماتے ہیں:

آپ اپنے غیر شادی شدہ لڑکے کی شادی کے اخراجات نکال کر اس لڑکے کے حوالے کرکے باقی جائیداد اپنی زندگی میں ہی اپنی تمام اولاد میں تقسیم کرسکتے ہیں، البتہ اس تقسیم کیلئے ضروری ہے کہ لڑکے اور لڑکی کو برابر کا حصہ دیں، اور جو جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ ان کے درمیان کریں وہ ان کے قبضہ میں دے دیں، اور اگر آپ نے جائیداد ان کے قبضے میں نہیں دی؛ بلکہ محض کاغذی طور پر تقسیم کی ہے اور جائیداد اپنے قبضے میں رکھی ہے تو آپ کے انتقال کے وقت وہ جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ جو آپ کے قبضہ میں ہے، اس کی تقسیم میراث کے اصولوں کے مطابق ہوگی۔ (۱)

فتاویٰ الہندیہ میں ہے: "ولو وهب رجل شيئا لأولاده في الصحة، و أراد تفضيل البعض على البعض في ذلك لا رواية لهذا في الأصل عن أصحابنا، وروى عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ – أنه لا بأس به اذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين، وان كانا سواء يكره وروى المعلى عن أبي يوسف رحمه الله أنه لا بأس به اذا لم يقصد به الضرار، وان لم يقصد به الضرار، وان قصد به الضرار سوي بينهم يعطى الابنة مثل ما يعطى للابن وعليه الفتوي"(۲)

اگر کوئی شخص اپنی اولاد کو صحت کی حالت میں کچھ مال ہبہ کرے اور اس سلسلہ میں بعض کو بعض پر فضیلت دینا چاہے تو اس سلسلہ میں اصل ہمارے اصحاب کے یہاں کوئی روایت نہیں، امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ: اگر یہ فضیلت اور زیادتی دین میں فضل ورتبہ کی وجہ سے ہو تو کوئی حرج نہیں، جیسے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ کو اپنے باغ میں سے بیس وسق کھجوریں ہبہ کیں تھیں لیکن ہبہ تام نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس کی تنہا مالکہ نہیں بنی۔ اسی طرح حضرت عمر بن الخطابؓ نے اپنے بیٹے عاصم کو دیگر اولاد پر ہدیہ دینے میں فضیلت دی ہے۔ اسی طرح عبدالرحمن بن عوفؓ نے ام کلثوم کی اولاد کو ہدیہ دینے میں

(۱) آپ کے مسائل اوران کا حل: ۷/ ۴۶۵

(۲) الفتاویٰ الهندية؛ الباب السادس في الهبة للغصير: ۳۹۱/۴

فضیلت دی ہے۔ اور اگر اولاد فضل ورتبہ میں برابر ہوں تو پھر مکروہ ہے، معلّیٰ نے ابو یوسفؒ سے روایت کیا ہے کہ اگر اسکے ذریعہ نقصان پہنچانے کا کوئی ارادہ نہ ہوتو کوئی حرج نہیں۔(۱)

اگر اس سے ضرر اور نقصان پہنچانے کا ارادہ ہوتو ان کے مابین تسویہ اور برابری کرے، بیٹی کو بیٹے کے برابر دے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

مفتی عبدالرشید صاحب احسن الفتاویٰ میں زندگی میں جائیداد کی تقسیم کے حوالے سے ارشاد فرماتے ہیں:

زندگی میں وراثت کی تقسیم نہیں ہوتی؛ بلکہ یہ ہبہ ہے اور اولاد کو کم وبیش ہبہ کرنے میں تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) دوسروں کا اضرار ہوتو مکروہ تحریمی ہے۔

(۲) اگر اضرار مقصود نہ ہو اور کوئی وجہ ترجیح نہ ہوتو مکروہ تنزیہی ہے، ذکور واناث میں تسویہ مستحب ہے۔

(۳) دین داری، خدمت گذاری، خدمات دینیہ کا شغل یا احتیاج وغیرہ وجوہ کی بناء پر تفاضل مستحب ہے۔

(۴) بے دین اولاد کو بقدرِ قُوْت (ضرورت سے زیادہ) سے زیادہ نہیں دینا چاہیے، ان کو محروم کرنا اور زائد مال امور دینیہ میں صرف کرنا مستحب ہے۔(۲)

فتاویٰ قاسمیہ میں ہے:

آپ اپنی زندگی میں تمام جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ کے خود مالک ہیں، ان میں سے کسی کا کوئی حق یا مطالبہ نہیں ہے اور اگر آپ اپنی مرضی اور خوشی سے اپنی زندگی ہی میں اولاد کے درمیان تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو اولاً بیوی کو جتنا چاہیں دے کر چاروں اولادوں کے درمیان بقیہ جائیداد برابر تقسیم کردیں اور زندگی میں دینے میں لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے

---

(۱) تکملہ فتح الملہم: ۸/ ۶۳ (۲) احسن الفتاویٰ، کتاب الوصیۃ والفرائض: ۹/ ۳۱۱، اچ، ایم سعید کمپنی، کراچی ومستفاد از آپ کے مسائل اور ان کا حل ۷/ ۳۹۸

برابر دینے کا حکم ہے؛ تا کہ باپ کی طرف سے سب اولاد کے درمیان یکساں معاملہ رہے اور اگر آپ کسی ایک اولاد کو زیادہ دینا چاہیں اور اس کا مقصد دوسری اولاد کو نقصان پہنچانا نہ ہو اور دیگر ورثاء کو کوئی اعتراض نہ ہو تو دینے کی گنجائش ہے، اس میں آپ گنہگار نہ ہوں گے، مثلاً کل جائیداد کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے بیٹے کو دو حصہ دینا چاہیں اور تینوں بیٹوں کو ایک ایک حصہ دینا چاہیں اور اس میں کسی کو نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو تو جائز اور درست ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے: لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة، وكذا في العطايا اذا لم يقصد به الاضرار - يعطي البنت كالابن عند الثاني وعليه الفتوىٰ. (۱) اور محبت کی وجہ سے بعض اولاد کو زیادہ دینے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح عطایا کی بات ہے اگر اس سے ضرر اور نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو۔ امام ابو یوسفؒ کے یہاں لڑکی کو لڑکے کی طرح ملے گا، اور اسی پر فتویٰ ہے۔

اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے:

"سَوُّوْا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ فِيْ الْعَطِيَّةِ، فَلَوْ كُنْتُ مُفَضِّلاً أَحَداً لَفَضَّلْتُ النِّسَاءَ" (۲)

اپنی اولاد کے مابین عطیہ میں برابری کرو، اگر میں کسی کو فضیلت دیتا تو عورت کو دیتا۔

اس حوالہ سے فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اولاد ہونے میں سب برابر ہیں لیکن محبت میں کمی زیادتی بھی ہوتی ہے، کسی کے اخلاق واعمال اچھے ہوتے ہیں، کسی کے نہیں ہوتے اور بھی اسباب تفاوت محبت کے ہوتے ہیں، اس کی وجہ سے اگر کسی کو کچھ دیدے تو اس پر پکڑ نہیں، ہاں کسی کو نقصان پہنچانے کا مقصد نہیں ہونا چاہئے، ورنہ گناہ ہوگا، اولاد ہونے میں برابری کی وجہ سے میراث میں

---

(۱) شامی، کتاب الھبۃ: ۸/ ۵۰۱، ۵۰۲، کراچی ۵/ ۶۹۶

(۲) بخاری: کتاب الھبۃ باب الاشیاء فی الھبۃ: ۱/ ۳۵۲، حدیث: ۲۵۱۵

تفاوت نہیں ہوگا، سب لڑکے برابر کے حقدار ہوں گے۔(۱) جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہؓ کو زیادہ مال ھبہ کیا اور بھی بعض صحابہ کا عمل صاحبِ عمدۃ القاری نے نقل کیا ہے۔

اور ایک جگہ فتاویٰ قاسمیہ میں ایک استفتاء کے جواب میں زندگی میں جائیداد کے تقسیم کے حوالہ سے یہ لکھا ہے:

آپ زندگی میں اپنے مال کے تنہا مالک ومختار ہیں، آپ کے اوپر لازم نہیں ہے کہ زندگی میں ترکہ اولاد کے درمیان تقسیم کر دیں، آپ جہاں چاہیں خرچ کر سکتے ہیں، پھر بھی اگر آپ اپنی زندگی میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو اس کی دو شکلیں ہیں:

(۱) آپ باضابطہ تقسیم کر کے ان کو قبضہ دے کر فوری مالک بنا دینا چاہتے ہیں، تو ایسی صورت میں اپنے لیے اور اپنی بیوی کیلئے جتنا مناسب ہو الگ کر لینے کے بعد بقیہ مال کو اولاد کے درمیان برابر تقسیم کر دیں اور اس میں لڑکی کو بھی لڑکے کے برابر دینا ضروری ہے لہذا چار حصوں میں تقسیم کر کے تین لڑکے اور ایک لڑکی کی صورت میں، تینوں لڑکوں کو ایک ایک حصہ اور لڑکی کو بھی ایک حصہ دینا چاہیے، چوں کہ زندگی میں جائیداد کی تقسیم ہبہ ہوتی ہے اور ہبہ اور عطیہ کی تقسیم میں لڑکی اور لڑکا دونوں برابر ہوتے ہیں، جس طرح حضرت نعمان بن بشیر کی مذکورہ بالا روایت دلالت کرتی ہے۔

(۲) آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی موت کے بعد جائیداد کی تقسیم میں اولاد کے درمیان کوئی اختلاف نہ ہو اور ہر ایک کو اس کا حق شرعی طور پر مل جائے، اس لیے زندگی میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو ایسی صورت میں آپ کی جائیداد سات حصوں میں تقسیم ہوگی، دو حصے لڑکوں کیلئے اور ایک حصہ لڑکی کیلئے، ان حصوں کے حساب سے تقسیم کر کے چاروں کیلئے الگ الگ جائیداد نامزد کی گئی جائیداد مل جائے گی، اس میں کوئی اختلاف بھی نہ ہوگا، تو اس طرح زندگی میں مرنے کے بعد کے واسطے سے تقسیم کر دینے کی گنجائش ہے۔

’’وأما اذا أراد الرجل أن يقسم أملاكه فيما بين أولاده في حياته، لئلا يقع بينهم

(۱) فتاویٰ محمودیہ: ۲۴/ ۴۸۳

النزاع بعد موته، فانه وان كان هبة فى الاصطلاح الفقهى، ولكنه فى الحقيقة والمقصود واستعجال لما يكون بعد الموت، وحينئذ ينبغى أن يكون سبيل الميراث'' (۱) اگر آدمی اپنے اموال کو اپنی اولاد کے مابین حین حیات تقسیم کرنا چاہے تا کہ اس کی موت کے بعد ان کے مابین نزاع نہ ہو، تو اگر چہ فقہی اصطلاح کے اعتبار سے وہ ہبہ ہے، لیکن حقیقت میں اور مقصود کے اعتبار سے موت کے بعد کیلئے جلدی ہے، اور اس وقت اس کا راستہ میراث ہے۔

اس کو فتاویٰ قاسمیہ میں ایک جگہ یوں فرمایا کہ:

اور اگر کوئی شخص صرف یہ چاہتا ہے کہ زندگی میں اولاد کو مالک بنانا مقصود نہیں ہے ؛ بلکہ مرنے کے بعد میراث کے جھگڑے سے بچانا مقصود ہے تو ایسی صورت میں شرعی میراث کے مطابق تقسیم نامہ بنا کر شرعی گواہوں کے ساتھ وصیت نامہ تحریر کر دیں اور مرنے کے بعد اس وصیت نامہ کے مطابق متروکہ میراث وارثین کے درمیان تقسیم ہو جائے گی۔ "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ" (۲)

تنبیہ

(۱) بینک میں کسی کے نام رقم جمع کرا دینا شرعی طور پر قبضہ مانا جائے گا کیوں کہ جن کے نام بینک میں رقم جمع ہوتی ہے، اسے وہی نکال سکتا ہے، دوسرا نہیں نکال سکتا، لہذا قبضہ تام ہو کر وہ شخص اس کا شرعاً مالک ہو جائے گا۔

وفى المنح عن الخانية بعد هذا قال: جعلته لابنى فلان يكون هبة؛ لأن الجعل عبارة عن التمليك.(۳)

(۲) جائیداد کسی کے نام بیع نامہ کر کے رجسٹری کرادی جائے تب بھی وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے اور کوئی اس میں دخل نہیں دے سکتا، کیوں کہ آج کے زمانہ میں سرکاری

---

(۱) تکملہ فتح الملھم: کتاب الھبات، مذھب الجمھور التسویة بین الذکر والأنثیٰ، أشرفیہ دیوبند ۲ر۷۵

(۲) سورۃ النساء آیت نمبر: ۱۱ (۳) شامی کتاب الھبة: زکریا ۸ر۴۹۱، فتاویٰ قاسمیہ: ۲۱ر۱۸۰

رجسٹری سے بھی قبضہ شمار ہوتا ہے: والمراد بالقبض الكامل فی المنقول ماینا سبه، وفی العقار أیضا ماینا سبه (۱)

خلاصہ یہ کہ جمہور کے نزدیک اولاد کے درمیان بلاعذر تفاضل کرنا مکروہ ہے حرام نہیں ہے کسی معقول وجہ سے ہوتو بالاتفاق جائز ہے دوسروں کو اضرار مقصود ہوتو بالاتفاق حرام ہے(۲)

تقسیم میں ترجیح مکروہ ہونے کی وجہ

عطیہ دینے میں اولاد کو بعض پر ترجیح دینا مکروہ ہے، کیونکہ اس سے ایک طرف اولاد کے درمیان کینہ پیدا ہوگا، دوسری طرف باپ سے بغض ونفرت پیدا ہوگی، اور جس بچے کا حق گھٹایا ہے وہ دل میں غصہ ہوگا، اس کے دل میں میل آئے گا اور وہ باپ کے ساتھ نیک سلوک نہیں کرے گا اس طرح گھر برباد ہوگا۔(۳)

ہدیہ دیکر واپس لینے کے احکام

احناف کے نزدیک صدقہ تو واپس نہیں لے سکتے؛ کیونکہ اس میں مقصود ثواب ہوتا ہے جو مل گیا، اور اسی طرح ہبہ کا جب عوض مل جائے (یعنی موہوب لہ بھی بدلہ میں کوئی چیز واہب کو ہبہ کردے) تو اس کو بھی واپس نہیں لے سکتے، اس کے علاوہ سات موانع ایسے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی مانع نہ ہوتو ہبہ بھی واپس نہیں لے سکتے مثلاً موہوب لہٗ کا انتقال ہوجائے، یا موہوب لہٗ کی ملکیت سے وہ چیز نکل جائے یا اس کا عوض مل جائے، یا وہ چیز ہلاک ہوجائے تو اب ہبہ کو واپس نہیں لے سکتے۔ (تفصیل کے لئے فقہ کی کتابیں دیکھی جاسکتی ہیں)

---

(۱) مجمع الأنهر، دار الکتب العلمیة بیروت: ۳/ ۴۹۲، فتاویٰ قاسمیہ ۲۱/ ۲۲۴، ۲۲۶

(۲) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے عمدۃ القاری فتح الملہم تحفۃ القاری انعام الباری

(۳) رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۴/ ۶۱۳

کیا باپ اولاد سے ہدیہ واپس لے سکتا ہے؟

اگر واہب ایسے شخص کو ہبہ کرے جو اس کا قریبی رشتہ دار ہے جن کا باہم نکاح نہیں ہوسکتا ہے، جیسے بھائی، بہن، باپ، بیٹا وغیرہ تب بھی ہبہ واپس نہیں لیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ باپ اپنی زندگی میں اپنی بعض اولاد کو کوئی چیز ہبہ کر کے قبضہ کرا دے تو اب وہ اس کو دوبارہ واپس نہیں لے سکتا ہے کیونکہ باپ اور اولاد کے درمیان قرابتِ قریبہ ہے۔

کیا شوہر بیوی سے ہدیہ واپس لے سکتا ہے؟

اسی طرح حقِ زوجیت کی وجہ سے بھی واپسی کا حق ساقط ہوجاتا ہے یعنی میاں بیوی ایک دوسرے کو ہبہ کریں تب بھی ہبہ کو واپس نہیں لیا جاسکتا ہے، چنانچہ اسی کے ضمن میں یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ اگر بیوی خوش دلی سے مہر معاف کردے تو اب رجوع کا حق نہیں۔

اور اگر ان میں سے کوئی مانع نہ ہو تو تراضی طرفین سے یا قضائے قاضی سے ہدیہ واپس لے سکتے ہیں ابن ماجہ کی حدیث ہے ''الرَّجُلُ أحَقُّ بِهِبَتِه مالَمْ يُثَبْ'' کہ آدمی بخشی ہوئی چیز کا زیادہ حقدار ہے جب تک وہ اسکا عوض نہ دیا جائے۔ مگر واپس لینا مکروہِ تحریمی ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے ''الْعَائِدُ فِيْ هِبَتِه كَالْعَائِدِ فِيْ قَيْئِه''(۱) کہ ہدیہ دیکر واپس لینے والا اپنی قئی چاٹنے والے کی طرح ہے۔

یہی حدیث ان لفظوں میں بھی ہے ''لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السُّوْءِ الَّذِيْ يَعُوْدُ فِيْ هِبَتِه كَالْكَلْبِ يَرْجِعُ فِيْ قَيْئِه'' کہ ہمیں بری مثال کا مصداق نہیں بننا چاہئے، جو شخص ہبہ دیکر واپس لیتا ہے وہ اس کتے کی طرح ہے جو اپنی قئی چاٹ لیتا ہے۔(۲)

مسئلہ: اگر ماں باپ محتاج ہوں، گذارہ کے لئے ان کو خرچہ کی ضرورت ہو تو اولاد

---

(۱) بخاري: باب لا يحل لأحد أن يرجع في هبته وصدقته حديث: ۲۶۲۱

(۲) مستفاد از تحفۃ القاری: ۶/ ۵۶۷ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے تحفۃ الالمعی، تحفۃ القاری، انعام الباری

کے مال میں سے عرف کے مطابق بے اجازت لے سکتے ہیں، عرف سے زیادہ بے اجازت استعمال کرنا جائز نہیں، جیسے کوئی مدرسہ کا سفیر آیا، باپ نے بیٹے کے مال میں سے (مثلاً) پانچ سو روپے کی رسید کٹوائی یہ جائز نہیں۔(١)

ہدیہ واپس لینا کیوں مکروہ ہے؟

بخشی ہوئی چیز دو وجہ سے واپس لینا مکروہ ہے:

پہلی وجہ: جس مال کو آدمی نے اپنے مال سے جدا کر دیا اور اس کی چاہ ختم کر دی، اس کو واپس لینا یا تو دی ہوئی چیز کی انتہائی لالچ پیدا ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے یا جس کو دیا ہے اس سے دل تنگ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، یا اس سے دشمنی ہوگئی ہے اسلئے اس کو ضرر پہنچانا چاہتا ہے، اور یہ سب باتیں اخلاقِ مذمومہ ہیں جن سے احتراز ضروری ہے۔

دوسری وجہ: ہبہ کی تکمیل وتنفیذ کے بعد اس کو توڑ دینا کینہ اور بغض کا باعث ہے، اگر شروع ہی سے نہ دیتا تو کوئی بات نہیں تھی اسلئے حدیث میں ہدیہ واپس لینے کو اس کتے سے تشبیہ دی ہے جو اپنی قئے چاٹ لیتا، اس مثال کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے لئے ایک معنوی چیز کو نظر آنے والا پیکر بنایا ہے، اور لوگوں کو اس حالت کی قباحت نہایت مؤثر طریقہ پر سمجھائی ہے۔(٢)

اکیڈمی کا فیصلہ

(١) مشترکہ خاندانی نظام ہو یا جداگانہ، دونوں کا ثبوت عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ سے ملتا ہے؛ لہٰذا دونوں ہی نظام فی نفسہ جائز ودرست ہیں، جہاں جس نظام میں شریعت کے حدود وقوانین کی رعایت وپاسداری اور والدین ودیگر زیرِ کفالت افراد اور معذورین کے حقوق کی حفاظت ہو سکے اور فتنہ ونزاع سے بچا جا سکے اس نظام پر عمل کرنا بہتر ہوگا، کسی

---

(١) تحفۃ القاری: ٦/٦٧٥، انعام الباری: ٧/٢٨٥ (٢) رحمۃ اللہ الواسعۃ: ٤/٦١٢

ایک نظام کی تحدید نہیں کی جاسکتی ہے، البتہ یہ اجلاس تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ مورث کے انتقال کے بعد جتنی جلدی ممکن ہوترکہ کی تقسیم کر کے تمام شرعی وارثین کو ان کا متعینہ حصہ دے دیں تا کہ ایک دوسرے کے حقوق کا غلط استعمال نہ ہو اور یہ عمل باہمی نزاع اور نفرت وعداوت کا سبب نہ بن جائے ، یہ اجلاس خاص طور سے عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کی طرف مسلمانوں کی توجہ کو مبذول کرانا چاہتا ہے، کیوں کہ اس میں بہت زیادہ کوتاہیاں پائی جاتی ہیں۔

(۲) مشترکہ خاندانی نظام کی بنیاد ایثار وقربانی اور باہمی تعاون پر ہے، ورنہ یہ نظام قائم نہیں رہ سکتا ہے، نیز عدل وانصاف کو قائم رکھنا بھی ضروری ہے،لہذا اگر خاندان کے سبھی افراد صاحب استطاعت ہوں تو زیر کفالت افراد کی تعداد کے اعتبار سے اخراجات دیں گے ، اور اگر کوئی مالی اعتبار سے کمزور ہو تو ہر شخص اپنی آمدنی کے تناسب سے اخراجات برداشت کرے گا، البتہ خاندان کے سبھی حضرات کو چاہیے کہ جائز ذریعہ سے زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل کرنے کی کوشش کریں تا کہ کمانے والوں پر بوجھ نہ پڑے۔

(۳) جب آمد وخرچ دونوں مشترک ہوں تو اخراجات کے بعد بچی ہوئی رقم سے خریدی گئی چیزمیں سبھی افراد برابر کے حقدار ہوں گے۔

(۴) جب سبھی بھائیوں کا ذریعہ آمدنی الگ الگ ہو اور سبھوں نے برابر رقم جمع کی اور ایک بھائی نے اپنی زائد آمدنی کو بچا کر اپنے پاس رکھا تو یہ بھائی اپنی زائد آمدنی کا خود مالک ہوگا، دوسرے بھائی اس کے حقدار نہیں ہوں گے۔

(۵) الف: اگر خاندان کے افراد کسی معاہدہ کے تحت کام کرتے ہوں تو جو بھی آمدنی ہوگی وہ خاندان کے سبھی افراد کے درمیان حسب معاہدہ تقسیم ہوگی، خواہ وہ گھر پر کام کرتے ہوں یا باہر۔

(ب) اگر کاروبار ایک ہی ہو، کچھ لوگ گھر پر کام کرتے ہوں اور کچھ لوگ گھر کے باہر تو اس صورت میں کل آمدنی سبھی افراد کے درمیان برابر تقسیم ہوگی۔

(ج) اگر الگ الگ کاروبار ہو اور ان کے درمیان کسی طرح کا معاہدہ نہ ہو تو باہر کمانے والوں کی آمدنی میں گھر کا کام دیکھنے والے حقدار نہیں ہوں گے۔

(۶) والدین کی خدمت و کفالت لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں پر بھی حسب استطاعت واجب ہے اگر ماں کو ایسی خدمت کی ضرورت ہو جس کو کوئی عورت انجام دے سکتی ہے اور بہو کے علاوہ کوئی دوسری قریبی عورت خدمت کرنے والی نہ ہو، نیز ماں مجبور ہو، خود سے وہ کام انجام دینے کے لائق نہ ہو تو ایسی صورت میں بہو پر ساس کی خدمت واجب ہوگی۔

(۷) مشترک خاندان میں بھی شرعی پردہ کا اہتمام کیا جائے، کسی غیر محرم کے ساتھ تنہائی میں ملنے سے، اور ہنسی مذاق نیز غیر ضروری گفتگو سے اجتناب کرنا لازم ہے، البتہ احتیاط کے باوجود اگر سامنے ہو جائے اور ہر طرح کے فتنہ سے بچنے کی کوشش ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۸) سماج کے معمر اور سن رسیدہ افراد انسانی سماج کے لیے بیش قیمت سرمایہ ہیں، ان کی راحت رسانی اور خدمت انسانی سماج کی ذمہ داری ہے، خصوصاً اولاد اور افراد خاندان کی ذمہ داری ہے کہ بوڑھوں کی خدمت کریں، ان کی عزت و تکریم کریں اور انہیں اپنے ساتھ محبت و الفت کے ساتھ رکھیں اور ان کی خدمت کو اپنے لیے سعادت سمجھیں۔(۱)

مالی معاملات میں اختلاف سے بچنے کا طریقہ

سماج کے دو یا اس سے زیادہ افراد کے درمیان باہمی احتیاج و ضرورت کی بنا پر جو مالی تعلق قائم ہوتا ہے اسی کو فقہ و قانون کی زبان میں ''معاملہ'' کہتے ہیں۔

عام طور پر معاملات میں جو اختلاف پیدا ہوتے ہیں وہ بڑی شدت اختیار کر جاتے ہیں، محبت کے رشتوں کو کڑواہٹوں میں تبدیل کر دیتے ہیں، کینہ کدورت کی آگ

---

(۱) مستفاد: مشترکہ وجداگانہ خاندانی نظام، فقہ اکیڈمی، انڈیا، مطبوعہ ایفا پبلیکیشنز، دہلی

سینوں کو سلگا کر رکھ دیتی ہے، یہاں تک کہ لوگ مرنے مارنے پر اتر آتے ہیں اور قتل وقتال تک نوبت آجاتی ہے۔

یہ اختلاف عام طور پر دو اسباب کی وجہ سے رونما ہوتا ہے(۱) بد دیانتی (۲) معاملات میں ابہام

بد دیانتی آج کی دنیا میں جرم کی بجائے آرٹ بن چکا ہے اور بعض لوگ ایسی حرکتوں کو ہوش مندی اور عقل مندی باور کرتے ہیں۔

معاملات میں ابہام اور صفائی و وضاحت کا نہ ہونا ایسی بیماری ہے جس میں دیندار طبقہ بھی گرفتار ہے، جبکہ قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے معاملات کو لکھنے کا حکم دیا ہے(۱)

نیز شریعت کا منشا نزاع کو روکنا اور جھگڑوں کا سدِ باب کرنا ہے اس لئے ان تمام چیزوں کا متعین اور واضح ہونا ضروری قرار دیا ہے جن کے بارے میں آئندہ اختلاف پیدا ہوسکتا ہے جیسے ’’بیع سلم‘‘ میں جو شئی ادھار ہے وہ بھی متعین ہو (جیسے چاول، گیہوں) پھر اس کی قسم بھی متعین ہو (جیسے باسمتی چاول) اور کوالیٹی اور کیفیت میں بھی ابہام نہ ہو (جیسے اعلیٰ درجہ، درمیانی درجہ وغیرہ) پھر سامان کی ڈیلیوری کی جگہ بھی مقرر ہو مثلاً یہ چیز فلاں شہر میں مہیا کی جائے گی وغیرہ۔

آج کل دارالافتاء، دارالقضاء اور محکمہ شرعیہ وغیرہ میں متعدد ایسے معاملات آتے رہتے ہیں جن میں آپسی جھگڑے کی بنیاد معاملات کا واضح نہ ہونا ہے، اس وقت اس کی چند صورتوں کا ذکر مناسب محسوس ہوتا ہے۔

بعض اوقات والد ایک کاروبار شروع کرتے ہیں، اس وقت بچے چھوٹے ہوتے ہیں، بچے جیسے جیسے بڑے ہوئے ان میں سے بعض والد کے ساتھ کاروبار میں لگ جاتے ہیں، بعض ملک یا بیرونِ ملک میں اچھی ملازمتیں حاصل کر لیتے ہیں، ایسا بھی ہوتا ہے کہ

(۱) بقرہ: ۲۸۲

بڑے لڑکے تو کاروبار میں شامل ہو گئے؛ تا کہ تجارت کو فروغ دیں اور اس کی وجہ سے وہ آگے تعلیم حاصل کی اور اعلیٰ ملازمتوں پر فائز ہو گئے، اب والد کے انتقال کے بعد جب ترکہ کی تقسیم کا مسئلہ آیا تو جس بھائی نے کاروبار میں تعاون کیا تھا، وہ چاہتا ہے کہ اس کو اس کی محنت کا معاوضہ ملے، اور چھوٹے بھائیوں کا مطالبہ ہوتا ہے کہ ترکہ برابر تقسیم کیا جائے بعض دفعہ اس میں ان بھائیوں کے ساتھ بظاہر ناانصافی ہوتی ہے، جنہوں نے کاروبار کو فروغ دینے کے لئے خود الگ سے کوئی ملازمت نہیں کی یا اپنی تعلیم کو قربان کیا، بعض دفعہ اس کے برعکس صورتحال بھی پیش آتی ہے کہ جو بھائی کاروبار میں شریک تھا وہ پورے کاروبار پر قابض ہو جاتا ہے اور دوسرے بھائی بہنوں کو بے دخل کر دیتا ہے، اگر والدین بچوں کو کاروبار میں شریک کرتے ہوئے وضاحت کر دیں کہ تمہاری حیثیت پارٹنر کی ہوگی اور تم اس میں اتنے فیصد کے مالک ہوں گے، یا تمہاری حیثیت ملازم کی ہوگی اور تم ماہانہ اتنی تنخواہ کے مستحق ہو گے، یا تم میرے معاون و مددگار ہو، الگ سے تمہارا کوئی حصہ نہیں ہوگا تو بعد کو چل کر اس طرح کا اختلاف پیدا نہیں ہوگا۔

عملی تعاون ہی کی طرح بعض دفعہ مالی تعاون میں بھی یہ صورت پیش آتی ہے جیسے والد کی تجارت میں ان کے مطالبہ پر یا بلا مطالبہ بعض بچوں نے مختلف موقعوں پر پیسے دیئے، یہ سرمایہ کاروبار کا حصہ بن گیا؛ لیکن یہ بات متعین نہیں ہوئی کہ سرمایہ لگانے والوں کا کاروبار میں خصوصی شیئر ہوگا، یا ان کی یہ رقم قرض ہے جو بعد میں ادا کی جائے گی، یا اپنے والد کا تعاون ہے؟ یہ عدمِ وضاحت پھر بعد میں جھگڑے کا سبب بنتی ہے جن لڑکوں نے رقم دی تھی وہ زائد حصہ چاہتے ہیں اور دوسرے بھائی پورے کاروبار کو والد کا ترکہ قرار دیتے ہیں۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بھائی نے کاروبار شروع کیا، سب لوگ مل کر رہ رہے تھے، مختلف بھائیوں نے حسبِ گنجائش موقعہ بہ موقعہ کاروبار میں رقم لگائی بعض نے نہیں لگائی، بعض محنت میں شامل ہوئے بعض نہیں ہوئے، اب ہوتا یہ ہے کہ جس بھائی نے

کاروبار شروع کیا تھا وہ سمجھتا ہے کہ یہ پورا کاروبار تنہا اسی کی ملک ہے اور دوسرے بھائی اپنے حصہ کے دعویدار ہوتے ہیں، یہ بات اس وقت زیادہ پیش آتی ہے جب والد کی زندگی میں اس نوعیت کا کاروبار شروع ہوا ہو، کبھی کبھار وہ بھی دوکان پر بیٹھ جاتے ہیں، یا تجارت شروع کرنے والے بچے نے اپنے والد کے نام سے تجارت شروع کی، اگر شروع ہی میں یہ بات واضح ہو جائے کہ یہ کاروبار مشترک ہے، یا جس بھائی نے شروع کیا ہے اس کا ہے اور جن دوسرے بھائیوں نے کچھ پیسے لگائے ہیں محنت کی ہے وہ تعاون ہے یا قرض ہے یا شرکت ہے؟ اور اگر اسی کاروبار سے گھر کے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں تو یہ بطورِ شرکت کے ہے، یا جس کا کاروبار ہے اس کیطرف سے تبرع و احسان ہے؟ تو بعد میں اختلاف پیدا نہ ہو۔

اسی طرح کی صورتحال بعض دفعہ اراضی کی خریداری میں پیش آتی ہے، ایسا ہوتا ہے کہ بعض لڑکے بیرون ملک ملازمت کر رہے ہوتے ہیں، وہ زمین یا مکان کی خریداری کے لئے رقم بھیجتا ہے اب والد نے اس رقم سے اپنے نام مکان یا زمین خرید لی، یا اپنے کسی ایسے لڑکے کے نام خرید کر دی جو ہندوستان میں ہے؛ حالانکہ پیسے بھیجنے والے کا مقصد اس کے لئے جائداد خریدنا ہے اور والد کی بھی یہی نیت ہے، بھائیوں کو معلوم ہے؛ لیکن جب والد کا انتقال ہوا تو نیت بدل گئی اور اصل صاحبِ حق کا نقصان ہو گیا؛ اس لئے اولاً تو خود رقم بھیجنے والے لڑکے کو چاہئے کہ اپنے والد پر اس بات کو واضح کر دے کہ اس کی نیت خود اپنے لئے زمین خریدنے کی ہے اور والد کو بھی چاہئے کہ اس کی نیت دریافت کر کے اس کے نام سے زمین خریدے، اور اگر اس میں کوئی قانونی دقت ہو تو اپنے نام سے خرید کر اس لڑکے کے نام ہبہ نامہ بنائے، یا اس کو پاور آف اتھاریٹی دے دے، یا کم سے کم اپنا اقرار نامہ رجسٹر کرا دے کہ یہ زمین حقیقت میں میرے فلاں لڑکے کی ملکیت ہے، میں اس کا مالک نہیں ہوں اور میرے دوسرے ورثہ کا بھی اس سے حق متعلق نہیں ہے۔

اسی طرح کا اختلاف بعض اوقات مکان کی تعمیر میں بھی پیدا ہوتا ہے، جیسے والد نے

مکان کی تعمیر شروع کی اور بعض لڑکوں نے اس میں پیسے دیئے؛ لیکن ان کا پیسہ دینا کس حیثیت سے ہے؟ یہ واضح نہیں ہوتا، بعض میں پیسے دینے والے لڑکے کی خواہش ہوتی ہے کہ اس مکان میں اس کا خصوصی شیئر ہو اور دوسرے لڑکے پورے مکان کو والد کا ترکہ قرار دیتے ہیں، یہی صورت حال اس وقت بھی پیش آتی ہے جب اتفاق واتحاد کے ماحول میں کوئی بھی مکان کی تعمیر شروع کرتا ہے، اب کئی بھائیوں میں سے ایک دو کچھ پیسے لگا دیتے ہیں، کوئی اپنا وقت دیدیتا ہے، اور یہ بات طئے نہیں ہوتی کہ اس مالی اور عملی تعاون کی حیثیت کیا ہوگی؟ اگر یہ شروع میں طئے پا جائے تو نہ دل کے آبگینے ٹوٹیں گے نہ کینہ وکدورت کی آگ سلگے گی۔

ایک قابلِ توجہ بات تقسیم میراث کی ہے، جیسے ہی مورث کا انتقال ہوا، اس کے ترکہ سے تمام ورثہ کا حق متعلق ہو جاتا ہے، اور ترکہ میں مرنے والے کی تمام چیزیں شامل ہیں، مثلاً اگر ایک لڑکا مرنے والے کے ساتھ اس مکان میں مقیم تھا، اب والد کی وفات کے بعد تنہا اس مکان کو یا والد کی دوسری اشیاء کو استعمال کر رہا ہے تو اپنے شیئر سے زیادہ حصہ جو اس کے استعمال میں ہے وہ اس کے حق میں گناہ اور حرام ہے، پھر تقسیم میں جتنی تاخیر ہو جاتی ہے الجھنیں بڑھ جاتی ہیں اور اختلاف کے مواقع بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں؛ اس لئے شریعت کا مقرر کیا ہوا اصول یہ ہے کہ مرنے والے کے گذرنے کے بعد جلد سے جلد ایک دو دنوں کے اندر تمام ورثاء بیٹھ کر شریعت کے حکم کے مطابق اپنے حصے تقسیم کرلیں اور اس تقسیم میں ہر چیز کو شامل کریں؛ کیوں کہ قرآن مجید میں ترکہ کے لئے ''ماترک'' کے الفاظ آئے ہیں، یعنی مرنے والا جو بھی چھوڑ جائے؛ اس لئے گلاس اور پلیٹیں بھی شامل ہیں، ہاں اگر مرحوم کی بعض اشیاء کے استعمال کے بارے میں ورثہ کا اتفاق ہو جائے کہ یہ چیز فلاں کے استعمال میں رہے گی تو حرج نہیں ہے؛ کیونکہ یہ دوسرے حقداروں کی طرف سے اس کے حق میں ہبہ ہے، یہ اور اس طرح کے معاملات میں جہاں وضاحت ضروری ہے، وہیں یہ بھی مناسب ہے کہ ان معاملات کو تحریر میں لے

آیا جائے اور اس تحریر پر تمام متعلقہ لوگوں اور کچھ گواہوں کے دستخط ہوجائیں؛ تاکہ آئندہ طے پانے والے امور کے سلسلہ میں کوئی اختلاف پیدا نہ ہو، حقیقت یہ ہے کہ اگر معاملات کی اچھی طرح وضاحت ہوجائے اور اسے تحریر میں لایا جائے تو زمین وجائداد کے پچاس فیصد جھگڑے ختم ہوجائیں اور اختلاف کی نوبت ہی نہ آئے۔(۱)

کثرت سے پیش آنے والے مسائل

(۱) جو چیز مشترک ہو اور قابل تقسیم بھی ہو اس میں کوئی وارث اپنا حصہ کسی کو ھبہ کرنا چاہے (چاہے چند شریکوں میں سے کسی شریک کو ہی ھبہ کرنا چاہے) تو ھبہ اس وقت تام ہوتا ہے جب وہ مشترک چیز تقسیم کر کے اپنا حصہ الگ کرلے اور وہ حصہ موہوب لہ کے قبضہ میں دیدے۔

(۲) اگر الگ کئے بغیر ہبہ کر دیا اور بعد میں واہب کی اجازت سے الگ کرلیا گیا تو ہبہ درست ہے اور واہب کی اجازت کے بغیر درست نہیں، لہٰذا اگر واہب الگ کرنے سے پہلے مرجائے تو ہبہ تام نہ ہوگا۔

(۳) اگر الگ کرنے سے پہلے زندگی میں ہی واہب رجوع کرلے تو جائز ہے، کیونکہ ہبہ تام نہ ہونے کی وجہ سے موہوب لہ کی ملکیت میں مال داخل نہیں ہوا تھا، اگرچہ ہبہ کرنے والا ذی رحم محرم ہو۔

(۴) جو چیز ناقابلِ تقسیم ہو (مثلاً گاڑی) اس میں کوئی وارث اپنا حصہ کسی کو ہبہ کرنا چاہے تو تقسیم کے بغیر درست ہے، جب واہب ہبہ کر کے قبضہ دے دے تو ہبہ تام ہوجائے گا اور قبضہ تخلیہ سے ہوجائے گا۔

(۵) قابلِ تقسیم چیز مثلاً بڑا مکان اگر کوئی ورثا میں مشترک ہو اور وہ کسی ایک شخص کو ہبہ کرنا چاہیں تو جائز نہیں۔

(۱) مینارۂ نور ۱۶ ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ ۸ ستمبر ۲۰۱۷ بقلم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم

(۶) اسی طرح اگر کوئی قابل تقسیم چیز دو وارثوں میں مشترک ہو اور ایک اپنا حصہ دوسرے کو دینا چاہے تو تقسیم کئے بغیر جائز ہے۔

(۷) اگر نا قابل تقسیم چیز ہو تو دونوں صورتیں جائز ہیں یعنی چند کا ایک کو دینا اور چند کا کئی کو دینا۔

(۸) ہبہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا۔

(۹) زندگی میں اولاد کو کوئی چیز دی جائے وہ میراث نہیں ہوتی بلکہ ہبہ ہوتی ہے اس لئے مورث کے مرنے کے بعد باقی مال میں وہ وارث پورا شریک ہوگا۔

(۱۰) زندگی میں اولاد کو کوئی چیز ہبہ دی جائے تو برابری کرنا چاہئے، بلاوجہ ترجیح کسی کو زیادہ کسی کو کم دینا مکروہ ہے، اگر دوسروں کا اضرار مقصود ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔

(۱۱) اولاد نہ ہونے کی صورت میں بھائی بہن کے ساتھ بھی ہبہ میں برابری کرنا چاہئے(۱)

(۱۲) ہبہ کا محض ارادہ ونیت کرنے سے ہبہ نہیں ہوتا بلکہ اس کو عملی طور پر ہبہ کر کے قبضہ میں دینے سے ہبہ مکمل ہوتا ہے۔(۲)

(۱۳) ہبہ میں قبضہ دینا شرط ہے چنانچہ فقط زبانی ہبہ کر کے قبضہ نہ کرانا کامل ہبہ نہیں کہلائے گا۔(۳)

(۱۴) مکان کے الگ الگ کمروں یا الگ الگ منزلوں میں بیٹوں کو رہائش دینے سے باپ کی طرف سے نہ ہبہ شمار ہوتا ہے اور نہ ہی بیٹے رہائشی حصے کے مالک ہوتے ہیں اور اس کو ہبہ کا قرینہ بھی نہیں قرار دیا جاسکتا۔(۴)

(۱۵) ہبہ کے لئے عاقل بالغ کا ہوش، حواس درست ہونا شرط ہے چنانچہ جس کا

---

(۱) آسان میراث: ۱۸۱۔ ۱۸۳ (۲) فتاویٰ قاسمیہ ۲۱/ ۱۸۰
(۳) مستفاد از فتاویٰ قاسمیہ: ۲۱/ ۱۸۵ (۴) فتاویٰ قاسمیہ: ۲۱/ ۲۰۶

دماغی توازن درست نہ ہو اس سے ہبہ نامہ پر انگوٹھا لگانے سے ہبہ معتبر نہ ہوگا۔(۱)

(۱۶) شرعی گواہوں کی شہادت یا ثبوت کے بغیر ہبہ کے دعویٰ کا اعتبار نہیں۔(۲)

(۱۷) ہبہ پر مالکانہ قبضہ دینے کے بعد وہ موہوب لہ اس کا مالک ہو جائے گا اس کے لئے شرعاً رجسٹری شرط نہیں ہے۔(۳)

(۱۸) زمین جائیداد میں سرکاری رجسٹری کر کے اس کے کاغذات پر قبضہ دے دینا زمین پر قبضہ کے درجہ میں ہے۔(۴)

(۱۹) ہبہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا البتہ وہ شرطِ فاسد باطل ہو جاتی ہے چنانچہ اگر کوئی شخص اپنی جائداد یا کوئی چیز ہبہ کرے اس شرط کے ساتھ کہ تاحیات واہب اس میں تصرف کرے گا یا موہوب لہ اس میں تصرف نہ کرے تو یہ شرط باطل ہوگی موہوب لہ جو چاہے تصرف کر سکتا ہے(۵)

---

(۱) حوالہ سابق: ۲۱/۲۰۸ (۲) حوالہ سابق: ۲۱/۲۰۸ (۳) حوالہ سابق: ۲۱/۲۲۱
(۴) حوالہ سابق: ۲۱/۲۲۶ (۵) مستفاد: امداد المفتیین: ۲/۳۸۷

اسلام کا نظامِ وصیت

نظامِ وصیت

وصیت کے نظام کے ذریعہ بندہ اپنی آخرت ودنیا، حقوق اللہ وحقوق العباد کے بہت سے مسائل کو حل کرسکتا ہے، بہت سے اندیشے اور خطرات ختم کئے جاسکتے ہیں، انفرادی واجتماعی زندگی کے مالی نظام کی پیچیدگیاں ھبہ کے بعد وصیت سے حل کی جاسکتی ہیں، دنیا میں حد سے زیادہ انہماک اور موت وآخرت سے غفلت نے اس باب کو بھی بھلا دیا ہے، نہ تذکروں میں ہے، نہ عمل میں، پورے اسلامی قانون کی طرح یہ قانون بھی نہایت اعتدال کا نمونہ ہے، شرعی وصیت کی اجازت ہے، ظالمانہ وصیت کی نہیں، وارث کے لئے وصیت نہیں ہوسکتی کہ قطع رحمی یا کسی کے ساتھ امتیازی سلوک کا مظاہرہ ہو، ایک تہائی سے زیادہ کی کسی کو وصیت نہیں کی جاسکتی، نگران طے کیا جاسکتا ہے، وصیت میں تبدیلی درست ہے کن امور کی وصیت کرنا چاہیئے!!!

پڑھیئے اور اپنا وصیت نامہ فوراً بلا تاخیر لکھیئے۔

کچھ ضروری اصطلاحات

وصیت کے احکام ومسائل میں چند اصطلاحی الفاظ کا ذکر آتا ہے جن کا جاننا ضروری ہے اور جن کے جاننے سے وصیت کے تمام احکام ومسائل کو سمجھنا آسان ہوتا ہے، وہ الفاظ یہ ہیں:۔

مُوْصِي: وصیت کرنے والا شخص۔

مُوْصىٰ لَهٗ: جس شخص کیلئے وصیت کی گئی ہو۔

مُوْصىٰ بِه: جس چیز کی وصیت کی گئی ہو، اس کو ''موصیٰ بہ'' اور ''وصیت'' بھی کہتے ہیں۔

مُوْصىٰ اِلَيْهِ: جس کو اس وصیت کا ذمہ دار بنایا گیا ہو، اور اس کو ''وصی'' بھی کہا جاتا ہے

مثلاً: زید نے (مرنے سے پہلے) ایک یتیم لڑکے کے لئے دس ہزار روپیہ کی وصیت کی ہے اور اس ادائیگی کا ذمہ دار خالد کو بنایا تو اس مثال میں زید ''مُوْصِي'' ہے دس ہزار روپئے ''مُوْصىٰ بِه'' ہے، یتیم لڑکا ''مُوْصىٰ لَه'' ہے اور خالد ''مُوْصىٰ اِلَيْهِ'' ہے جس کو وصی بھی کہا جاتا ہے۔

وصیت کی لغوی تعریف

قرآن وحدیث کے نصوص میں غور وخوض کرنے اور لغت کے استقراء (تلاش و جستجو) سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ الوصیۃ چند معنوں پر بولا جاتا ہے۔

(۱) **الأمر المؤكد**: تاکیدی حکم یعنی کسی بات میں مضبوطی پیدا کرنے کیلئے وصیت کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جیسے :**وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ اِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللهَ.**(۱)

(۲) وصیت کا دوسرا معنیٰ ''العہد'' عہد لینے کے ہیں جیسے کہا جاتا ہے أوصی الی

---

(۱) نساء:۱۳۱

فلان بکذا أی عهد الیه.(اس نے فلاں کو کسی چیز کی وصیت کی یعنی فلاں سے عہد لیا) جیسا کہ کسی سے عہد لیا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد اس کے چھوٹے بچوں کی پرورش اور ناسمجھ بچوں کی نگہداشت کی جائے۔تو لفظِ وصیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۳) وصیت کا تیسرا معنی ''الوصل'' ملانے کے ہیں جیسے کہا جاتا ہے وصیت الشئی بکذا اذا وصلته.

(میں نے اس چیز کو اس سے ملا دیا)(۱) اور ''لمحات مهّمة فی الوصیة'' کی عبارت ہے أصل الوصیة من الوصل، قال ابن فارس:الواو والصاد والیاء أصل یدل علی وصل شئی بشئی،وصیّت الشئی وصلته.(۲)

کہ وصیت کی اصل وصل سے ہے جس کا اصل مادّہ و،ص،ی ہے جو کسی چیز کو کسی سے ملانے پر دلالت کرتا ہے جیسے ''وصلت الشئی'' کو ''وصیت الشئی'' بھی کہتے ہیں۔

فقہی تعریف

فقہ کی اصطلاح میں بطورِ تبرع واحسان کے کسی سامان یا اس سے نفع اٹھانے کا مالک بنا دینے کو ایصاء یا وصیت کہتے ہیں(۳)

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

فالوصیة اسم لما اوجبه الموصی فی ماله بعد موته.(۴)

وصیت وہ ہے جس کو موصی اپنے مال میں مرنے کے بعد واجب کرے۔

---

(۱)الصحاح الجوهری:۶،۲۵۲۵،دار العلم للملائین،بیروت

(۲)مقاییس اللغة،وصی ۶/۱۱۶،دار الفکر،بیروت

(۳) قاموس الفقہ:۱/۲۷۲

(۴)بدائع الصنائع:فصل فی معنی الوصیة:۷/۳۳۳،دار الکتب العلمیة،بیروت

الغرض فقہ حنفی کے اعتبار سے وصیت کہتے ہیں کہ آدمی اپنے مرنے کے بعد اپنی کسی چیز یا اسکے نفع کا یا اپنی کسی چیز کی آمدنی کا دوسرے شخص کو بغیر کسی عوض کے محض احسان کے طور پر مالک بنا دے۔

پھر یہ مالک بنانا ہمیشہ کے لئے بھی ہوسکتا ہے (جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے) جیسے وصیت کرے کہ میری وفات کے بعد میری فلاں زمین کی آمدنی ہمیشہ غریبوں کو دی جائے۔

یا پھر یہ مالک بنانا خاص زمانہ تک کے لئے بھی ہوسکتا ہے مثلاً کوئی اسطرح وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد تم دو سال تک میرے فلاں مکان میں رہنا۔

نیز اس تملیک یعنی مالک بنانے کو بغیر کسی شرط کے بھی مالک بنایا جاسکتا ہے یا کسی شرط کے ساتھ بھی مالک بنایا جاسکتا ہے۔

مثلاً میرے مرنے کے بعد میں اپنا فلاں مکان تمہارے لئے وصیت کرتا ہوں یہ مطلق کی مثال ہے۔

اور اگر یہ کہے کہ اگر تم اگلے سال حج کرلو تو میں اپنے مرنے کے بعد فلاں مکان کی وصیت کرتا ہوں تو یہ مشروط کی مثال ہے چنانچہ اگر اس نے حج کرلیا تو وہ وصیت کرنے والے کی موت کے بعد اس مکان کا مالک ہو جائے گا جس کی وصیت کی گئی تھی۔ اور اگر اس نے حج کرلیا تو وہ وصیت کرنے والے کی موت کے بعد اس مکان کا مالک ہو جائے گا جس کی وصیت کی گئی تھی۔ اور اگر اس نے حج نہیں کیا تو وہ اس مکان کا مالک نہ ہوگا۔

وصیت اسلامی شریعت میں

وصیت کا مشروع ہونا کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ قرآن مجید نے متعدد مواقع پر وصیت کا ذکر فرمایا ہے اور بعض احادیث میں بھی وصیت کا جواز بلکہ اس کی تاکید بھی وارد ہے اور علامہ کاسانیؒ اور ابن قدامہؒ نے اس پر علماء امت کا اجماع بھی

نقل کیا ہے۔(۱)

چنانچہ علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے وصیت کی تعریف کے بعد وصیت کی مشروعیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وصیت قرآن، سنت اور اجماع سے ثابت ہے :الوصية بالمال هي التبرع به بعد الموت والأصل فيها الكتاب والسنة والاجماع.(۲)

اور علامہ کاسانیؒ نے بھی وصیت کا جواز قرآن، سنت اور اجماع سے بتایا ہے۔

الا أنهم استحسنوا جوازها بالكتاب العزيز والسنة الكريمة والاجماع.(۳)

اسی طرح صاحب فتح القدیر نے بھی قرآن وسنت واجماع سے اس کی مشروعیت کو ثابت کیا ہے۔(۴)

وصیت کا جواز قرآن کریم سے

سورۂ نساء کی بارہویں آیت میں اللہ نے وصیت کی اہمیت کو بتلاتے ہوئے تین مرتبہ وصیت کا تذکرہ فرمایا ہے کہ وراثت کی تقسیم وصیت کے نافذ کرنے کے بعد ہوگی۔

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ۔(۵)

اسی طرح سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۱۰۶ میں وصیت کرتے وقت گواہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے جس سے خود وصیت کا مشروع ہونا ثابت ہوتا ہے:يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ (۳)

اسی طرح سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۰ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مالدار کو وصیت کرنے کا حکم دیا ہے جس سے خود وصیت کی مشروعیت کا ثبوت ملتا ہے ۔" كُتِبَ

(۱)مستفاد قاموس الفقه:۵/۲۷۳

(۲)اعلاء السنن:۱۸/۲۹۹

(۳)بدائع الصنائع ۶/۴۲۲، زکریا بک ڈپو، دیوبند

(۴)الوصية بيانها وأبرز احكامها:۱۵، تکملہ فتح القدیر:۱۰/۴۱۴، زکریا بکڈپو دیوبند

(۵)نساء:۱۲

عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْراً الْوَصِيَّةُ“

وصیت کا جواز احادیث سے

متعدد احادیث شریفہ سے بھی وصیت کا جواز معلوم ہوتا ہے چنانچہ وصیت کے جواز پر بخاری و مسلم و ترمذی کی وہ روایت دلالت کرتی ہے جس میں سعدؓ کا واقعہ آیا ہے کہ ایک مرتبہ سعدؓ بیمار ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کے لیے تشریف لائے تو سعدؓ نے پورے مال کی وصیت کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے صرف تہائی مال کی وصیت کی گنجائش دی ہے۔

روى أن سعد بن أبى وقاص رضي الله عنه وهُوَ سَعَدُ بنُ مَالِكٍ كَانَ مَرِيضًا فَعادَ رَسُولُ الله ﷺ فقَالَ يَارسول الله ﷺ أُوصِى بِجَمِيعِ مَالى؟ فقَالَ لاَ، فقَالَ بثُلُثَى مَالى؟ فقَالَ لَا، قَالَ بِنِصْفِ مَالِي؟ قال لا، قَالَ فَبِثُلُثِ مَالِي؟ فَقَالَ عليه الصلوة والسلام الثُلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِير، إنَّکَ أن تَدَعَ وَرَثَتَکَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدَعَهمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ۔(۱)

(۲) وصیت کے جواز میں حضرت علیؓ سے مروی وہ حدیث بھی ہے جس میں اللہ کے نبی ﷺ کے وصیت سے پہلے دین کے فیصلہ کا تذکرہ ہے جس سے خود وصیت کے جواز کا علم ہوتا ہے۔

وعن علی رضي الله عنه قال انكم تقرأون هذه الآية ﴿مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ﴾ وأن النبى ﷺ قضى أن الدين قبل الوصية۔(۲)

(۳) نیز عبد اللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ اگر کسی مسلمان کے پاس کچھ ہو اور وہ اس میں وصیت کرنا چاہتا ہو، تو دو شب بھی ایسی نہیں گذارنی چاہیئے کہ اس کا وصیت نامہ اس کے پاس موجود نہ رہے۔

---

(۱) بخاری، باب ورثاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم سعد ابن خولة، حدیث :۱۲۹۵۔

(۲) ترمذی :باب ما جاء فی الضرار فی الوصیة، حدیث :۲۱۱۷

عن ابن عمر، قَالَ: قَالَ: رَسُوْلُ الله صلی الله علیه وسلم مَا حَقُّ امْرِیٍٔ مُسْلِمٍ لَه عَلَیْه یُوْصیٰ بِه یَبِیْتُ لَیْلَتَیْنِ إلَّا وَوَصِیَّتُه عِنْدَه مَکْتُوْبَة متفق علیه(۱)

نیز اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہاری وفات کے وقت تمہارے تہائی مال کا صدقہ کیا ہے (یعنی اس کو وصیت کے راستہ سے خرچ کرنے کی اجازت دی ہے) تا کہ تم اس وصیت کے ذریعہ اپنی نیکیوں میں اضافہ کرسکو اور تمہارے لئے یہ مکافات اور تلافیٔ مافات ہو سکے۔

وقال رسول الله ﷺ ان الله قد تصدق علیکم بثلث اموالکم عند وفاتکم زیادةً فی حسناتکم لیجعلها لکم زکاةً(۲)

وصیت کا جواز اجماع سے

وصیت کے جواز پر ہر زمانہ میں ہر شہر کے علماء کا اجماع رہا ہے اور اس اجماع کو علامہ کاسانیؒ علامہ ابن قدامہؒ اور حافظ ابن عبدالبر وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ چنانچہ صاحب اعلاء السنن فرماتے ہیں:

وأجمع العلماء فی جمیع الأمصار والأعصار علی جواز الوصیة کہ ہر شہر میں ہر زمانہ میں وصیت کے جواز پر علماء کا اجماع ثابت ہے۔(۳)

اور علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں: یوصون من غیر انکار من أحد فیکون اجماعا من الأمة علی ذلک.(۴)

کہ آپ ﷺ کے زمانے سے آج تک تمام مسلمانوں کا بغیر کسی انکار کے وصیت کرتے رہنا یہ

---

(۱)بخاری: باب الوصایا وقول النبی صلی الله علیه وسلم، وصیة الرجل مکتوبة عنده، حدیث: ۲۷۳۸

(۲)سنن الدار قطنی، کتاب الوصایا، حدیث: ۴۲۸۹

(۳)اعلاء السنن: ۱۸/۲۹۹، المکتبة الاشرفیه، دیوبند

(۴)بدائع الصنائع: ۶/۴۲۳ زکریا بک ڈپو، دیوبند

خود امت کی طرف سے اجماع ہوگا۔

قال ابن قدامة وأجمع العلماء فی جميع الأمصار والأعصار علی جواز الوصية(۱)

قال ابن عبد البر: واتفق فقهاء الامصار علی أن الوصية مندوب اليها مرغوب فيها، وأنها جائزة لمن أوصی فی کل ماله قل أو کثر مالم يتجاوز الثلث(۲)

وصیت کے جواز کی حکمت

چونکہ انسان اپنی زندگی کی امیدوں کے بارے میں مغرور اور دھوکہ میں رہتا ہے، زندگی کا بھروسہ نہیں کہ کب انسان کا ساتھ چھوڑ دے، پھر اعمال خیر کی انجام دہی میں بھی انسان قاصر ہے ساتھ ہی ساتھ انسان نیکیوں کا حریص ہوتا ہے اور دنیا ہی میں ذکر خیر کے حصول کی فکر بھی کرتے رہتا ہے، نیز اعمال خیر میں کثرت سے حصہ نہ لینے کا افسوس بھی رہتا ہے، پھر اس کی تلافیٔ مافات کی فکر بھی دامن گیر ہوتی ہے دوسری طرف بندہ پوری زندگی طغیانی وسرکشی میں گزارتا ہے، طاعت پر قدرت کے زمانہ میں غفلت کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اعضائے قویٰ کمزور پڑ جاتے ہیں، اسی لیے اللہ رب العزت نے ان سب کا حل بتاتے ہوئے تلافیٔ مافات کے طور پر وصیت کو جائز قرار دیا ہے تا کہ انسان اپنے مقاصد میں کامیابی کے حصول کے ساتھ ساتھ مرنے کے بعد بھی رفاہی کام انجام دے سکے اور صدقۂ جاریہ حاصل کرے اور آخرت میں ثواب جزیل حاصل کرے(۳)

مسند احمد اور ابن ماجہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یقینا اللہ تبارک و تعالیٰ نے تم پر تمہاری وفات کے وقت تمہارے تہائی مال کا صدقہ کیا ہے یعنی تہائی مال کے وصیت کی اجازت دی ہے تا کہ تمہارے اعمال خیر میں اضافہ ہو سکے :وروی عنه

---

(۱) لمحات مهمة فی الوصية بحواله المغنی ۸،۳۹

(۲) الاستذکار، باب الأمر بالوصية :۷،۲۶۲، دار الکتب العلمية، بيروت

(۳) مستفاد: لمحات مهمة فی الوصية، ومستفاد هدايه: ۴،۵۴

عليه الصلوة والسلام أنه قال: إِنَّ الله تبارك وتعالىٰ تَصَدَّقَ عَلَيْكُمْ ثُلُثَ اَمْوالِكُمْ فِي آخِرِ أَعمَارِكُمْ زِيَادَةً عَلىٰ أَعمَالِكُمْ فَضَعُوه حَيثُ شِئتُم؟(۱)

وصیت لکھنے کی فضیلت واہمیت

وصیت لکھنے کی فضیلت واہمیت کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے کہ کسی مسلمان کو یہ حق نہیں کہ کسی چیز کی وصیت کرنا اس پر ضروری ہو پھر وہ دوراتیں بھی اس طرح گذارے کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی نہ ہو۔ عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيئى يُوصِى فِيهِ يَبِيتُ لَيلَتَينِ اِلاَّ وَوَصِيَّتُهُ عِنْدَهُ مَكْتُوْبَةٌ. (۲)

یعنی جب کسی کے ذمہ کوئی مالی حق ہو یا عبادت کا حق ہو جیسے نمازیں یا روزے قضاء ہیں تو اس کی وصیت پہلے لکھ کر رکھے پھر سوئے۔ دوراتیں بھی ایسی نہیں گذرنی چاہئیں جس میں وصیت نہ لکھی ہوئی ہو۔

جہاں اس قسم کی کوئی چیز اپنے ذمہ واجب ہو وہاں وصیت کا لکھنا واجب ہے اور جہاں اس قسم کی کوئی چیز ذمہ میں واجب نہ ہو، وہاں وصیت لکھنا واجب تو نہیں مستحب ہے کہ اپنے مال میں سے کچھ حصہ محتاج لوگوں کو صدقہ کرنے کی وصیت کردے۔

اسی طرح کی روایت ہے کہ جس شخص کو موت وصیت کرنے کے بعد آئی ہو تو ایسا شخص صراطِ مستقیم اور درست راستہ پر مرا، متقی اور شہید ہو کر مرا اور اس حال میں مرا کہ اس کی مغفرت ہو چکی ہو گی۔

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: مَن مَاتَ عَلىٰ وَصِيةٍ

---

(۱) سنن ابن ماجه، باب الوصية بالثلث، حديث: ۲۷۰۹، علامہ بوصیری مصباح الزجاجۃ میں اور علامہ ابن حجر نے التلخيص الحبير: ۲/۲۲۴ میں اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

(۲) بخاری: باب الوصايا وقول النبی ﷺ، وصية الرجل مكتوبة عنده، حديث: ۲۷۳۸

مَاتَ عَلٰی سَبِیلٍ وَسُنَّةٍ وَمَاتَ عَلٰی تُقیً وَشَهَادَةٍ وَمَاتَ مَغْفُوْراً لَه۔(۱)

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مسلمان کے پاس جب کوئی چیز ہو جس کی وصیت کرنا چاہتا ہے تو احتیاط اسی میں ہے کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی موجود ہو (یعنی جلد از جلد وصیت لکھدے) کیوں کہ پتہ نہیں کہ موت کب آئے گی اور وہ اپنے ارادے کو بروئے کار نہ لا سکے۔

قال الشافعی رحمه الله ماالحزم والاحتیاط للمسلم إلا أن تکون وصیته مکتوبة عنده،اذا کان له شیئی یرید أن یوصی فیه،لأنه لایدری متی تأتیه منیته فتحول بینه وبین مایریدمن ذلک.(۲)

ان احادیث اور اقوال سے جہاں یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر کسی کے ذمہ کوئی حق واجب ہے (کسی کا قرض ادا کرنا ہے، امانت ادا کرنی ہے) تو اس کی وصیت لکھنا ضروری ہے، وہیں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ۔۔۔اگر کوئی حق اس کے ذمہ نہیں تو بھی وصیت کرنا سبب مغفرت ہے اور بڑے اجر وثواب کا باعث ہے، کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ جو اولاد والدین کی زندگی میں ان کے حقوق یا ارشادات کی پرواہ نہیں کرتے ہیں وہ بھی والدین کے مرنے کے بعد ان کی وصیت کی تعمیل کو اپنے لیے ضروری سمجھتے ہیں اس لیے وصیت ہر مسلمان کو ضرور لکھ کر رکھنی چاہیئے تا کہ وارثین (اولاد وغیرہ) اس کے مطابق عمل کریں اور دوسروں سے کروائیں۔(۳)

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور وصیت

زندگی میں ضروری امور سے متعلق وصیت کرجانے کی جو تاکید اور اہمیت

---

(۱)سنن ابن ما جه،باب الحث علی الوصیة،حدیث :۲۷۰۱،بوصیری کہتے ہیں: یہ سند بقیہ اور ان کے شیخ یزید بن عوف کی وجہ سے ضعیف ہے، ان کے سلسلے میں کسی نے کچھ کلام نہیں کیا ہے،مصباح الزجاجة،باب الحث علی الوصیة:۲؍۱۴۰،دار العربیة،بیروت

(۲)فقه السنة:۳؍۵۸۵،دار الکتاب العربی،بیروت (۳)طریقۂ وصیت:۱۲

احادیث نبوی ﷺ سے معلوم ہوئی ہے اس پر حضرات صحابہ کرامؓ نے بڑے اہتمام سے عمل فرمایا اور حضراتِ صحابہؓ تو اللہ تعالیٰ کے ہر حکم اور نبی اکرم ﷺ کی ہر سنت، ہر طریقے، اور ادا پر مر مٹنے والے تھے۔(۱)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ وصیت والی حدیث روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ فَمَابِتُّ لَيْلَةً إِلَّا وَصِيَّتِي عِنْدِيْ مَوْضُوْعَةٌ. ترجمہ: میں نے کوئی رات ایسی نہیں گذاری مگر یہ کہ میری وصیت میرے پاس لکھی ہوئی رکھی ہوتی تھی۔(۲)

عین شہادت کے وقت وصیت

احد کی لڑائی میں حضور ﷺ نے پوچھا کہ سعد بن ربیعؓ کا حال معلوم نہیں ہوا کیا گذری؟ ایک صحابی کو تلاش کرنے کے لیے بھیجا وہ شہداء کی جماعت میں تلاش کر رہے تھے، آوازیں بھی دے رہے تھے کہ شاید وہ زندہ ہیں، پھر پکار کر کہا کہ مجھے حضور ﷺ نے بھیجا کہ سعد بن ربیع کی خبر لاؤں تو ایک جگہ سے بہت ضعیف سی آواز آئی یہ اس طرف بڑھے جا کر دیکھا کہ سعد مقتولین کے درمیان پڑے ہیں اور ایک آدھ سانس باقی ہے، جب یہ قریب پہنچے تو سعدؓ نے کہا کہ حضور ﷺ کو میرا اسلام عرض کر دینا کہ اللہ تعالیٰ میری جانب سے آپ کو اس سے افضل اور بہتر بدلہ عطا فرمائے جو کسی نبی کو اس کے امتی کی طرف سے عطا کیا ہو، اور مسلمانوں کو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ اگر کفار حضور ﷺ تک پہنچ گئے اور تم میں سے کوئی ایک آنکھ بھی چمکتی ہوئی رہی (یعنی وہ زندہ رہا) تو اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی عذر بھی تمہارا نہ چلے گا یہ کہہ کر وہ شہید ہو گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آدمی اپنی قوم کو اپنی اولاد کو دین پر ثابت قدم رہنے اور دین کو

---

(۱) طریقۂ وصیت: ۱۳

(۲) مسند احمد، مسند عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ۱۰/ ۲۶۵، مسند ابی یعلی، مسند عبداللہ بن عمر، حدیث: ۵۵۱۲ حسین سلیم اسد نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

پھیلانے کیلئے جان مال کو قربان کرنے کی وصیت کرتے رہنا چاہئے، ہر والد اور والدہ اپنے بچے، بچیوں، نواسے، نواسیوں اور پوتے، پوتیوں کو یہی وصیت کر جائے، تا کہ ہر مسلمان مرد وعورت اپنے والدین کی وصیت کو یاد رکھتے ہوئے، اسلام کا سچا مبلغ اور مجاہد اور اللہ تعالیٰ کی یاد والا بن کر زندگی گذارنے کی کوشش کرے، اور آخرت میں بھرپور اللہ کی طرف سے بے شمار نعمتیں اور سب سے بڑھ کر اللہ کی رضا حاصل کرنے والا بن جائے۔(آمین)

حضرت ثابت ابن قیسؓ کی وصیت

حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ جو مشہور انصاری صحابی ہیں(۱) ان کا واقعہ اس وصیت والے معاملے سے متعلق بڑا عجیب وغریب ہے' حضرت عطا خراسانیؒ فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ طیبہ پہنچا تو مجھے کسی ایسے شخص کی تلاش تھی جو مجھے حضرت قیسؓ کے حالات بتا سکے، لوگوں نے مجھے ان کی صاحبزادی کا پتہ دیا، تو میں نے ان کی صاحبزادی سے ان کے حالات سنے تو منجملہ دیگر احوال کے ان کی صاحبزادی نے مجھے حضرت ثابت بن قیسؓ کا یہ واقعہ سنایا۔

حضرت ثابتؓ کی شہادت کے بعد ایک شخص نے انہیں خواب میں دیکھا "فلما استشهد رآه رجل" کہ وہ اس سے کہہ رہے ہیں کہ جب کل مجھے شہید کر دیا گیا تو ایک شخص میری نعش کے قریب سے گذرا' میرے سینہ پر ایک نفیس زرہ تھی وہ اس نے اتار لی ہے' "إني لما قتلت انتزع درعي رجل من المسلمين" اس شخص کا مکان لشکر کے بالکل آخری

---

(۱) جو قبیلۂ خزرج کے ہیں، جنگِ احد اور بیعت رضوان میں شریک تھے انکی والدہ کا نام ہند طائیہ ہے اللہ کے نبی ﷺ نے ثابت بن قیس اور عمارؓ کے درمیان مواخات کرائی تھی، بلند آواز والے عمدہ خطیب تھے۔اخی رسول اللہ ﷺ۔ بینه وبین عمار۔ اور ثابت بن قیس یہ وہ صحابی ہیں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی "لا ترفعوا أصواتكم فوق صوت النبي" قال ثابت بن قيس أنا كنت أرفع صوتي فوق صوته..الخ (دیکھئے الاصابہ ترجمہ رقم:۹۸۹)

سرے پر فلاں جگہ واقع ہے اور اس کے سامنے ایک لمبا تڑنگا گھوڑا بندھا ہوا ہے اس شخص نے میری زرہ پر ایک ہانڈی اوندھی کر کے رکھدی ہے اور اس ہانڈی پر اونٹ کا گجاوہ ڈالدیا ہے تم خالد بن ولید کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ میری زرہ اس شخص سے واپس لے لیں پھر جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ یعنی حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچو تو ان سے کہہ دینا کہ ''میرے ذمہ اتنا اتنا قرض ہے اور میں نے اتنا اتنا مال اپنے پیچھے چھوڑا ہے، اور میرے فلاں فلاں غلام آزاد ہیں''

حضرت ثابتؓ نے خواب ہی میں اس شخص سے یہ بھی فرمایا کہ ''تم میری ان باتوں کو خواب کی بات سمجھ کر ٹال نہ دینا، بلکہ ان پر عمل کرنا۔'' "فائت الأمير فأخبر، وإياك أن تقول: هذا حلم، فتضيعه واذا اتيت المدينة فقل لخليفة رسول الله صلى الله عليه وسلم ان علي من الدين كذا وكذا وغلامي فلان عتيق.

وہ شخص حضرت خالد بن ولیدؓ کے پاس پہنچا اور انہیں خواب سنایا، حضرت خالدؓ نے آدمی بھیج کر زرہ کے واقعہ کی تحقیق فرمائی زرہ اسی پتے کے مطابق مل گئی، اس کے بعد وہ شخص حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچا انہیں بھی یہ پورا قصہ سنایا تو آپؓ نے ان کی وصیت پر عمل کا اہتمام فرمایا، حضرت ثابتؓ کے علاوہ کوئی شخص ہمیں ایسا معلوم نہیں ہے جس نے موت کے بعد وصیت کی ہو اور اس پر اس طرح عمل کیا گیا ہو۔ "فلا نعلم أحدا بعد ما مات انفذت وصيته غير ثابت بن قيس رضي الله عنه" (۱)

غور کیجئے! کہ صحابہ کرامؓ کو وصیت لکھنے کا کتنا اہتمام تھا کہ اگر کسی کو دین کا کام کرتے کرتے فرصت نہ ملی تو عین شہادت کے وقت موت سے پہلے اپنے رشتہ دار احباب و قوم کو دین پر مر مٹنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی وصیت کر رہے ہیں، اور اگر کسی

---

(۱) "فأتى خالد بن وليد فوجه إلى الدرع فوجدها كما ذكر" (المعجم الكبير، ثابت بن قيس بن شماس الأنصاري، حديث: ۱۳۲۰) علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں: بنت ثابت بن قیس کو میں نہیں جانتا اسکے بقیہ رجال صحیح کے رجال ہیں۔

دین کا کام کرتے کرتے یاد نہ رہا اور کسی کا قرض باقی رہ گیا تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے موت کے بعد خواب کے ذریعہ وصیت کررہے ہیں کہ میرا قرضہ اتروادیں۔(١)

وصیت صحت کے زمانے میں

انسان نہیں جانتا کہ اس کو موت کب آئے گی، لیکن جب آجاتی ہے تو مہلت نہیں دیتی چنانچہ موت کے آنے سے پہلے وصیت سے فارغ ہوجانا چاہئے، بیماری کا انتظار نہیں کرنا چاہئے، کیوں کہ جب صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کون سا صدقہ افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا صحت کے زمانے کا صدقہ۔ حِینَ سُئِلَ: یَارَسولَ اللهِ، أَیُّ الصَدَقَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ تَصَدَّقَ وَأَنْتَ صَحِیْحٌ حَرِیْصٌ۔(٢)

اور ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص اپنی موت کے بعد غلام آزاد کرتا ہے یا صدقہ کرتا ہے تو اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو آسودگی کے بعد ہدیہ کرے۔ ''مَثَلُ الَّذِیْ یَعْتِقُ أَوْ یَتَصَدَّقُ عِنْدَ مَوْتِهِ مَثَلُ الَّذِی یُهْدِیْ بَعْدَ مَا یَشْبَعُ''(٣)

اسی صحت ہی کے زمانے میں وصیت لکھ دینا چاہئے۔

نیز ابو داؤد کی روایت ہے کہ عام حالات میں ایک درہم اللہ کی راہ میں اس کی رضا کے خاطر خرچ کرنا موت کے وقت سو درہم خرچ کرنے سے بہتر ہے۔ عن ابی سعید الخدری أن رسول الله ﷺ قَالَ لَأَنْ یَتَصَدَّقُ الْمَرْءُ فِی حَیَاتِهِ بِدِرْهَمٍ خَیْرٌ لَه مِنْ أَنْ یَتَصَدَقَ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ عِنْدَ مَوتِهِ۔(٤)

---

(١) حوالہ سابق طریقۂ وصیت ١٣، ١٧

(٢) بخاری: باب الصدقة عند الموت، حدیث: ٢٧٤٨

(٣) ابوداؤد: باب في فضل العتق في الصحة، حدیث: ٣٩٦٨، ترمذي: باب ماجاء في الرجل یتصدق أو یعتق عند الموت، حدیث: ٢١٢٣ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(٤) ابوداؤد باب ماجاء فی کراهیة الإضرار فی الوصیة حدیث: ٢٨٦٦، البانی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔

وصیت کرنے میں اس کا انتظار نہیں کرنا چاہئے کہ جب بوڑھے ہوجائیں گے اور موت کا وقت قریب آجائے گا اس وقت وصیت کردیں گے، کیونکہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں معلوم نہیں کہ وہ کب آگھیرے، یا کوئی ناگہانی حادثہ پیش آجائے اور وصیت نہ کرسکے اور مصلحت فوت ہوجائے۔ اور کفِ افسوس ملنے کے سوا چارہ نہ رہے۔ پس ہر مومن کو چاہئے کہ وہ وصیت نامہ تیار رکھے۔ دو دن بھی ایسے نہیں گذرنا چاہئیں کہ وصیت نامہ موجود نہ ہو۔

فائدہ: معاملات کی یادداشت لکھ لینا یا کسی رازدار مثلاً بیوی بچوں کو بتلا دینا بھی وصیت نامہ لکھنے کے قائم مقام ہے(۱)

وصیت کے ارکان

وصیت کے ارکان ایجاب وقبول ہیں ، وصیت کرنے والے کی طرف سے ایجاب اور جس کے لیے وصیت کی گئی ہے اس کی طرف سے قبول پایا جانا ضروری ہے، چاہے صراحۃً قبول کرے یا دلالۃ قبول پایا جائے ''ویشترط فی الوصیة القبول صریحا أو دلالة''(۲)

چنانچہ خاموش رہنا بھی اس کی طرف سے قبولیت کا اظہار ہی ہے اسی لیے علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے کہ تم یوں بھی کہہ سکتے ہو کہ وصیت کا رکن وصیت کرنے والے کی طرف ایجاب اور دوسرے فریق کی طرف سے انکار کا نہ پایا جانا ہے۔

وان شئت قلت: رکن الوصیة الایجاب من الموصی وعدم الرد من الموصی له(۳)

چنانچہ کسی شخص کیلئے وصیت کی گئی اور وصیت کرنے والے کی موت کے بعد قبول یا رد کے اظہار کے بغیر ہی اس شخص کا انتقال ہوگیا جس کیلئے وصیت کی گئی تھی تو وہی

(۱) رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۴/ ۶۱۸

(۲) الفتاوي الهندية، الباب الأول فی تفسیر الوصیة، وشرط جوازها وحکمها، ص: ۹۰، دار الفکر، بیروت

(۳) الفتاوي الهندية، الباب الأول فی تفسیر الوصیة، وشرط جوازها وحکمها، ص: ۹۰، دار الفکر، بیروت

شخص (موصی لہ) اس کا مالک ہوگا اور اسی کے ورثاء میں اس کی تقسیم عمل میں آئے گی۔

بأن یموت الموصی لہ قبل الرد والقبول ‘ فیکون موتہ قبولا فترثہا ورثتہ.(۱)

پھر وصیت کی قبولیت کا اظہار بعض دفعہ فعل کے ذریعہ بھی کیا جاتا ہے جیسے وہ شخص جس کے حق میں وصیت کی گئی ہے وہ اس مال میں کوئی تصرف کرے۔"القبول بالفعل کتنفیذ وصیّۃ أو شراء شیئی لورثتہ الخ"(۲)

کیا وصیت کرنا اب بھی واجب ہے

شروع اسلام میں جب تک میراث کے حصے شریعت کی طرف سے مقرر نہ ہوئے تھے یہ حکم واجب تھا کہ ترکہ کے ایک ثلث میں مرنے والا اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کیلئے جتنا مناسب سمجھے وصیت کردے اسی کے مطابق اس کا ترکہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ اتنا تو ان لوگوں کو حق تھا کہ باقی جو کچھ رہتا تھا وہ سب اولاد کا حق ہوتا تھا۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْراً الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالأقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوفِ حَقّاً عَلَى الْمُتَّقِيْنَ(۳)

ترجمہ: فرض کیا گیا تم پر جب حاضر ہو کسی کو تم میں موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال وصیت کرنا ماں باپ کے واسطے اور رشتہ داروں کیلئے انصاف کے ساتھ یہ حکم لازم ہے پرہیزگاروں پر۔(۴)

لیکن یہ وصیت کے وجوب کا حکم آیتِ میراث سے منسوخ ہوگیا، بلکہ اب وارث کے لئے وصیت کر بھی جائے تو اس کا اعتبار نہیں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ اس حکم کو آیتِ میراث نے منسوخ کردیا۔یعنی **لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ**

---

(۱)الفتاوي الهندية،الباب الأول فی تفسير الوصية،وشرط جوازها وحكمها،ص:۹۰دار الفكر،بيروت

(۲) دیکھئے تفصیل کے لئے "الوصية بيانها وأبرز أحكامها"،ص:۱۵ (۳)بقرہ:۱۸۰

(۴) مستفاد: معارف القرآن ۱/۴۳۶

الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ، وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا الخ.(١)

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے وارثوں کے حصے خود مقرر فرما دیئے ہیں، اس لیے اسے اب وصیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ وارث کے حق میں وصیت کرنے سے منع بھی کیا گیا ہے، جس کا اعلان رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ صحابہؓ کے سامنے فرمایا ہے :انَّ اللهَ أعْطى لِكُلِّ ذي حَقٍّ حقَّه فَلَاوَصِيَّةَ لِوَارِثٍ(٢) اللہ تعالیٰ نے ہر ایک حق والے کو اس کا حق خود دیدیا ہے اس لیے اب کسی وارث کیلئے وصیت جائز نہیں''

اس کے علاوہ تفسیرِ جصاص ،تفسیر روح المعانی ، اِعلاء السنن اور دیگر کتب کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ وصیت کا حکم ابتداء واجب تھا پھر آیت میراث سے وہ حکم منسوخ ہو گیا، اسی پر اجماع ہے اور تقریباً تمام فقہاء نے اس اجماع کو نقل بھی کیا ہے۔ عبارات ملاحظہ ہوں:

عن ابن عباس رضي الله عنه فی هذه الأية (ان ترک خیرا الوصية للوالدین والأقربین) قال: نسختها هذه الأية للرجال نصيب مما ترک الوالدان والاقربون الخ(٣)

فاما الوصية بجزء من ماله فليست بواجبة على أحد فی قول الجمهور وبذلک قال الشعبی والنخعی والثوری ومالک وابوحنیفة والشافعی وأصحابهم وغیرهم.(٤)

کہ اپنے مال میں سے کسی چیز کی وصیت کرنا جمہور کے قول کے مطابق کسی پر واجب نہیں ہے، اسی کے قائل ہیں امام شعبیؒ ،امام نخعیؒ ،امام ثوریؒ ،امام مالکؒ ،امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور ان کے ساتھی وغیرہ۔

---

(١) سورۂ نساء آیت: ٧

(٢) ترمذی، باب ماجاء لا وصية لوارث، حدیث: ٢١٢٠، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے

(٣) أحكام القرآن للجصاص، مطلب الدهن المتجنس يجوز الانتفاع به بغير الأكل: ١/٢٠١٧، دار الكتب العلمية، بيروت

(٤) اعلاء السنن: ١٨/٢٩٩

قال ابن عبد البر: أجمعوا علی أن الوصیة غیر واجبة. الخ ترجمہ: ابن عبد البر نے کہا کہ علماء کا اجماع ہے کہ وصیت واجب نہیں ہے۔ الخ(١)

اگر وصیت کرنا واجب ہوتا تو تمام صحابہ کرام سے وصیت کرنا ثابت ہوتا، جبکہ اکثر صحابہؓ سے وصیت کرنا منقول نہیں ہے۔ أن کثیرا من الصحابة رضوان اللہ علیھم لم ینقل عنھم الوصیة.(٢)

وصیت یہ ایک ایسا صدقہ یا عطیہ ہے جو زندگی میں واجب نہیں ہوتا تو مرنے کے بعد بدرجہ اولیٰ واجب نہ ہوگا۔ أنھا تبرع أو عطیة لا تجب فی حال الحیوة فلا تجب بعد الممات کعطیة الفقراء الأجانب غیر الأقارب۔ (حوالہ سابق)

فائدہ: بعض علماء نے سرے سے اس کے وجوب کا انکار کیا ہے اور انہوں نے وصیت کے واجب نہ ہونے پر تین طرح سے استدلال کیا ہے، جس کو امام جصاص نے اپنی تفسیر کی کتاب ''احکام القرآن'' میں نقل کیا ہے، (بالمعروف) وانھا علی المتقین دل علی انہ غیر واجبۃ من ثلاثۃ اوجہ۔

(١) پہلا یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ''بالمعروف'' ہے جو وجوب کا تقاضہ نہیں کرتا۔ أحدھا: قولہ (بالمعروف) لا یقتضی الایجاب۔

(٢) دوسرا یہ کہ اللہ کا ارشاد ہے ''حقا علی المتقین'' اور ہر آدمی پر متقی ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ والأخر: قولہ (علی المتقین) ولیس یحکم علی کل أحد أن یکون من المتقین

(٣) تیسرا یہ کہ یہ وجوبِ وصیت کا حکم متقین کے لیے خاص ہے جبکہ احکامِ واجبہ میں متقی اور غیر متقی سب برابر ہوتے ہیں ''الثالث تخصیصہ المتقین بھا والواجبات لا یختلف

(١) **حوالہ سابق**، المغنی لابن قدامة، فصل علی من تجب الوصیة: ١٣٧/٦

(٢) الوصیة بیانھا وأبرز احکامھا: ٢٨

فیھا المتقون وغیرھم‘‘(۱)

نوٹ : وصیت کے واجب نہ ہونے پر یہ ساری بحث عام حالات کے مطابق ہے ورنہ تو بعض حالات میں وصیت کرنا واجب بالاتفاق ہے جس کا ذکر عنقریب آرہا ہے۔

وصیت کے اقسام واحکام

حکم کے اعتبار سے وصیت کی چند قسمیں ہیں۔

(۱) واجب وصیت (۲) حرام وصیت (۳) مکروہ وصیت (۴) مستحب وصیت

واجب وصیت: اگر مرنے والے کے پاس کسی کی امانت ہو، کسی کا دین باقی ہو جو ورثاء کو معلوم نہ ہو، زکوۃ، کفارات، نماز وروزے کا فدیہ باقی ہو، حج باوجود فرض ہونے کے نہ کر پایا ہو (وغیرہ) تو ان کی وصیت کرنا واجب ہے کیوں کہ امانتوں کے ادا کرنے اور دیون کے ادا کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اس کا طریقہ اس باب میں وصیت کرنا ہے چنانچہ یہ وصیت واجب ہوگی اور بخاری ومسلم کی حدیث کا مقتضی بھی یہی ہے، کہ عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ اگر کسی مسلمان کے پاس کچھ ہو اور وہ اس میں وصیت کرنا چاہتا ہے تو دو شب بھی ایسی نہیں گذرنی چاہئے کہ اس کا وصیت نامہ اس کے پاس موجود نہ ہو(۲)

اسی طرح وصیت واجب ہوگی ایسے مالدار آدمی پر جس کے غیر وارث قریبی رشتہ دار فقیر ومحتاج ہوں تو ان رشتہ داروں کیلئے وصیت کرنا بھی واجب ہوگا۔ وکذا تجب الوصیة للأقربین الذین لیس لھم حق فی المیراث فکانوا فقراء والموصی غنیا فھنا تجب علیه

---

(۱) أحکام القرآن للجصاص، مطلب الدھن المتجنس یجوز الانتفاع به بغیر الأکل: ۱/۲۰۰، دار الکتب العلمیة، بیروت (۲) اعلاء السنن: ۱۸/۲۹۹، المغنی لابن قدامة، فصل علی من تجب الوصیة: ۶/۱۳۷، مکتبة القاھرة مصر

الوصية لهؤلاء الأقاريب.(١)

نیزابن منذر نے ابوثور سے بھی یہی نقل کیا ہے کہ قرآنی آیت (**كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْراً الْوَصِيَّةَ**) اورحدیث شریف (مَاحَقُّ إمرئ إلَّا وَصِيَّتُه مَكْتُوْبَةٌ عِنْدَه) سے ثابت ہونے والا وجوبِ وصیت کا حکم ایسے آدمی کیلئے ہے جس پر شرعا کوئی حق واجب ہو حقوق اللہ یا حقوق العباد میں سے (ودیعت، کفارہ وغیرہ) کہ ایسے آدمی کیلئے اپنے حقوق کی ادائیگی کی وصیت کرنا لازم اور ضروری ہے۔

ونقل ابن المنذر عن أبي ثور أن المراد بوجوب الوصية في الأية والحديث يختص بمن عليه حق شرعي يخشى أن يضيع على صاحبه، ان لم يوص به كوديعة ودين الله اولأدمي الخ(٢)

نوٹ: بعض حضرات کا خیال ہے کہ حقوق الناس سے متعلق واجبات کی وصیت واجب ہے اور حقوق اللہ سے متعلق وصیت مستحب ہے یہ صاحب مجتبی کی رائے ہے، لیکن علامہ کاسانیؒ اور علامہ حصکفیؒ نے دونوں ہی کو واجب قرار دیا ہے اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔(٣)

واجب وصیتوں کے مراتب

''واقعات للناطفی'' میں لکھا ہے کہ واجب وصیتوں کے چار مراتب ہیں (اسی لحاظ سے وصیت کا اعتبار کیا جائے اور اسی ترتیب سے وصیت کو نافذ بھی کیا جائے)

(١) وہ واجب وصیت جس کو اللہ نے بندہ پر واجب کی ہے، جیسے زکوۃ اور حج۔

(٢) وہ واجب وصیت جس کو قرآن کریم نے اس پر کسی سبب سے واجب کیا ہے، جیسے کفارہ ظہار، کفارۂ یمین، اور کفارۂ قتل۔

(٣) وہ واجب جس کو بندہ اپنی طرف سے واجب کرے جیسے بندہ کہے کہ مجھ پر ہزار روپیہ صدقہ واجب ہے یا غلام کی آزادی واجب ہے۔

---

(١) حوالہ سابق: ١٥ (٢) الوصية بيانهاوأبرزاحكامها : ٢٣ (٣) قاموس الفقہ: ٥/ ٢٧٣

(۴) وہ عام صدقہ جس کو وہ کہے کہ میرے مرنے کے بعد اتنا مال صدقہ کیا جائے ۔(۱)

(۲) حرام وصیت: ایسی وصیت جو نا جائز ہے جس کا مرتکب گنہگار ہوگا۔ اس کی چند قسمیں ہیں ۔(۲)

(۱) ''مازادعلی الثلث'' ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کرنا ورثہ کی اجازت کے بغیر کیوں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت سے منع فرمایا ہے ''والثلث کثیر''(۳) (البتہ ورثہ خود اس کی اجازت دیتے ہوں تو جائز ہوگا)

نوٹ: اس کی تفصیل الگ عنوان کے ساتھ آگے آئے گی۔

(۲) اپنے وارث کیلئے وصیت کرنا یہ بھی حدیث ''فلاوصیۃلوارث'' کی وجہ سے حرام ہے۔ نص قطعی کے خلاف ہے۔

نوٹ: اس کی بھی تفصیل الگ عنوان کے ساتھ آگے آئے گی۔

(۳) کسی حرام (ممنوع) چیز کی وصیت کرنا حرام ہے جیسے گرجا گھر یا شراب وغیرہ کی وصیت کرنا، یہ بھی حرام ہے اس لیے کہ قرآن کریم کی آیت ہے "**وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ**" گناہ اور دشمنی کے کاموں میں ایک دوسرے کی معاونت کرنا حرام ہے ۔(۴)

تنبیہ: اگر کوئی شخص حرام چیز کی وصیت کر بھی دے تو اس وصیت کو نافذ نہیں کیا جائے گا وہ وصیت کالعدم ہوگی اس کا اعتبار نہ ہوگا، ورنہ نافذ کرنے کا گناہ الگ ہوگا۔ (نافذ کرنے والے کو)

(۴) ورثہ کو ضرر اور نقصان پہنچانے کے لیے وصیت کرنا بھی حرام ہے کیوں کہ اللہ

(۱) تاتارخانیہ: ۱۹/ ۴۰۱، زکریا بک ڈپو، دیوبند (۲) لمحات مهمة فی الوصية: ١٦

(۳) بدائع الصنائع: ٦/ ٤٢٢ (۴) المائدۃ: ۲، لمحات مهمة فی الوصية: ١٦

رب العزت نے وصیت کو ''غیر مضار'' کے ساتھ مقید کیا ہے کہ ایسی وصیت کر سکتے ہیں جس سے ورثہ کو ضرر پہنچانا مقصود نہ ہو، ورنہ گناہگار ہو گا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وصیت میں ضرر پہنچانا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ الإِضْرَارُ فِيْ الْوَصِيَّةِ مِنَ الْكَبَائِرِ (١)

ایک اور حدیث میں ہے ''الْحَيْفُ فِيْ الْوَصِيَّةِ مِنَ الْكَبَائِرِ ''(٢) کہ وصیت میں ظلم کرنا (کسی وصیت سے وارث کو تکلیف ہو جائے) تو یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

دوسری حدیث میں آتا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی ستر سال تک خیر کا کام کرتا ہے (ایک روایت میں ٦٠ رسال ہے) پھر وہ موت کے وقت وصیت کے ذریعہ (ورثہ کو) ضرر پہنچاتا ہے تو ایسے شخص کیلئے جہنم واجب ہو جاتی ہے پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ آیت پڑھی ''مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ'' الی قوله ''ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔

وتحرم الوصية أيضا،اذا قصد منها المضارة لقوله تعالیٰ:(من بعد وصية الخ) ولحديث إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ وَالْمَرْأَةُ بِطَاعَةِ اللّٰهِ سِتِّينَ سَنَةً ثُمَّ يَحْضُرُهُمَا الْمَوْتُ فَيُضَارَّانِ فِي الْوَصِيَّةِ فَتَجِبُ لَهُمَا النَّارُ قَالَ: وَقَرَأَ عَلَيَّ أَبُو هُرَيْرَةَ مِنْ هَاهُنَا {مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَى بِهَا(٣)

---

(١) السنن الکبری للنسائی، قوله تعالی: تلک حدود اللہ ومن یطع اللہ ورسوله، حدیث: ١١٠٢٦، سنن دار قطنی، کتاب الوصایا، حدیث: ٤٢٩٣

(٢) السنن الکبری للبيهقي: باب ماجاء في قوله عزوجل: وليخش الذين، حديث: ١٢٥٨٧ اس روایت کو امام بیہقی نے موقوف صحیح کہا ہے السنن الکبری للبيهقي: باب ماجاء في قوله عزوجل: وليخش الذين، حديث: ١٢٥٨٧

(٣) ابوداؤد: باب ماجاء فی کراهية الإضرار فی الوصية، حديث: ٢٨٦٧، ترمذی: باب ماجاء فی الإضرار فی الوصية، حديث: ٢١١٧، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

حرام وصیت کی مزید وضاحت:

موصی کو چاہئے کہ اپنی وصیت میں ہر گز حرام چیز کا ارتکاب نہ کرے، اگر کوئی موصی اپنے وارث کیلئے وصیت کرتا ہے، یا کسی کیلئے جھوٹے دین کا اقرار کرتا ہے یا اپنی بیوی کیلئے مہر کی عدم ادائیگی کا جھوٹا اقرار کرتا ہے (تا کہ تقسیم وراثت سے پہلے بیوی کیلئے بقدر مہر حصہ مقرر کر دیا جائے) یا صرف بیٹوں کیلئے وصیت کرے نہ کہ بیٹیوں کیلئے یا اپنی وصیت کے ذریعہ ورثہ کو ضرر پہنچائے وغیرہ۔ تو یہ سب صورتیں حرام ہیں۔(۱)

پھر اگر اس کے اس طرح کی وصیت سے ورثہ کو نقصان ہی پہنچانا اس کا مقصد ہے تو اس کو اصطلاحِ وصیت میں وصیتِ اثم کہا جاتا ہے اور اگر ان حرام کاموں کے ارتکاب سے ورثہ کے ساتھ ضرر کا قصد نہ ہو (گرچہ لازماً ضرر ہو رہا ہو) تو اس کو وصیت جنف کہتے ہیں۔ یہی تعریف اور فرق بتایا ہے امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص نے "**فَمَنۡ خَافَ مِنۡ مُّوصٍ جَنَفاً أَوۡ إِثۡمًا..الخ**" آیت کی تفسیر میں۔

قال ابوبکر: الجنف المیل عن الحق، وقد حکینا عن الربیع بن انس أنه قال "الجنف الخطأ" ویجوز أن یکون مراده المیل عن الحق علی وجه الخطأ والاثم میله عنه علی وجه العمد وهو تاویل مستقیم(۲)

وصیت جنف کا حکم

جس وصی یا وارث کو اس وصیت جنف کا علم ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس وصیت کو بدل دے اور حرام وصیت کو نافذ نہ کرے اور وہ اس تغیر و تبدیلی پر ماخوذ نہ ہوگا البتہ ماجور ہو سکتا ہے۔

---

(۱) الوصیة بیانها وأبرز احکامها: ۵۱

(۲) أحکام القرآن للجصاص، مطلب الدهن المتجنس یجوز الانتفاع به بغیر الأکل: ۱/ ۲۰۹، دار الکتب العلمیة، بیروت

وعلی من علم بوصیته الجنف أن یغیرها ویبدلها‘ وهو فی ذلک ماجور وغیر مازور،
قال تعالیٰ: فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۔ (۱)

بلکہ موصی لہ اور موھوب لہ کو اس کا لینا بھی صحیح نہ ہوگا بلکہ اس کو واپس کرنا ضروری ہوگا۔

فکذالک اذا وهبها أو أوصیٰ بها وقصده حرمان الورثة فان لایصح للموهوب له والموصی له أخذها‘ فهی باطلة وعلیه ردها الی الورثة۔(۲)

(۳) مکروہ وصیت

جب موصی کے پاس مال تھوڑا ہو اور ورثہ محتاج بھی ہوں اور اس وصیت سے ورثہ کو تنگی ہوسکتی ہو تو ایسی حالت میں وصیت کرنا مکروہ ہوگا۔ کیوں کہ اقرباً (قریبی رشتہ دار وارثین) کو محتاجگی اور قلاشی کی حالت میں چھوڑ کر دور کے رشتہ دار یا اجانب (غیر رشتہ دار) کے ساتھ صلہ رحمی کرنا (وصیت کے ذریعہ) منشا شریعت کے خلاف ہے۔

اللہ کے نبی ﷺ نے سعدؓ سے (جس وقت وہ پورے مال کی وصیت کرنے کی اجازت چاہ رہے تھے) فرمایا کہ تیرا اپنے ورثہ کو مالدار چھوڑ کر جانا بہتر ہے (دوسروں کے لیے وصیت کرنے کے ذریعہ) ورثہ کو فقر و فاقہ کی حالت میں چھوڑنے کے مقابلہ میں اس حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے ورثہ کو محتاجگی اور قلاشی کی حالت میں چھوڑ کر جانے کو ناپسند کیا ہے(۳)

شرح الطحاوی: والأفضل لمن کان له مال قلیل أن لایوصی بشیئ اذا کانت له

---

(۱) الوصیة بیانها وأبرزاحکامها: ۵۱ (۲) حوالہ سابق
(۳) بخاری، باب رثاء النبی صلي الله علیه وسلم سعدبن خوله، حدیث: ۱۲۹۵، لمحات مهمة فی الوصیة: ۱۵، وکذا فی الوصیة: ۴۸

ورثة؛لأن الوصية صلة الأجانب ‘ ولولم يوص فانه صلة لأقربائه، فهذا أفضل (۱)

وأما بيان الأفضل فنقول روى عن أصحابنا أن ورثة الموصى ‘ ان كانوا فقراء ولا يستخفون بما يرثون من ثلثي مال الميت فترک الوصية في هذه الحالة أفضل .(۲)

اور عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص آ کر کہنے لگا کہ میں وصیت کرنا چاہتا ہوں تو حضرت عائشہؓ نے پوچھا کتنا مال ہے؟ اس نے کہا تین ہزار پھر پوچھا کہ بچے کتنے ہیں؟ جواب دیا کہ چار تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے ’’إِنْ تَرَکَ خَیْرًا‘‘ (کہ اگر خیر چھوڑے تب وصیت کرنا ہے) اور یہ تو ہلکا ہے کم ہے آپ اس کو اپنی اولاد کے لئے چھوڑ دو، یہی تیرے لئے افضل ہے۔(۳)

نیز فساق وفجار کیلئے یا ایسے افراد کیلئے وصیت کرنا بھی مکروہ ہوگا جس کے بارے میں ظن غالب فسق و فجور کا ہو۔ کہ وہ اس مالِ وصیت کو فسق و فجور کاموں میں استعمال کریں گے۔

کما تکره لأهل الفسق متى علم أو غلب على ظنه أنهم سيستعينون بها على الفسق والفجور ‘ أمّا اذا غلب على ظنه صرفها الخ .(۴)

مالداری اور محتاجگی کا معیار

اللہ کے نبی ﷺ نے حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ ورثہ کو مالداری کی حالت میں چھوڑنا بہتر ہے محتاجگی کے مقابلے میں؛ لیکن سوال یہ ہوتا ہے کہ مالداری کا معیار کیا ہے؟ کہ کتنی مقدار ورثہ کیلئے چھوڑنے کے بعد وہ وصیت کرسکتا ہے؟ اس بارے میں توصحیح فیصلہ یہی ہو سکتا ہے کہ اس کو عرف اور افراد خاندان کے اخرجات پر چھوڑ دیا جائے کہ ہر علاقہ اور خاندان کی مالداری کا معیار باعتبار اخراجات الگ الگ ہوتا ہے۔

---

(۱) تاتارخانیه: ۱۹/ ۳۶۸ (۲) تاتارخانیه: ۱۹/ ۳۶۸

(۳) مصنف ابن ابي شيبة، في الرجل يكون له المال الجديد القليل، أيوصى فيه، حديث: ۳۰۹۴۶

(۴) لمحات مهمة فى الوصية: ۱۵

لیکن امام ابوحنیفہؒ سے اس سلسلہ میں بھی روایت منقول ہے کہ جب آدمی ہر وارث کیلئے (وصیت سے ہٹ کر) چار ہزار درہم (یعنی ۱۲/ ۲۴۴ گرام ۹۴۴ ملی گرام چاندی) چھوڑتا ہے تو اب اس کے وارثین کو مالدار شمار کیا جائے گا اور مابقیہ مال میں وصیت کرنا افضل قرار دیا جائے گا۔

اور امام ابوبکر محمد بن فضل کا قول ہے کہ دس ہزار درہم ہر وارث کیلئے چھوڑنا ہوگا، اور امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ جب ورثہ صغیر ہوں تو خواہ کتنا ہی مال چھوڑا ہو وصیت نہ کرنا ہی افضل ہے۔

اور اس کے علاوہ حضرت عائشہؓ ابن عباسؓ اور علیؓ کا قول ہے کہ ۷۰۰ دینار بھی قلیل ہیں لہٰذا اگر اتنا مال ہو تو وصیت نہ کرے اور اگر اس سے زائد ہو تو وصیت کرنا بہتر ہے۔(۱)

(۴) مستحب وصیت

جب اس طریقے کے حالات نہ ہو کہ موصی بھی مالدار ہے اور ورثہ بھی قلاش نہیں، سب حالات موافق ہیں اب یہ شخص زادِ آخرت اور ثواب کی حرص میں صدقۂ جاریہ کا ثواب حاصل کرنے کیلئے وصیت کرنا چاہتا ہے تو اس کیلئے وصیت کرنا مباح ہی نہیں بلکہ مستحب اور افضل قرار دیا جائے گا اور ایسے موافق حالات میں خیر کے کاموں میں حصہ لینے اور رفاہی کاموں میں پیش قدمی کرنے کی احادیث میں بکثرت ترغیب بھی آئی ہے چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے ابو ہریرہؓ راوی ہیں آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اعمال بھی منقطع ہوجاتے ہیں مگر تین چیزیں (۱) اولاد صالحہ جو اس کیلئے دعا کرے۔(۲) ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے۔(۳) صدقۂ جاریہ، وصیت اسی میں سے ہے کہ مرنے کے بعد بھی ثواب ملتا رہتا ہے۔(۲)

---

(۱) تاتارخانیہ: ۳۶۸ (۲) ترمذی، باب فی الوقف، حدیث: ۱۳۷۶، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے) (لمحات مهمة فی الوصیة :۱۵، وکذا فی الوصیة :۴۶)

اما بیان المستحب فنقول یستحب للموصی أن ینقص عن الثلث فیوصی بمادون الثلث ...الخ(۱)

عام طور پر لوگ دور کی جگہوں میں خرچ کرنے کو ثواب کا کام سمجھتے ہیں، اسلئے قریب کی جگہوں میں خرچ نہیں کرتے اسی طرح لوگ خیرات کرنے کو ثواب کا کام سمجھتے ہیں اور ورثاء کے لئے مال چھوڑنے کو ثواب کا کام نہیں سمجھتے حالانکہ اس میں زیادہ ثواب ہے، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص نے مرنے سے پہلے اپنے چھ غلاموں کو آزاد کردیا جبکہ ان غلاموں کے علاوہ اسکے پاس کوئی دوسرا مال نہیں تھا اور یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہونچی تو آپ اس سے ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میں نے پکاارادہ کرلیا کہ اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھوں (کہ ورثہ کے لئے کچھ نہیں چھوڑا) پھر ان غلاموں کو بلایااوران کے تین حصہ کیے پھر قرعہ ڈالااور قرعہ کے مطابق ایک تہائی حصہ یعنی دوغلام آزاد کردیئے اور باقی دو کو بدستور غلام رکھا۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، أَنَّ رَجُلًا أَعْتَقَ سِتَّةَ مَمْلُوكِينَ لَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرَهُمْ، فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَغَضِبَ مِنْ ذَلِكَ وَقَالَ: لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ لَا أُصَلِّيَ عَلَيْهِ، ثُمَّ دَعَا مَمْلُوكِيهِ فَجَزَّأَهُمْ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ، ثُمَّ أَقْرَعَ بَيْنَهُمْ، فَأَعْتَقَ اثْنَيْنِ وَأَرَقَّ أَرْبَعَةً(۲)

کتنی مقدار کی وصیت جائز ہے

ثلث مال یعنی ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کو شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے اور ثلث کو کثیر فرمایا ہے، چنانچہ موصی کیلئے یہ حق نہیں کہ وہ ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرے۔

وفی الخانیة: رجل أوصیٰ بجمیع ماله للفقراء أولرجل بعینه لاتجوز ذلک الا من

(۱) تاتارخانیه: ۱۹/۳۶۸

(۲) مسلم، باب من اعتق شرکاله في عبده، حدیث: ۱۶۶۸

الثلث(۱)مقدار ما یوصی به من المال هو الثلث فلا حق للموصی فی الوصیة بأکثر من الثلث(۲)

بعض صحابہ تو خمس کی وصیت کو پسند فرماتے تھے اور اسی کی وصیت بھی کرتے تھے اور استدلال کرتے تھے کہ اللہ نے اپنے لئے خمس ہی کا انتخاب کیا ہے چنانچہ ہم بھی اسی پر راضی ہیں اور "**واعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْئٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَه**"کی طرف اشارہ کرتے تھے کہ مال غنیمت میں سے خمس حصہ اللہ تبارک وتعالیٰ کیلئے ہے۔ اور ابن شیبہ نے بعض صحابہؓ سے مراد ابوبکرؓ وعلیؓ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وأوصٰی بعض الصحابة بالخمس وقال أرضی بما رضی الله به لنفسه یشیر ذلک الی قوله تعالیٰ:واعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْئٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَه.وعزاه ابن أبی شیبة الی أبی بکر الصدیق رضي الله عنه وعلی بن أبی طالب رضي الله عنه..الخ (۳)

بعض تابعین سے منقول ہے کہ خمس کی وصیت کرنا ربع کی وصیت کرنے سے افضل ہے اور ربع کی وصیت کرنا ثلث کی وصیت کرنے سے افضل ہے۔

کماذکر عن بعض التابعین قوله کانوا یقولون لذی یوصی بالخمس أفضل من الذی یوصی بالربع،والذی یوصی بالربع أفضل من الذی یوصی بالثلث(۴)

اور ابن عباسؓ سے بخاری میں تعلیقاً مذکور ہے فرمایا: کاش لوگ وصیت کو چوتھائی تک کم کر دیتے تو بہتر ہوتا کیوں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا تم تہائی (کی وصیت کر سکتے ہو) اور تہائی بھی بہت ہے۔

وذکر البخاری عن ابن عباس رضي الله عنه تعلیقاً:لو غض الناس الی الربع

---

(۱)الفتاوی التاتارخانیه:۳۸۱/۱۹

(۲)الوصیة بیانها وأبرز احکامها :۵۵

(۳)لمحات مهمة فی الوصیة : ۴۱،الوصیة بیانها وأبرز احکامها:۴۵،۵۶

(۴)مصنف ابن ابی شیبه:مایجوز للرجل من الوصیة فی ماله، حدیث: ۳۰۹۲۳

لأن الرسول ﷺ قال الثلث والثلث كثير.(١)

خلاصہ: الغرض مازاد علی الثلث (ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت) ناجائز ہے ثلث کی وصیت کا جواز ہے، لیکن مادون الثلث (تہائی سے کم) کی وصیت بہتر ہے اور خمس کی وصیت پسندیدہ ہے۔

نوٹ: پھر جب ایک تہائی میں وصیت کرنا ہو تو اپنے رشتہ داروں کیلئے وصیت کرنا (جو وارث نہیں ہوں گے) زیادہ بہتر ہے کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسکین پر صدقہ کرنا ایک صدقہ ہے لیکن رشتہ داروں پر صدقہ کرنا صدقہ بھی ہے صلہ رحمی بھی ہے ''الصدقة على المسكين صدقة وهی علی ذی الرحم ثنتان صدقة وصلة'' (٢) بلکہ امام ضحاکؒ نے فرمایا کہ جو غیر رشتہ داروں میں وصیت کرتا ہے تو وہ اس گناہ کی وجہ سے اپنے اعمال کو ضائع کر دیتا ہے، اور حسنؒ نے فرمایا کہ جو کوئی غیر رشتہ دار کے لئے وصیت کرتا ہے تو وصیت اور رشتہ داروں کی طرف آجاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وصیت ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے ہے ''الوصية للوالدين والاقربين بالمعروف'' حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی ہر بہو کے لئے چار ہزار کی وصیت کی تھی، اور حضرت عائشہؓ نے اپنی باندی کے لئے گھر کے سامان کی وصیت کی تھی۔

قال الضحاك: ان اوصى لغير قرابته فقد ختم عمله بمعصية وروى عن عمر انه اوصیٰ لامهات اولاده لكل واحدة باربعة ألاف وروى ان عائشة رضي الله عنها وصت لمولاة لها باثاث البيت، وقال الحسن ان اوصى لغير الاقربين ردت الوصية للأقربين الخ(٣)

تہائی سے زائد کیوں ناجائز ہے؟

اصل دو وجہ سے وصیت جائز ہی نہیں ہونا چاہئے:—

(١) بخاری: باب الوصية بالثلث، حديث: ٢٧٤٣

(٢) ترمذي: باب ماجاء في الصدقة على ذي القرابة، حديث: ٦٨٥

(٣) سنن سعيد بن منصور، باب وصية النبي ﷺ حديث: ٤٣٨

ایک: عرب وعجم کی قوموں میں میت کا مال اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اور یہ ان کے نزدیک فطری بات اور لازمی امر جیسا ہے۔ اور اس میں بے شمار مصلحتیں ہیں، پس جب کوئی شخص بیمار پڑتا ہے اور موت اس کو نظر آنے لگتی ہے تو ورثاء کی ملکیت کی راہ کھل جاتی ہے یعنی مرض الموت میں میت کے مال کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے، پس غیروں کے لئے وصیت کر کے ورثاء کو اس چیز سے مایوس کرنا جس کی وہ امید باندھے بیٹھتے ہیں: انکے حق کا انکار اور ان کے حق میں کوتاہی ہے۔

دوسری حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ میت کا مال اس کے بعد اس کے ان قریب ترین لوگوں کو ملے جو اس کے سب سے زیادہ حقدار، سب سے زیادہ مددگار اور سب سے زیادہ غمخوار ہوں، اور ایسا ماں باپ، اولاد اور رشتہ داروں کے علاوہ کوئی نہیں۔ اسی وجہ سے دورِ اول کے ہنگامی حالات میں جو موالات (آپس کی دوستی) اور مواخات (بھائی چارگی) کی وجہ سے میراث ملتی تھی اس حکم کو ختم کر دیا گیا۔ اور رشتہ داری کی بنیاد پر توریث کا حکم نازل ہوا۔

مگر بایں ہمہ: بارہا ایسی باتیں پیش آتی ہیں کہ رشتہ داروں کے علاوہ لوگوں کی غمخواری ضروری ہو جاتی ہے، اور بہت سی مرتبہ مخصوص حالات مقتضی ہو جاتے ہیں کہ ان کے علاوہ کو ترجیح دی جائے۔ اسلئے وصیت کی اجازت دی گئی۔

مگر دوسروں کے لئے وصیت کی کوئی حد مقرر کرنی ضروری ہے تا کہ لوگ اس سے تجاوز نہ کریں شریعت نے وہ حد ایک تہائی مقرر کی ہے۔ کیونکہ ورثاء کو ترجیح دینا ضروری ہے۔ اور اسکی یہی صورت ہے کہ ان کو آدھے سے زیادہ دیا جائے۔ اسلئے ورثاء کے لئے دو تہائی اور ان کے علاوہ کے لئے ایک تہائی مقرر کیا گیا۔ (۱)

ایک تہائی کی وصیت کرنے والا پہلا شخص

اسلام کے اندر سب سے پہلے جس شخص نے ایک تہائی مال کی وصیت کی وہ حضرت

(۱) رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۴/ ۶۱۵

برأ ابن معرورؓ تھے مدینہ منورہ میں حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری کی خبر گرم ہورہی تھی، لیکن آپ کی تشریف آوری سے ایک ماہ پہلے حضرت برأ کا انتقال ہو چکا تھا، انتقال سے پہلے وصیت کی کہ جب حضور ﷺ تشریف لائیں تو میرا ثلث مال ایک تہائی آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا جائے ان کے وارثوں نے ان کی آرزو کو پورا کیا اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس کو قبول کیا اور پھر دوبارہ ان کے وارثوں کو عطافرمادیا۔

أنَّ البراء بن معرور أوصى الى النبى ﷺ بثلث ماله يصرفه حيث يشاء فقبل وصيته ثم ردها على ولده..(۱)

تہائی سے زیادہ کب جائز؟

یہ بات تو پہلے آچکی کہ ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنا ناجائز ہے اس لیے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے سعدؓ کو ثلث سے زیادہ کی وصیت سے روکا ہے اور ثلث ہی کو کثیر بتایا ہے۔(۲)

لیکن دوصورتوں میں مازاد علی الثلث وصیت کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔(۱) پہلی صورت تو یہ ہے کہ موصی (وصیت کرنے والا) کا کوئی وارث نہ ہو جس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ثلث سے زیادہ کی وصیت سے اسلئے منع کیا تھا تا کہ ورثہ کو اس سے ضرر اور نقصان نہ ہو اور محتاجگی، فقر و فاقہ کے شکار نہ ہو، تو عدم جواز کی علت ورثہ اور ان کا فقر وفاقہ ہے؛ جبکہ شریعت کے احکامات کا دارومدار علتوں پر ہوتا ہے جب علت ہی نہ رہے تو حکم بھی نہیں رہتا، چنانچہ جب کسی کا کوئی وارث ہی نہ ہو تو اس کے لیے ثلث سے زیادہ کی وصیت کرنا جائز ہوگا بلکہ کل مال کی وصیت کرنا بھی جائز ہوگا۔

ولو أوصى بجميع ماله وليس وارث، نفذت الوصية ولا يحتاج الى اجازة أحد.(۳)

---

(۱) الاصابة فى تمييز الصحابة، البراء بن معرور: ۱/۴۱۵، دار الكتب العلمية، بيروت

(۲) بدائع الصنائع:۶/۲۲۴ (۳) الفتاوى الهندية:۶/۱۰۶

وکذالک لوأوصی لرجل بجمیع ماله ولیس له وارث تنفذ الوصیة فی الکل ولایحتاج فیها الی اجازة أحد۔ (۱)

(۲) مازاد علی الثلث وصیت کے جائز ہونے کی دوسری صورت یہ ہے کہ ورثہ خود اس کی اجازت دیدیں کیوں کہ یہ ورثہ کا حق ہے اور صاحبِ حق کو اپنے حق میں تصرف کرنے کا اختیار ہوتا ہے، چنانچہ مادون الثلث (ایک تہائی سے کم کی) وصیت کے نافذ ہونے کیلئے تو ورثہ کی اجازت ضروری نہیں یہ موصی کا حق ہے۔ البتہ مازاد علی الثلث کی وصیت یہ ورثہ کی اجازت پر موقوف رہے گی اگر ورثہ اجازت دیں گے تو نافذ ہوگی ورنہ باطل ہوجائے گی، نافذ نہ ہوگی۔ واذااوصیٰ بأکثر من ثلث ماله لأجنبی فهذه الوصیة فیما زاد علی الثلث لاتجوز الا باجازة الوارث (۲) ولاتجوز مازاد علی الثلث الا أن یجیزه الورثة (۳)

ان الوصیة لغیر الوارث تلزم فی ثلث من غیر اجازة، ومازاد علی الثلث یقف علی اجازتهم، فان اجازه جاز، وان ردّه بطل فی قول جمیع العلماء (۴)

وارثین کی اجازت کب معتبر ہوگی

پھر یہ مازاد علی الثلث وصیت میں ورثہ کے اجازت دینے کا اعتبار موصی کے مرنے کے بعد ہوتا ہے، اگر زندگی میں اجازت دے بھی دیں تو اس کا اعتبار نہیں ہوتا چنانچہ مُوصی کی زندگی میں اجازت دینے کے بعد دوبارہ رجوع بھی کیا جاسکتا ہے، البتہ اگر مرنے کے بعد اجازت دی ہے تو اب رجوع نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ولاتجوز مازادعلی الثلث الا أن یجیزه الورثة بعد موته وهم کبار ولامعتبر باجازتهم فی حال الحیاة.(۵)

---

(۱) الفتاوی التاتارخانیة :۱۹ر۳۸۱
(۲) الفتاوی التاتارخانیه:۱۹ر۳۸۱
(۳) الفتاوی الهندیة :۱۰۶/۶
(۴) اعلاء السنن :۱۸ر۳۰۳
(۵) الفتاوی الهندیة:۱۰۶/۶

فان اجازہ الورثۃ فی حیاۃ المورث لا یعتبر اجازتھم وکان لھم الرجوع، وان أجازو بعد موتہ صحت الاجازۃ.(۱)

بعض دیگر شرطیں

وارث کے اجازت دینے کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ وارث عاقل' بالغ' اہل تبرع میں سے ہو اور وہ خود فقر و تنگدستی کا شکار نہ ہو' چنانچہ ولی یا وصی کی طرف سے یا بچہ اور مجنون کی طرف سے اجازت صحیح نہ ہوگی ، نیز اگر بعض ورثہ اجازت دیں اور بعض نہ دیں تو جن وارثوں نے اجازت دی ہے ان کے حصہ میں وصیت نافذ ہوگی اور جن وارثوں نے اجازت نہیں دی ہے ان کے حصہ میں نافذ نہ ہوگی۔

وفی کل موضع یحتاج الی الاجازۃ انما یجوز اذا کان المجیز من أھل الاجازۃ نحو ما اذا اجازہ(۲)

وارث کیلئے وصیت

ابتداء اسلام میں وارثین کیلئے وصیت کرنے کا حکم خود قرآن کریم نے دیا تھا "کُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ" پھر جب میراث کی آیت نازل ہوئی تو وہ حکم (وجوبِ وصیت للوارث کا) منسوخ ہو گیا (جس کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے)

نیز حجۃ الوداع کے موقعہ پر اللہ کے نبی ﷺ نے صریح طور پر ارشاد فرمایا کہ اللہ نے تم میں سے ہر ایک کا حصہ مقرر فرما دیا ہے (عطا کر دیا ہے) اب وارث کیلئے وصیت نہیں ہے، اس حدیث کو امام ابوبکر جصاصؒ نے نقل کیا ہے :عن شرحبیل بن مسلم سَمِعتُ أبا امامۃ یَقول: سمعت رسول اللہ ﷺ یَقُولُ فِی خُطْبَتہ عَامَ حَجَّۃِ الوَدَاعِ: أَلَا اِنَّ اللہ

(۱) الفتاوی التاتارخانیہ:۳۸۱/۱۹،وکذا فی احکام القرآن:۲۰۵/۹

(۲) الفتاوی الھندیۃ :۱۰۷/۶

قَدْ أَعْطیٰ کُلَّ ذِیْ حَقٍ حَقَّه فَلَا وَصِیَّةَ لِوَارِثٍ.(۱)

ترجمہ : شرحبیل بن مسلم روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابوامامہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے اللہ کے نبی ﷺ کو حجۃ الوداع کے سال اپنے خطبہ میں یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خبردار! یقینا اللہ نے ہر حق والے کو اس کا حق دیدیا ہے چنانچہ وارث کیلئے کوئی وصیت نہیں ہے۔

اور یہی حدیث الفاظ کی کچھ تبدیلی کے ساتھ علامہ آلوسیؒ نے اور صاحب اعلاء السنن نے بھی ذکر کی ہے۔(۲)

چنانچہ اگر کوئی شخص مرنے سے پہلے اپنے کسی وارث کیلئے کچھ مال کی وصیت کرتا ہو تو یہ وصیت حرام ہوگی، اس کا مرتکب گنہگار ہوگا اور دوسرے وارثین کے حق میں یہ شخص ظالم ثابت ہوگا۔

وارث کے لئے وصیت کیوں ناجائز؟

زمانۂ جاہلیت میں میراث کا کوئی قاعدہ نہیں تھا، میت کی وصیت کے مطابق عمل کیا جاتا تھا اور لوگ وصیت میں ایک دوسرے کو ضرر پہنچاتے تھے، وہ اس میں حکمت کے تقاضوں کا پورا لحاظ نہیں رکھتے تھے، کبھی زیادہ حقدار کو چھوڑ دیتے تھے، حالانکہ اس کی ہمدردی زیادہ ضروری تھی، اور اپنی کج فہمی سے دور کے رشتہ داروں کو ترجیح دیتے تھے، اس لئے ضروری ہوا کہ میراث کے احکام نازل کر کے فساد کا یہ دروازہ بند کر دیا جائے، اور توریث کے سلسلے میں رشتہ داری کو میراث کا معاملہ طے کر دیا گیا تا کہ لوگوں کے نزاعات ختم ہوں۔ اور ان کے باہمی کینوں کا سلسلہ رک جائے تو اس کا تقاضہ یہ ہوا کہ کسی وارث

(۱) سنن ابی دادود، باب ما جاء فی الوصیة للوارث، حدیث: ۲۸۷۰، احکام القرآن للجصاص، مطلب الدهن المتنجس یجوز الانتفاع بغیر الأكل ویجوز بیعه: ۱/۲۰۲ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ (۲) روح المعانی: ۲/۸۱، مکتبہ زکریا دیوبند، الہند، اعلاء السنن: ۱۸/۳۰۱

کے لئے وصیت جائز نہ ہو، ورنہ توریث کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔(۱)

ایک صورت میں وارث کے لئے بھی وصیت

البتہ ایک صورت ایسی ہے جس میں وارث کیلئے وصیت کی گنجائش ہے وہ یہ ہے کہ ورثہ خود اس کی اجازت دیدیں اور اپنا حق معاف کر دیں۔

کیوں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وارثین ہی میں کوئی شخص ایسا ہوتا ہے جو بہت زیادہ محتاج ہو، کسی حادثہ کا شکار ہو، اپاہج و معذور ہو یا کوئی ایسا سبب اس میں موجود ہو جس سے وہ اس کا حقدار بن سکتا ہے تو ایسی صورت میں موصی اس کیلئے کسی چیز یا کچھ مال کی وصیت کرے اور دیگر ورثہ بھی اجازت دیدیں تو یہ وصیت جائز ہو جائے گی۔

اور اس باب میں بھی اصل دلیل وہ روایت ہے جس کو امام جصاصؒ اور صاحب اعلاء السننؒ نے نقل کیا ہے ابن عباسؓ سے منقول ہے اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وارث کیلئے کوئی وصیت نہیں ہے (جائز نہیں ہے) مگر یہ کہ ورثہ خود اس کی اجازت دیں: عن ابن عباس رضي الله عنه قال: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ لَا يَجُوْزُ لِوَارِثٍ وَصِيَّةٌ إِلَّا أَنْ يُجِيْزَهَا الْوَرَثَةُ۔(۲)

وَلَا تجوز الوصية للوارث عندنا الا أن يجيزها الورثة (۳) چنانچہ اب اس وارث کو وصیت میں سے بھی حصہ ملے گا اور وراثت میں سے بھی حصہ دیا جائے گا۔

قاتل کیلئے وصیت

حنفیہ کے نزدیک جس طرح قاتل قتل کی بناء پر وراثت سے محروم ہو جاتا ہے اسی

---

(۱) رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۴/۶۱۶

(۲) سنن سعید بن منصور، باب لا وصیۃ لوارث، حدیث: ۴۲۶، ابن ملقن فرماتے ہیں: اس طریق سے اس کو دارقطنی نے روایت کیا ہے، بیہقی فرماتے ہیں، عطا خراسانی قوی نہیں ہیں، ابن ملقن کہتے ہیں، وہ ثقہ ہیں ان کی روایت کو کئی ایک لوگوں نے نقل کیا ہے، احکام القرآن ۱/۲۰۲، وکذا فی اعلاء السنن: ۳۰۱/۱۸

(۳) الفتاوى الهندية: ۱۰۶/۶

طرح قاتل وصیت سے بھی محروم ہوجاتا ہے یعنی اگر کوئی کسی کے لئے وصیت کرے مثلاً زید نے عمرو کیلئے وصیت کی پھر موصی لہ (عمرو) سے موصی (زید) کا قتل ہوجائے تو اب یہ عمرو زید کا قاتل شمار ہوگا اور وصیت سے محروم ہوجائے گا' خواہ یہ قتل عمداً ہو یا خطاء (جان کر قتل کیا ہو یا انجانے میں) بہر حال عمرو (موصی لہ) وصیت سے محروم ہوجائے گا۔ (البتہ امام مالکؒ و شافعی کے نزدیک محروم نہ ہوگا) وفی الکافی: ولا تصح الوصیة للقاتل عمدا' کان أوخطأبعد ان کان مباشرا' وقال مالک والشافعی رحمه الله یصح.(۱)

ولا تجوز للقاتل عامدا کان وخاطأً بعد أن کان مباشراً.(۲)

کیوں کہ عمرو (موصی لہ) قبل از وقت منفعت حاصل کرنے میں جلدی کی ہے اور فقہ کا اصول ہے کہ جو کسی چیز کو وقت سے پہلے حاصل کرنے میں عجلت کرتا ہے تو اس شئی سے اسے محروم کردیا جاتا ہے ۔من استعجل الشیئی قبل أوانه عوقب بحرمانه. (الاشباہ) نیز وصیت چوں کہ وراثت کی بہن ہے کہ دونوں کا مصدر وہ مال میت ہے لہذا دونوں کا حکم بھی ایک ہونا چاہئے کہ قاتل جس طرح محروم میراث ہوتا ہے اسی طرح محروم وصیت بھی ہوگا۔

ثم لما کانت الوصیة أخت المیراث لأن کل واحد منهما نیابة فی مال المیت. ینبغی أن یکون الاتصال ملحوظ فیها أیضاً (۳)

نیز دارقطنی کے حوالہ سے اعلاء السنن میں ایک حدیث بھی منقول ہے حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قاتل کیلئے کوئی وصیت نہیں ہے۔ عن علی بن أبی طالب' قال: قال رسول الله ﷺ "لَیْسَ لِقَاتِلٍ وَصِیَّةٌ" (۴)

بعض علماء نے اس حدیث کے ایک راوی مبشر بن عبید کو موضوع الحدیث قرار دیا

---

(۱) الفتاوی التاتارخانیه: ۱۹/ ۳۸۴ (۲) الفتاوی الهندیة: ۶/ ۱۰۷

(۳) اعلاء السنن: ۱۸/ ۳۱۶ (۴) سنن الدارقطنی، فی المرأة تقتل إذا ارتدت، حدیث: ۸۲۷۱، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں، اس روایت میں بقیہ ہے جو مدلس ہے، مجمع الزوائد، باب وصیة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۷۱۰۲

ہے۔وقال: مبشر بن عبید متروک یضع الحدیث کذافی الزیلعی.(۱)

لیکن صاحب اعلاء السنن نے اس حدیث کے وضع کو دور کیا اور فرمایا کہ اس متن حدیث کو بیھقی نے اپنی سنن میں تخریج کیا ہے اور بیھقی نے موضوع احادیث کی تخریج نہ کرنے کا التزام کیا ہے چنانچہ یہ حدیث موضوع نہیں ہے بلکہ اس کی اصل ہے اور طبرانی نے بھی اوسط میں اس کی تخریج کی ہے۔

قال العبد الضعیف: حدیث المتن قد أخرجه البیهقی فی ''سننه'' أیضا وقد التزم أن لا یخرج فی کتبه شیئا من الموضوع، قاله السیوطی فی اللآلی (۱۴۰/۲) فثبت ان الحدیث لیس بموضوع، بل له أصل عنده وأخرجه الطبرانی فی ''الاوسط'' عن علی قال: سمعت النبی ﷺ یقول: لَیْسَ لِقَاتِلٍ وَصِیَّةٌ۔(۲)

بعض صورتوں میں قاتل کے لئے بھی وصیت

مذکورہ بالا عبارت (گفتگو) سے معلوم ہوا کہ قاتل قتل کی بناء پر وصیت سے محروم ہو جاتا ہے البتہ اگر ورثہ اس کی اجازت دیدیں تو وصیت جائز ہو جائے گی، کیوں کہ جس طرح وارث کیلئے وصیت جائز نہیں ہے لیکن اگر دیگر ورثہ اس کی اجازت دیتے ہیں تو وصیت صحیح ہو جائے گی اسی طرح قاتل کیلئے ورثہ اگر اجازت دیدیں تو یہ وصیت بھی صحیح ہو جائے گی، یہی امام ابوحنیفہؒ اور محمدؒ کا مذہب ہے البتہ ابو یوسفؒ اور زفرؒ کا اختلاف ہے: ولو أوصی لقاتله بشیئی لا تجوز الوصیة من غیر اجازة الورثة وتجوز باجازتهم، وقال ابویوسف رحمه الله لا تجوز باجازتهم أیضا(۳)

فان اجازت الورثة الوصیة للقاتل جازت فی قول أبی حنیفة رحمه الله ومحمد رحمه الله ولم تجز فی قول أبی یوسف رحمه الله.(۴)

کیوں کہ دونوں میں (وارث کیلئے وصیت، قاتل کیلئے وصیت میں) علت وہ ورثہ کی

---

(۱) اعلاء السنن: ۳۱۲/۱۸ (۲) اعلاء السنن: ۳۱۷/۱۸

(۳) الفتاوی التاتارخانیه: ۳۸۳/۱۹ (۴) اعلاء السنن: ۳۱۸/۱۸

عدم رضامندگی اور غصہ پر برانگیختگی ہے جو ان کے اجازت دینے سے ختم ہو جاتی ہے۔

وجه قولهما أن الوصية للقاتل أقرب الى الجواز من الوصية للوارث والمعنى فيهما واحد وهو أن المغايظة تنعدم عندوجود الرضا من الوارث بالاجازة في الموضعين جميعا (١)

دوسری استثنائی صورت: اسی طرح قاتل کے علاوہ اگر موصی کا کوئی وارث نہ ہو تب بھی قاتل کیلئے وصیت جائز ہو جائے گی طرفینؒ کے نزدیک **ولو أوصى لقاتله وليس له وارث سوى القاتل جازت الوصية في قول أبي حنيفة ومحمدرحمه الله(٢)**

تیسری استثنائی صورت: نیز اگر قاتل بچہ یا مجنون ہو تب بھی وصیت جائز ہو جائے گی گرچہ ورثہ اس کی اجازت نہ دیں۔ ولو كان صبيا أومجنونا جازت الوصية وان لم تجز الورثة(٣)

خلاصۂ کلام: خلاصہ یہ ہے کہ قاتل وصیت سے محروم ہو جائے گا البتہ اگر ورثہ خود اس کی اجازت دیں یا قاتل کے علاوہ موصی کا کوئی وارث نہ ہو یا قاتل بچہ یا مجنون ہو تو وصیت جائز ہو جائے گی۔

وصیت سے رجوع

وصیت جائز عقود میں سے ایک عقد ہے جو مرنے کے بعد لازم ہوتا ہے مرنے سے پہلے لازم نہیں ہوتا، چنانچہ موصی مرنے سے پہلے رجوع کرنا چاہے تو رجوع کرسکتا ہے۔
ويصح للوصى الرجوع عن الوصية۔(٤)

يجب أن يعلم أن الرجوع عن الوصية صحيحة.(٥)

مثلاً کوئی شخص مسجد کی تعمیر کیلئے اپنے تہائی مال کی وصیت کرے پھر اس سے رجوع کرلے تو اس کیلئے یہ رجوع کرنا جائز ہوگا، کیوں کہ وصیت موت کے وقت ہی لازم ہوتی

---

(١)اعلاء السنن:١٨/ ٣١٨ (٢)الفتاوى التاتارخانيه:١٩/ ٣٨٤

(٣)الفتاوى التاتارخانيه:١٩/ ٣٨٤،و كذا في الفتاوى الهندية:٦/ ١٠٧

(٤)الفتاوى الهندية:٦/ ١٠٩ (٥)الفتاوى التاتارخانيه:٢٠/ ٣

ہے موت سے پہلے نہیں۔ مثل لو أوصی لبناء مسجد من ثلث ماله ثم رجع جاز ذلک‘ فان الوصیة لا تلزم الا عند الموت.(۱)

اور امام قرطبیؒ نے ”الجامع لأحکام القرآن“ میں علماء کا اجماع نقل کیا ہے کہ انسان مرنے سے پہلے اپنی وصیت کو تبدیل بھی کرسکتا ہے اور جتنا چاہے رجوع بھی کرسکتا ہے۔

قال القرطبی: أجمعوا أن الانسان أن یغیر وصیته ویرجع فیما شاء منها.(۲)

رجوع کے طریقے

وصیت سے رجوع کبھی قول کے ذریعہ صراحۃً بھی ہوتا ہے جیسے موصی کہے رجعت کہ میں نے اپنی وصیت سے رجوع کرلیا اور کبھی وصیت سے رجوع دلالۃً ہوتا ہے اس طور پر کہ موصی کوئی ایسا فعل (کام) کرے جو رجوع پر دلالت کرتا ہو جیسے کپڑے کی وصیت کی تھی پھر اسے سلالیا تو یہ دلالۃً رجوع سمجھا جائے گا۔

ثم الرجوع قد یثبت صریحا وقد یثبت دلالة: فالأول بأن یقول رجعت أو نحوه والثانی بأن یفعل فعلا یدل علی الرجوع. اذا أوصیٰ بثوب ثم قطعه وخاطه. (۳)

علامہ کاسانیؒ نے رجوع کی تیسری صورت بھی ذکر کی ہے کہ ضرورۃً بھی رجوع ثابت ہوجاتا ہے پھر ضرورۃً رجوع ثابت ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ جس چیز کی وصیت کی ہے اس میں ایسا اضافہ کردیا جائے کہ اس شئی سے اضافہ کو الگ کرنا ممکن نہیں‘ جیسے زمین کی وصیت کی اور اس میں تعمیر کردی‘ دوسری صورت یہ ہے کہ جس چیز کی وصیت کی تھی اس میں ایسا تغیر ہوگیا کہ نام ہی بدل کر رہ گیا جیسے: انگور کی وصیت کی اور وصیت کنندہ کی موت سے پہلے کشمش بن گیا، یا انڈے کی وصیت کی اور اس نے اب بچے کی صورت اختیار کرلی تو اب یہ وصیت باطل ہوجائے گی، علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے کہ ضرورۃً وصیت

(۱) لمحات مهمة فی الوصیة: ۵۱

(۲) تفسیر القرطبی، سورۃ البقرۃ: ۲/ ۲۶۱ دار الکتب العلمیة، القاهرة

(۳) الفتاوی الهندیة: ۶/ ۱۰۹

سے رجوع کی صورت دلالۃً رجوع میں داخل ہے اور غالباً یہی صحیح ہے۔(۱)

کافی کے حوالے سے تاتارخانیہ میں رجوع کی چار قسمیں نقل کی ہیں کہ جس سے رجوع خود بخود ثابت ہو جاتا ہے(۱) موصی بہ ہلاک ہو جائے حقیقۃً ہو یا حکماً جیسے کسی انسان کیلئے کپڑے کی وصیت پھر اسے کاٹ کر سلا دیا یا لوہے کی وصیت کی تھی اسے تلوار بنا دیا(اسے دلالۃً رجوع بھی کہا جا سکتا ہے)

(۲) موصی بہ کے ساتھ کسی چیز کو ایسا خلط کر دیا جائے (ملا دیا جائے) کہ اس سے جدا کرنا ممکن نہ ہو مگر یہ کہ نقصان ہو جائے تب بھی رجوع مانا جائے گا(۳) موصی بہ میں ایسا نقص پیدا ہو جائے کہ اس کو موصی کے موت تک باقی رکھنا (روکے رکھنا) مشکل ہو جائے جیسے کسی انسان کیلئے بکری کی وصیت کی تھی پھر اسے ذبح کر دیا تو یہ بھی رجوع سمجھا جائے گا(۴) یا موصی بہ میں ایسا تصرف کر دے جو اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ موصی اس کو اپنی ہی ملکیت میں باقی رکھنا چاہتا ہے(وصیت کے ذریعہ ملکیت سے خارج کرنا نہیں چاہتا) تب بھی رجوع مانا جائے گا)والرجوع أربعة انواع:(۱)أحدها استهلک الموصى به حقيقة أوحكما، حتى أن أوصى الانسان بثوب فقطعه وخاطه قميصا (۲) والثانى أن يخلط الموصى به لغيره خلطا لايمكن التمييز أصلا أو لايمكن التمييز الا بضرر (۳) والثالث أن يحدث نقصانا فى الموصى به يخرجه عن هيئة الادخار والبقاء إلى يوم الموت كما اذا أوصىٰ بشاة لانسان ثم ذبحها؛ فانه رجوع عن الوصية (۴) والرابع أن يتصرف فى الموصى به تصرفا يستدل به على استبقاء الملک.(۲)

رجوع کے مختلف احکام

چیزوں کے اعتبار سے رجوع کے طریقے الگ الگ ہوتے ہیں ؛ بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ بعض مواقع پر وصیت سے رجوع کا طریقہ خاص ہوتا ہے کہ جس خاص طریقے

(۱) بحوالہ قاموس الفقہ: ۲۷۶/۵ (۲) الفتاوى التاتارخانيه: ۳/۲۰

کے بغیر وصیت سے رجوع ثابت نہیں ہوتا اس کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ جس سے رجوع قولاً اور عملاً دونوں طرح ہوسکتا ہے جیسے کسی متعین چیز کی وصیت کرنے کے بعد ''رجعت'' کہ میں نے رجوع کرلیا کہے تو یہ قولی رجوع ہوا، پھر عملاً رجوع یہ ہے کہ اس متعین چیز کو اپنی ملکیت سے نکالدے تو یہ فعلاً رجوع ہوا، اور وصیت باطل ہوجائے گی۔ الرجوع في الوصية على أربعة أوجه (۱) منها مايكون رجوعا بالقول، والفعل جميعا نحو أن يوصى لرجل بشيئى ثم قال: رجعت كان رجوعا، وكذا لو أوصى بعين، ثم أخرجه عن ملكه بوجه من الوجوه بطلت الوصية. (۱)

(۲) بعض چیزیں وہ ہوتی ہیں جس کا رجوع صرف قولاً ہی ہوسکتا ہے فعلاً نہیں جیسے یہ کہ مطلق اپنے تہائی مال کی وصیت کرے پھر اس سے رجوع کرنا چاہے تو قول کے ذریعہ ہی رجوع کرسکتا ہے، فعل کے ذریعہ رجوع نہ ہوگا۔ منها مايكون رجوعا بالقول: لا بالفعل نحو أن يوصى بثلث ماله، ثم قال رجعت صح وكان رجوعا، ولا يكون رجوعا بغير ذلک.

(۳) بعض چیزیں وہ ہوتی ہیں جس کا رجوع صرف فعلاً ہوسکتا ہے نہ کہ قولاً جیسے کوئی اپنے غلام سے کہے کہ اگر اس مرض میں میرا انتقال ہوجائے تو تو آزاد ہے تو یہ غلام مدبر مقید ہوجائے گا چنانچہ اب اگر موصی ''رجعت عن ذلک'' (کہ میں اس بات سے رجوع کرتا ہوں) کہہ دے تو رجوع صحیح نہ ہوگا البتہ اس کو فروخت کردے تو جائز ہوجائے گا اور وصیت باطل ہوجائے گی تو یہاں قولاً رجوع صحیح نہ ہوا البتہ عملاً صحیح ہوگیا۔ ومِنها مَايكُوْنُ رُجُوْعًا بِالْفِعْلِ، وَلَا يَكُوْنُ رُجُوْعًا بِالْقَوْلِ: كَقَوْلِه لِعبده ان مت من مرضى هذا فأنت حر فهو مدبر مقيد لو قال: رجعت عن ذلک لا يصح، ولو باع العبد جاز، وتبطل الوصية.

(۴) بعض چیزیں وہ ہوتی ہیں جس کا رجوع ممکن ہی نہیں نہ قولاً نہ فعلاً جیسے کہ کوئی

(۱) الفتاوى التاتارخانيه ۲۰: ۱۴/

اپنے غلام کو مدبر مطلق بنادے تو اب اس سے رجوع کرنا ممکن نہیں نہ قولاً نہ عملاً ومنها ما لایکون رجوعا، لا بالقول، ولا بالفعل نحو ان یدبر عبده تدبیرا مطلقا لایمکنه أن یرجع عنه لاقولا ولافعلا.

تنبیہ: اگر وصیت کرنے کے بعد موصی چھے مہینوں تک پاگل رہا تو وصیت باطل قرار پائے گی اور یہ بھی رجوع کے حکم میں ہوگا۔

(۲) اسی طرح موصی کا یہ کہنا کہ میری وصیت باطل ہے رجوع کے حکم میں ہے۔

(۳) موصی کا وصیت سے انکار کرنا، رجوع کے حکم میں نہیں ہوگا۔(۱)

وصیت میں تبدیلی

وصیت کرنے کے بعد وصیت میں تبدیلی کی دو صورتیں ہیں

(۱) مُوصِی کی جانب سے (۲) غیر مُوصِی کی طرف سے:

(۱) یہ بات ابھی آچکی کہ وصیت ایک جائز عقد ہے جو مرنے کے بعد ہی لازم ہوتا ہے' اسی بناء پر موصی اپنی وصیت سے رجوع بھی کرسکتا ہے تو بدرجۂ اولیٰ وصیت میں تبدیلی بھی کرسکتا ہے الوصیة عقد من العقود الجائزة التی یصح للموصی أن یغیر فیها ما یشاء (۲)

یجوز للموصی ابطال الوصیة والرجوع عنها فجواز التغییر من باب اولیٰ.(۳)

خواہ تبدیلی کمی کے اعتبار سے ہو یا زیادتی کے اعتبار سے ہو یا موصی لہ کی تبدیلی کے اعتبار سے ہو یا وصی کی تبدیلی ہو، اپنی زندگی میں جتنی چاہے تبدیلی کرسکتا ہے۔عمرؓ کا قول ہے "یحدث الرجل فی وصیته ماشاء، وملاک القضیة أخرها، أخرجه ابن حزم.(۴) کہ آدمی اپنی وصیت میں جتنی چاہے نئی تبدیلی لاسکتا ہے بنیاد اور اعتبار آخری وصیت کا ہوتا ہے۔نیز امام قرطبیؒ نے اجماع بھی نقل کیا ہے کہ انسان اپنی وصیت میں (مرنے سے پہلے) جتنی چاہے تبدیلی لاسکتا ہے اور رجوع بھی کرسکتا ہے۔قال القرطبی: أجمعوا

---

(۱) مجموعہ قوانین اسلامی، مرتبہ: آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، دہلی (۲) لمحات مهمة فی الوصیة :۵۱

(۳) الوصیة بیانها وأبرز أحکامها :۶۸ (۴) اعلاء السنن:۳۰۴/۱۸

أن للانسان یغیر وصیته ویرجع فیما شاء منها.(۱) البتہ ما زاد علی الثلث کی تبدیلی نہیں لا سکتا الا یہ کہ ورثہ اس کی بھی اجازت دیدیں۔ الا اذا تجاوز للموصی به بعد زیادته الثلث منع ما زاد علی الثلث، من جانب الورثة الا اذا أجازو کما تقدم.(۲)

غیر موصی کی طرف سے تبدیلی

یعنی موصی کے وصیت کر کے مر جانے کے بعد اگر موصی الیہ (وصی) مثلاً اس وصیت میں تبدیلی لانا چاہتا ہے، کمی، زیادتی یا کوئی اور طرح کی تبدیلی لانا چاہتا ہے تو اس تبدیلی کا کیا حکم ہے؟

اس کا حکم یہ ہے کہ جب وصیت شرعی طریقہ پر واقع ہوگئی کہ موصی نے شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے وصیت کی ہے تو اب اس میں تبدیلی لانا حرام ہوگا۔ فمتی وقعت الوصیة علی الجهة الشرعیة حرم تغییرها وتبدیلها.(۳) کیوں کہ وصیت ایک چیز کو نافذ کرنے کا نام ہے جس کی ذمہ داری وصی پر ہوتی ہے اور وصی اس معاملہ میں امین ہوتا ہے اس لئے وصی پر لازم ہے کہ موصی نے جس کی جس کے لیے جس طرح وصیت کی ہے اسی کے مطابق اس اس وصیت کو نافذ کرے، ورنہ خیانت کرنے والا گنہگار ثابت ہوگا۔ الوصیة أمر بتنفیذ شيء، فعلی الموصی الیه انفاذها، لأنها امانة والموصی الیه أمین.(۴) خواہ تبدیلی "موصی لہ" کے مصلحت کے اعتبار سے ہو یا "موصی بہ" کی مصلحت مقصود ہو یا کسی دوسرے نیک عمل کے ارادے سے ہو بہرحال تبدیلی لانا جائز نہیں ہے۔ سواء کان التغییر فی مصلحة المغیر، أو فی عمل بر آخر، أو عن الموصی له، أو غیر عینا یدل عین، کأن یوصی بدار ویجعل فی الوصیة دارا غیرها لاشتمال ذلک علی تغییر مراد الموصی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے پھر جو کوئی بدل ڈالے وصیت کو بعد اس کے کہ جو سن چکا تو اس کا گناہ ان ہی پر ہے جنہوں نے اس کو بدلا، بے شک اللہ سننے والا جاننے والا

---

(۱) بحواله لمحات مهمة فی الوصیة: ۵۱ (۲) الوصیة بیانها وأبرز أحکامها: ۶۸
(۳) الوصیة بیانها وابرز احکامها: ۶۷ (۴) حوالہ سابق

ہے۔"فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهُ إِنَّ اللهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ"(۱)

ہاں البتہ تبدیلی کا مقصد تاکہ موصی بہ کے منافع ضائع نہ ہو اور موصی کے منشأ کی مخالفت بھی نہ ہو تو ایسی صورت میں تبدیلی کا اختیار حاکمِ وقت کو ہوگا تاکہ موصی الیہ پر کسی تہمت کا اندیشہ نہ رہے أمّا أن تأتی فكرة التغيير بدعوى الصالح للموصي أولتعطل منافع الموصى به فالتغيير حينئذ يكون للحاكم للبعد عن التهمة.(۲)

تبدیلیٔ وصیت کے جواز کی صورت

ایک صورت میں وصی کیلئے وصیت میں تبدیلی کرنا جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہو جاتا ہے وہ یہ کہ موصی نے خلاف شریعت حرام چیز کی یا حرام طریقہ پر وصیت کی ہے تو اس کو تبدیل کر کے منشأ شریعت کے مطابق کرنا لازم ہوگا موصی کی زندگی ہی میں یا موصی کے مرنے کے بعد حاکم کی نگرانی میں (یا پھر کسی ذی اعتماد کو گواہ بنا کر بھی تبدیلی لاسکتا ہے)و أما اذا جائت الوصية فيها ميل عن الحق وحيف وجنف فيجب العمل على تغييرها ويكون ذلك معه فى حياته، ومع الحاكم بعد مماته.(۳)

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جو کوئی خوف کرے وصیت کرنے والے سے طرفداری کا یا گناہ کا پھر ان میں باہم صلح کرا دے تو اس پر گناہ نہیں بے شک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

"فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ"(۴)

وصیت کو مستحکم کرنے کے طریقے

شریعت نے جہاں وصیت کرنے کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے وہیں وصیت کو مضبوط

---

(۱) البقرہ:۱۸۱ (۲) الوصية بيانها وابرز أحكامها:٦٨

(۳) حوالہ سابق (۴) بقرہ:۱۸۲

کرنے اور اس کو مؤکد کرنے کی اہمیت کو بھی بتلایا ہے اور اس کو مضبوط و مؤکد کرنے کے دوطریقے مشروع ہیں۔

(۱) اس وصیت پر دو گواہ قائم کئے جائیں۔ (۲) اس وصیت کو قلم بند کر کے تحریر کی شکل میں لے آئیں (خود لکھیں یا دوسرے سے لکھوا کر اس پر دستخط کر دیں)

پہلا طریقہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: "یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِیْنَ الْوَصِیَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَیْرِكُمْ (۱) اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو دو ایسے آدمیوں کو وصی بناؤ جو تم میں سے ہوں اور نیک ہوں اور اگر اپنی قوم کے آدمی نہیں ہیں تو غیر قوم (یعنی کافر) سے بناؤ۔

اس آیت سے چند مسائل معلوم ہوئے، اول: یہ کہ جب آدمی کی موت کا وقت آجائے اور وہ اپنے مال کے بارے میں کسی کو وصی ونگران بنانا چاہے تو معتبر مسلمانوں کو اس پر گواہ بنالینا چاہئے اگر سفر کی حالت ہو، مسلمان وہاں پر میسر نہ ہوں، تو دو غیر مسلموں کو بھی وصی اور ذمہ دار نامزد کیا جاسکتا ہے۔

دوسرے: اگر مرنے والے کے ورثاء کو ان لوگوں کے بیان پر اعتماد ہو تب تو قسم کی ضرورت نہیں، لیکن اگر انھیں شبہ ہو تو انھیں حق ہے کہ وہ ان دونوں سے قسمیہ بیان لیں کہ ہم اس میں سے کچھ چھپا نہیں رہے ہیں؛ یہاں تک کہ جن دو آدمیوں کو ذمہ دار بنایا گیا ہے، وہ باہم رشتہ دار ہیں، تو یہ بھی کہیں کہ ہم اس میں قرابت داری کی بنیاد پر ایک دوسرے کی بات کو چھپا نہیں رہے ہیں، نیز قسم کو مؤکد کرنے کے لئے ان کو یہ بھی حق ہے کہ وہ نماز کے بعد اس طرح کی قسم لیں، بعض فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس سے عصر کی نماز مراد ہے، کیونکہ یہ وقت اکثر قوموں کے نزدیک عبادت کا ہوتا ہے اور مقدس سمجھا جاتا ہے، اس طرح نماز کا وقت اور مسجد کا مقام انھیں جھوٹ بولنے سے روکے گا، اگر غیر

---

(۱) مائدۃ:۱۰۶

مسلم ہوں تو انکی عبادت کے وقت میں قسم لیجائے۔

تیسرے: اگر ان کے قسم کھانے کے بعد ان کے جھوٹ پر کوئی اور ثبوت مل جائے تو ورثہ ثبوت کو پیش کرتے وقت قسم کھائیں، ایسی صورت میں ان کی بات قابلِ قبول ہوگی اور پہلے لوگوں کی قسم رد کر دی جائے گی۔

ایک قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اس آیت میں اگرچہ لفظِ شہادت (گواہی) کا استعمال کیا گیا ہے؛ لیکن اصل میں مراد اس سے نگران اور وصی بنانا ہے، جو غیر مسلم کو بھی بنایا جا سکتا ہے؛ اس لئے یہ آیت اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ مسلمانوں کے خلاف غیر مسلموں کی گواہی معتبر ہے، گو بعض فقہاء نے بہ حالتِ مجبوری مسلمانوں کے معاملات میں غیر مسلم کی گواہی کو اسی آیت کی روشنی میں معتبر مانا ہے؛ لہٰذا جہاں مسلمانوں کی آبادی بہت تھوڑی ہو اور ایسے واقعات پیش آجائیں تو اس رائے سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔(۱)

نیز مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ وصیت کے دونوں گواہ مسلمان ہوں، مرد ہوں، عادل ہوں، لیکن یہ سب امور واجب نہیں ہے بلکہ مناسب اور بہتر ہے ورنہ جس طرح بالکل وصی نہ بنانا جائز ہے اسی طرح اگر ایک وصی ہو یا عادل نہ ہو یا حضر میں غیر مسلم کو بنا دے سب جائز ہے۔(۲)

اتفق العلماء على مشروعية اثبات الوصية بالاشهاد والكتابة لمجيئ النصوص بهما.(۳)

دوسرا طریقہ: وصیت کو مؤکد کرنے کا دوسرا طریقہ کتابت ہے (یعنی وصیت کو قلم بند کرنا ہے) اور اس کا ثبوت حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے جس میں "ووصيته مكتوبة عنده" (کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی موجود ہو) کے الفاظ ہیں جس

---

(۱) آسان تفسیر قرآن مجید: ۴۰۵/۱ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

(۲) معارف القرآن: ۲۵۵/۳ (۳) الوصية بيانها وأبرز أحكامها: ۷۳

سے وصیت لکھ کر رکھنے کا ثبوت معلوم ہوتا ہے بلکہ بہت سے صحابہؓ اور اسلاف کا وصیت لکھنے کا معمول بھی رہا ہے، (جس کے نمونے آگے کتاب میں آئیں گے۔ ان شاء اللہ)

کاتبین وصیت کیلئے ہدایات

(۱) وصیت لکھنے والے کو چاہئے (خواہ لکھنے والا خود موصی ہو یا کوئی دوسرا) کہ وہ صاف صاف تحریر میں لکھے، جس کا مفہوم و مضمون واضح ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس وصیت سے جھگڑے پیدا ہو جائیں اور خاندان میں اختلاف کا باعث نہ بن جائے: یجب کاتب الوصیة والشهود علیها أن یحسنوا فی أدائهم وکتابتهم لها حتی یکون الکلام مفهوما ما صریحا، کی لا تحدث الوصیة بعد ذلک امراعکسیا من شقاق ونزاع.(۱)

(۲) اسی طرح اگر موصی عام آدمی ہے جیسے وقف، وصیت، ہبہ وغیرہ میں فرق معلوم نہ ہو تو لکھنے والے کو چاہئے کہ اس کو ان چیزوں کے فرق سے تنبیہ کر دے اور سب کا الگ الگ معنیٰ سمجھائے، کیوں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ وقف کے الفاظ استعمال کرتا ہے لیکن مقصود اور مراد وصیت ہوتی ہے۔ وعلی الکاتب والشهود أیضا أن یفهموا الموصی اذا کان عامیا الفرق بین الوقف المنجز والوصیة، فان کثیرا من العوام لا یفرقون بینهما فیعبرون بالوقف ویعنون بذلک الوصیة۔(۲)

(۳) نیز لکھنے والے پر یہ بھی ضروری ہے کہ اگر موصی وصیت کرنے میں کسی حرام چیز کا ارتکاب کرے یا وصیتِ جنف یا وصیت اثم کرے تو اس کو اس سے متنبہ کرے اور ایسی وصیت سے اس کو روکے۔ وأن یمنعوه عن الاضرار بالوصیة کأن یحیف الخ (۳) اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: پھر جو کوئی خوف کرے وصیت کرنے والے سے طرفداری کا یا گناہ کا پھر ان میں باہم صلح کرا دے تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ "فَمَنْ خَافَ مِن مُّوصٍ جَنَفاً أَوْ إِثْماً فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلاَ إِثْمَ عَلَيْهِ" (۴)

---

(۱) الوصیة بیانها وأبرز أحکامها: ۸۱ (۲) حوالہ سابق (۳) حوالہ سابق

(۴) البقرہ: ۱۸۲

یتیم پوتے کی میراث نقل وعقل کی نظر میں

یہ مسئلہ قرآن وحدیث سے ماخوذ ہے کہ میراث میں الاقرب فالاقرب کا قاعدہ چلتا ہے کہ قریبی رشتہ دار کے ہوتے ہوئے دور کے رشتہ دار وراثت سے محروم ہوجاتے ہیں، چنانچہ اگر باپ کی موجودگی میں بیٹے کا انتقال ہوجائے (جبکہ اس مرنے والے بیٹے کی اولاد بھی ہو) پھر باپ کا انتقال ہوجائے تو ان یتیم پوتوں کو وراثت میں حصہ نہیں دیا جائے گا، جبکہ مرنے والے باپ کے دیگر لڑکے باحیات ہوں یعنی پوتوں کے چچا موجود ہوں (زندہ ہوں) تو ان کے ہوتے ہوئے پوتے دادا کی وراثت سے محروم ہو جائیں گے اور یہ اصول ہے کہ بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتوں کو وراثت نہیں ملتی۔

اور اس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں۔

(۱) قرآن کریم میں سورۂ نساء کی چھٹی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ (۱)

مردوں کو حصہ ملے گا اس مال میں سے جو والدین نے اور قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہے اور عورتوں کو بھی حصہ ملے گا اس مال میں سے جو والدین اور قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وراثت کے دو بنیادی اصول بیان فرمادیئے ہیں، ایک یہ کہ وراثت کی تقسیم فقر وافلاس اور حاجت مندی کے معیار پر نہیں بلکہ قرابت اور رشتہ داری کے معیار پر ہے یعنی تقسیم وراثت کے وقت یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ کون زیادہ مفلس یا حاجت مند ہے بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ مرنے والے سے کون قریبی رشتہ رکھتا ہے؟ دوسرے یہ کہ جہاں تک نفسِ قرابت کا تعلق ہے وہ تو تمام آدمؑ کے بیٹوں میں

(۱) نساء: ۷

مشترک ہے اس لیے اصول یہ بتلایا کہ قرابت میں بھی ''اقربون'' کا اعتبار کیا جائے گا اور اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد کو محروم کیا جائے گا۔

اور زیر بحث مسئلے میں میت کا قریبی رشتہ دار یعنی صلبی بیٹا موجود ہے لہٰذا مذکورہ بالا اصول سے بعید رشتہ دار یعنی پوتا محروم ہوگا۔

(۲) صحیح بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد متعدد جگہوں پر صحیح سند کے ساتھ موجود ہے: اَلْحِقِ الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَولىٰ رَجُل ذکر. قرآن کریم نے جن کے جو حصے مقرر کر دیئے ہیں انہیں وہ حصے دے کر جو بچ رہے وہ قریب ترین مذکور رشتہ دار کو دے دو۔

اس میں بھی قرابت کو تقسیم وراثت کا معیار قرار دیا گیا ہے، جس کی بنا پر قریبی بیٹے کے ہوتے ہوئے بعید یعنی پوتا محروم ہوگا۔

(۳) صحیح بخاری میں اس مضمون کا ایک مستقل باب رکھا ہے: ''باب میراث الابن اذالم یکن ابن'' اور اس میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا فتویٰ نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ولا یرث ولد الابن مع الابن بیٹون کی موجودگی میں پوتا وارث نہیں ہوسکتا، اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ یہ وہ صحابی ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد آپ ہر جمعہ کے خطبے میں سنتے ہیں کہ:

وأفرضهم زيد بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں فرائض (علم میراث) کے سب سے بڑے عالم زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۴) علامہ عینیؒ اور علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ نے اس پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور علماء کا اجماع نقل کیا ہے (۱) صحابہ کرام اور تمام علماء امت کا اجماع اتنی مضبوط دلیل ہے کہ کم از کم کسی مسلمان کو اس کے خلاف کہنے کی جرأت نہیں ہوسکتی۔

(۵) اس کے علاوہ قرآن کریم مورث کے ترکے میں صرف ان رشتہ داروں کو

---

(۱) عمدۃ القاری، ۲۳/۸/۲۳۸ و احکام القرآن ۲/۱۰۱

میراث دلواتا ہے جو مورث کی وفات کے وقت زندہ موجود ہوں۔

لیکن جو لوگ بعض ان رشتہ داروں کو بھی حصہ دلواتے ہیں جو مورث کی زندگی میں وفات پا چکے ہوں (یعنی میت کا بیٹا یا بیٹی) اور اس کے لیے پہلے یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ وہ وفات یافتہ رشتہ دار مورث کی وفات کے وقت زندہ ہیں اور اس مفروضے کی بنا پر واقعی زندہ رشتہ داروں کی طرح ان کا حصہ بھی نکالا جائے گا؛ پھر ان کا حصہ نکالتے ہی انہیں مردہ تسلیم کر لیا جائے گا، اور آگے ان کے بیٹوں یا بیٹیوں میں وہ حصہ تقسیم کر لیا جائے گا۔

سوال یہ ہے کہ تقسیم وارث کا یہ طفلانہ انداز قرآن کریم، سنت رسول یا آثار صحابہ کس فیصلے سے لیا گیا ہے؟ اور یہ آنکھ مچولی کرنی ہے تو پھر بیٹوں اور بیٹیوں کے علاوہ دوسرے وہ ورثا جو میت کی زندگی میں وفات پا چکے ہیں انہیں زندہ تصور کر کے ان کے حصے کیوں نہیں نکالے جاتے؟ انہوں نے کیا تصور کیا ہے؟

پھر بیٹوں اور بیٹیوں میں سے بھی صرف صاحب اولاد شخص یا اشخاص کے حصے نکالے جاتے ہیں میت کی جو اولاد میت کی زندگی میں لاولد مر گئی ہے اس کے حصے اسے زندہ تصور کر کے کیوں نہیں نکالے جاتے؟ صاحب اولاد اور لاولد بیٹوں میں اس تفریق کی کیا معقول دلیل ہے؟ علاوہ ازیں اس میں فوت شدہ بیٹے کی اولاد ہی کو حصہ دیا گیا ہے حالانکہ اگر کسی کو زندہ تصور کیا ہی گیا ہے تو اس صورت میں اس کے دیگر رشتہ دار بیوی اور ماں وغیرہ کو بھی حصہ ملنا چاہیے، انہیں اس کے ترکہ سے کیوں حصہ نہیں دلوایا جاتا؟ فوت شدہ بیٹے کی صرف اولاد ہی کو اس کے ترکہ مستحق کیوں دیا گیا ہے؟ دوسرے وارثوں کو محروم کیوں کر دیا گیا؟

غرض عائلی قانون کی اس دفعہ پر یہ ایسے اصولی اعتراضات وارد ہوتے ہیں جن سے کسی طرح مفر ممکن نہیں اور ان کے بعد یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس دفعہ کو دین و دانش کے کون سے خانے میں فٹ کیا جائے؟

تقسیمِ میراث سے پہلے وصیت کونافذ کرنا

جب آدمی مرجاتا ہے تو مرنے والے کے مال سے پہلے تجہیز وتکفین کردی جاتی ہے پھر اس کے بعد اگر کسی کا دین (قرض) ہو تو اس کو ادا کر دیا جاتا ہے پھر قرض کی ادائیگی کے بعد میت نے وصیت کی ہے تو ایک تہائی مال میں وصیت کو قبول کیا جائے گا اور اسے نافذ کر دیا جائے گا اس کے بعد جائیداد کو وارثین میں تقسیم کیا جائے گا، تو ترتیب شرعی کے لحاظ سے وصیت کو پورا کرنے کا درجہ قرض کی ادائیگی کے بعد اور جائداد کی تقسیم کرنے سے پہلے کا ہے لیکن اللہ رب العزت نے میراث کی آیت میں تقریباً تین جگہ وصیت کو نافذ کرنے کی اہمیت کو بتلانے کے لئے دین (یعنی قرض) پر مقدم کیا ہے(۱)

کیونکہ دین کے تقاضہ کرنے والے خود موجود ہوتے ہیں ورثہ کے لئے اس میں کوتاہی برتنا دشوار ہوتا ہے، البتہ وصیت جس کے حق میں کی گئی ہے تبرع ہونے کی وجہ سے اس کے مطالبہ میں شدت بھی نہیں ہوتی اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جس کے حق میں وصیت کی گئی ہے وہ اس سے واقف بھی ہو؛ اس لئے وصیت کی اہمیت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔(۲)

تقسیم وراثت کا معیار

دراصل ان حضرات کے سامنے بس تصویر کا ایک ہی رخ آیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام ہی دنیا کا وہ عظیم ترین مذہب ہے جس نے یتیموں کی خبر گیری اور پرورش پر اس قدر زور دیا ہے کہ کسی مذہب میں بہ مشکل ہی اس کی نظیر مل سکے گی، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ باپ کے سایہ محروم ہو جانے کے بعد دادا کے سایہ محروم ہو جانے پر اسے دادا کے ترکہ سے محروم کردے؟

لیکن اس دلیل کی بنیاد اس بات پر ہے کہ وہ رشتہ دار مستحق وراثت ہے جو بے کس

---

(۱) سورۂ نساء، آیت:۱۱/۱۲ (۲) آسان تفسیر قرآن مجید: ۱/۲۹۵

غریب اور بے سہارا ہو اور تقسیم غربت و افلاس کی بنیاد پر کی جاتی ہے اگر یہ بات صحیح نہ مانی جائے تو یہ دلیل صحیح نہیں بنتی ،لیکن اگر اسے درست تسلیم کرلیا جائے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ یتیم بھانجا، بھانجی ،یتیم بھتیجا، بھتیجی بیوہ خالہ اور پھوپھی ،غریب ماموں اور چچا کو سب سے پہلے اور سب سے زیادہ حصہ ملے اور یہ کہ تقسیم وراثت کے وقت یہ دیکھا جائے کہ کون زیادہ غریب اور مفلس ہے؟ جو عزیز زیادہ مفلس اور بے کس معلوم ہو اسے سب سے زیادہ حصہ دیا جائے خواہ کتنی ہی دور کا کیوں نہ ہو، بھانجا اگر یتیم مفلس اور بے کس ہے تو اسے سب سے زیادہ حصہ ملے اور بیٹا اگر دولت مند ہے تو اسے کچھ بھی نہ ملے، بلکہ اگر سبھی عزیز دولت مند ہیں اور پڑوسی غریب اور بے سہارا ہیں تو تمام رشتہ داروں کو محروم کر دیجئے اور پوار مال وراثت پڑوسیوں میں تقسیم فرما دیجئے ،انہیں کیوں بھیک کے ٹکڑوں پر پلنے دیا جائے۔

اگر آپ غربت کو استحقاق وراثت کا معیار ٹھہراتے ہیں تو اس بے انصافی کا آخر کیا جواز آپ کے پاس ہے کہ یتیم پوتا تو اس قدر قابل رحم قرار پائے کہ اسے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر میراث دلوائیں اور اتنے سارے قابل رحم لوگوں کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے ایک طرف تو یہ شورا شوری کہ یتیم پوتا بے چارا بے کس ہے اسے میراث میں ضرور حصہ دلواؤ اور دوسری طرف یہ بے نمکی کہ علاوہ جتنے بے کس اور غریب ہیں انہیں بھیک مانگنے دو۔

ناطقہ سربہ گریباں کہ اسے کیا کہئے

اصل میں سرمایہ نے وراثت کی تقسیم اس معیار پر قرار ہی نہیں دی کہ کون غریب اور بے کس ہے اور کون امیر؟ اگر ایسا ہوتا تو وارثت کی تقسیم ناممکن ہو جاتی ، حصہ رسدی کی مقداریں متعین کرنا دوبھر ہو جاتا ہے اور کوئی قانون اس سلسلے میں کارگر نہ ہوسکتا ، اس کو یوں سمجھئے کہ اگر غربت و افلاس اور بے کس اور کون امیر؟ اگر ایسا ہوتا تو وارثت کی تقسیم ناممکن ہو جاتی ، حصہ رسدی کی مقداریں متعین کرنا دوبھر ہو جاتا اور کوئی قانون اس سلسلے میں کارگر نہ ہوسکتا ، اس کو یوں سمجھئے کہ اگر غربت و افلاس اور بے کس استحقاق وراثت کا

معیار ہوتی تو ہونا یہ چاہئے تھا کہ جو زیادہ غریب اور بے کس ہے اسے سب سے زیادہ حصہ ملتا ہے، جو اس سے کم ہے اسے اس سے کم، اس صورت میں اوّل تو اس غربت کی حدود متعین کرنے میں لڑائی جھگڑے ہوتے، کوئی کہتا کہ میں زیادہ غریب اور بے کس ہوں دوسرا کہتا کہ نہیں صاحب میں زیادہ مفلس ہوں یا تو ہر تقسیم وراثت کے موقعہ پر حکومت دخل اندازی کر کے فیصلے کرتی یا عزیزوں کے درمیان سر پھٹول ہوتی، پھر اگر یہ معاملہ بھی نبٹ جاتا تو غریب کی مناسبت سے حصوں کی تعیین ایک مستقل دردِ سری۔

غرضیکہ وراثت کی تقسیم ایک مستقل ناقابلِ حل مسئلہ (Problem) بن جاتی اور دنیا میں وراثت کی تقسیم کبھی صلح وصفائی اور عدل وانصاف کے ساتھ نہ ہو سکتی۔

اور پھر اگر شریعت کو یہی منظور تھا کہ مالِ وراثت سے یتیموں، بے کسوں اور ناداروں کی مدد کی جائے تو اسے اتنے لمبے چوڑے حسابات متعین کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ سیدھے سادے طریقے سے یہ حکم دے دیتی کہ تمام مالِ وراثت بیت المال میں داخل کر دو، وہاں سے ہر بے کس اور نادار تک اس کا حصہ پہنچ جائے گا۔

مگر قدرت نے ایسا نہیں کیا اس لیے کہ درحقیقت مالِ وراثت میت کے ان رشتہ داروں کا حق ہے جو اس کی زندگی میں اس کی ہر مصیبت میں مدد کرتے رہے اور آڑے وقت پر کام آئے، اس لیے اس نے یہ معیار مقرر کر دیا کہ یہ مال عزیزوں میں تقسیم ہوگا۔

خلاصہ: یہ ہے کہ اسلام نے استحقاقِ وراثت کا معیار مفلسی اور بے کسی کو قرار نہیں دیا، اگر فی الواقعہ قرآن کا کوئی ایسا منشا ہوتا کہ یتیم پوتوں اور نواسوں کی مدد دادا اور نانا کی میراث میں ان کو حصہ دار بنا کر کی جانی چاہیے تو قرآن نے اپنے اس منشا کو کسی صاف حکم کے ذریعہ کیوں نہیں کھول دیا، اور اگر قرآن نے نہ کھولا تھا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تو یہ منشا پوشیدہ نہ رہنا چاہیے تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا حکم دیا؟ اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے نہ کھولا تھا تو آخر کیا وجہ ہے کہ قرآن کریم کا منشا تمام خلفا سے تمام صحابہ سے تمام مجتہدین سے اور پچھلی تیرہ صدیوں کے تمام فقہائے امت سے نہ صرف یہ کہ مخفی رہ گیا بلکہ وہ اس کی مخالفت پر متفق و مجتمع رہے اور اس کو پایا تو

چودھویں صدی کے چند ان لوگوں نے جن کی پوری عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو جھٹلانے اور مغرب کی طرف سے آئی ہوئی ہر وبا کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کرتے گذری ہے۔

پھر یتیم پوتوں کی امداد کیسے ہو؟

رہ گئی یہ جذباتی بات کہ وہ یتیم اور بے کس ہیں تو ان کا کیا ہوگا تو آخر یہ کیسے سمجھ لیا گیا کہ اسلام نے انہیں وارث قرار نہیں دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے ان کی امداد سے منع کر دیا کیوں کہ ظاہر ہے کہ کسی نادار شخص کی امداد کا طریقہ یہ نہیں کہ دوسروں کی جیب پر ڈاکہ ڈالا جائے بلکہ شریعت نے اس کا مستقل نظام رکھا ہے، ان کی ضروریات کی پوری ذمہ داری جب تک کہ وہ کمانے کے اہل نہ ہو جائیں، خاص خاص عزیزوں پر رکھی گئی ہے جس کی تفصیل کتب فقہ کی ''کتاب النفقات'' میں دیکھی جاسکتی ہے، اگر فقہ اسلامی کی کتاب النفقات ہی کا قانون نافذ کر دیا جائے تو نہ صرف ایک یتیم پوتے کی مشکلات ختم ہو جاتی ہیں بلکہ پورے خاندان کے ستم رسیدہ افراد کی زندگی بن جاتی ہے، ظاہر ہے کہ صرف میراث کے بل بوتے پر کوئی غریب امیر نہیں ہو جاتا، اس لیے اسلام نے ان کی حاجت روائی دوسرے طریقوں سے کی ہے کہ خاندان کے بے کس افراد کا نفقہ خاص خاص عزیزوں کے ذمہ کیا ہے، ادھر دادا کو یہ حق دیا ہے کہ وہ مرنے سے پہلے ایک تہائی مال تک کی وصیت پوتے کیلئے کر سکتا ہے۔

پوتوں کے لئے میراث کی قانون سازی کا نقصان

اب ذرا اس رخ سے غور فرمائیے کہ اگر ''یتیم پوتے کی وراثت'' کا یہ قانون نافذ کر دیا جائے تو اس کی راہ سے کیسے کیسے لطیفے سامنے آئیں گے؟

ایک شخص ایک بیٹی اور ایک پوتی چھوڑ کر مرتا ہے تو قرآن وسنت کی رو سے تو یہ ہونا چاہیے کہ آدھا حصہ بیٹی کو ملے اور چھٹا حصہ پوتی کو، باقی عصبات کو، مگر اس دفعہ کی رو سے یہ تماشا سامنے آئے گا کہ تین میں سے دو حصے تو پوتی کو ملیں گے اور صرف ایک حصہ بیٹی کو

(اس لیے کہ اس قانون میں صراحت ہے کہ پوتا پوتی کو وہی حصہ ملے گا جوان کے وفات یافتہ کو ملتا ہے اگر وہ زندہ ہوتا)

ذرا غور فرمائیے کہ یہاں پوتی کو دو حصے دیئے گئے ہیں، محض اس کے یتیم ہونے پر رحم کھا کر اور صلبی بیٹی کو صرف ایک گویا واضعینِ قانون کی نظر میں صرف وہ یتیم قابل رحم ہے جو یتیم ہونے کے ساتھ پوتا یا پوتی بھی ہو اور اگر کوئی یتیم بیٹا یا بیٹی ہے تو وہ اتنا قابل رحم نہیں لہذا اسے بھی وہ کم دیتے ہیں، اس حقیقت سے بالکل آنکھیں بند کر کے کہ پوتی کو یتیم ہوئے تو عرصہ گذر چکا، مرورِ ایام نے اس کی اشک شوئی کر دی ہے اور یہ بے چاری صلبی بیٹی تو ابھی ابھی یتیم ہوئی ہے، اس کے زخم ابھی ہرے ہیں، پھر پوتی کو تو اپنے وفات یافتہ کی میراث بھی مل چکی ہے، اس بے چاری کو تو وہ بھی نہیں ملی اور اگر یہ بھی فرض کرلیں کہ وہ پوتی کی بہ نسبت زیادہ مفلس اور غریب ہے، ساتھ ہی میت کے ساتھ اس کا تعلق بہ نسبت پوتی کے بہت زیادہ قریب ہے تو ان تمام چیزوں کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اسے پوتی سے کہیں زیادہ حصہ ملے گا، مگر ان تمام باتوں کے باوجود قانون اسے صرف اس جرم ''میں کم حصہ دیتا ہے کہ وہ بیٹی کیوں ہے؟ پوتی کیوں نہیں؟ خدارا بتلائیے کہ یہ آخر کہاں کا انصاف ہے؟ اور کون سی عقل وشریعت اسے گوارا کرسکتی ہے؟(۱)

یتیم پوتے ہمیشہ وراثت سے محروم نہیں

یہ بات بھی یادرکھنی چاہئے کہ پوتے اور پوتیاں دادا کی وراثت سے اسی وقت محروم ہوں گے جبکہ ان پوتوں کا حاجب (یعنی دادا کی اولاد بیٹا، بیٹی) موجود ہو، بالکلیہ ہمیشہ طور پر پوتے، پوتیاں وراثت سے محروم نہیں ہوتے، چنانچہ جب یہ حاجب موجود نہ ہوں تو یہی پوتے اور پوتیاں وارث بن جائیں گے، بلکہ بعض صورتوں میں تو پورے کے پورے ترکہ کے اور بعض صورتوں میں نصف ترکہ کے حقدار بن جاتے ہیں۔

مفتی نظام الدین صاحب فرماتے ہیں کہ پوتے کی وراثت کی ۲۷ صورتیں نکلتی ہیں

---

(۱) مستفاد: ہمارے عائلی مسائل: مفتی تقی عثمانی صاحب

جن میں سے صرف ایک صورت میں جب کہ دادا کے دوسرے بیٹے حیات ہوں تو مرجانے والے بیٹے کی اولاد کو ازروئے تخریج شرعی وراثت میں کچھ حق نہیں پہونچتا، اسکی ایک صورت کے علاوہ ۲۶ صورتوں میں اس پوتے کو وراثت بھی ملتی ہے اور بعض صورتوں میں تو اسی طرح ملتی ہے کہ اگر اس جگہ پر بیٹا اور بیٹی چھوڑے تو پوتے کو اتنا ہی ملے گا جتنا کہ بیٹی اور بیٹا نہ چھوڑنے میں بیٹے کو ملتا ہے۔(۱)

چند ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

یتیم پوتوں کے وارث بننے کی مثالیں

(۱) میت اگر ایک یتیم پوتا اور حقیقی بہن بھائی چھوڑ کر مرے تو کل کا کل مال پوتے کو ملے گا۔

(۲) اگر یتیم پوتے کے ساتھ میت کے ماموں اور خالہ بھی ہوں تب بھی صرف پوتے ہی کو کل مال ملے گا۔

(۳) اگر میت کی پھوپھی یا اس کی اولاد ہو، تب بھی کل ترکے کا یتیم پوتا ہی وارث ہوگا۔

(۴) اگر صرف نانا ہی ہو تب بھی میت کا کل ترکہ پوتے ہی کو ملے گا۔

(۵) اگر میت کے بھتیجے ہوں تب بھی یتیم پوتا ہی سارا ترکہ پائے گا۔

(۶) اسی طرح اگر میت کے بھانجے اور بھانجیاں ہوں تب بھی سارا ترکہ پوتے ہی کو ملے گا۔

(۷) میت کا ایک یتیم پوتا پھر اس سے نچلی نسلوں کے کئی عزیز موجود ہوں تب بھی صرف پوتا ہی سارے ترکہ کا مالک ہوگا۔

(۸) اگر میت کا ایک ہی پوتا یا ایک ہی پوتی ہے تو کل مال کے یہی وارث ہوں گے۔

(۹) اگر میت کا ایک یتیم پوتا ہو اور اس کے بہت سے ماں شریک بہن بھائی ہوں

---

(۱) منتخبات نظام الفتاویٰ ۲/ ۲۶۳ قاضی پبلیشرز

تب بھی پوری میراث پوتے ہی کو ملے گی۔

(۱۰) اگر مرنے والا ایک یتیم پوتا اور بیوی چھوڑ کر مرے تو بیوی کو آٹھواں حصہ اور باقی (یعنی 7/8) یتیم پوتے کو ملے گا۔

(۱۱) اگر میت کا ایک یتیم پوتا اور والدہ ہو تو والدہ کو چھٹا حصہ اور باقی سب (یعنی 5/6) یتیم پوتے کا حصہ ہوگا۔

(۱۲) اگر میت کا ایک یتیم پوتا اور دادا ہو تو دادا کو چھٹا حصہ اور باقی سارا یعنی (5/6) یتیم پوتے کو ملے گا، اسی طرح اگر میت کی دادی ہو تو اسے چھٹا حصہ دیکر باقی سب (یعنی 5/6) میت کے یتیم پوتے کو ملے گا۔

(۱۳) اگر میت کا شوہر اور یتیم پوتا ہو تو شوہر کو ایک چوتھائی اور باقی سب کا سب (یعنی 3/4) یتیم پوتے کا حصہ ہوگا)

(۱۴) اگر میت کی ایک بیٹی اور ایک یتیم پوتا ہو تو نصف ترکہ بیٹی کو ملے گا اور باقی نصف یتیم پوتے کی میراث ہوگا۔

(۱۵) اگر میت کی ایک سے زائد بیٹیاں ہوں تو دو تہائی بیٹیوں کو دے کر (یعنی 1/3) یتیم پوتے کا حصہ ہوگا۔

ان مثالوں کے ذکر سے اس بات کی وضاحت مقصود ہے کہ پوتا وراثت سے ہمیشہ محروم نہیں ہوتا بلکہ اسی صورت میں محروم ہوگا جبکہ میت کی اولاد (بیٹے، بیٹیاں) موجود ہوں، چنانچہ اگر میت کی اولاد موجود نہ ہو یا صرف ایک لڑکی یا دو یا دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو یتیم پوتا وراثت سے محروم نہ ہوگا۔

مصر اور شام کا قانون

دوسری طرف مصری حکومت نے اور شام کی حکومت نے اس وصیت کو (یتیم پوتوں کی وصیت کو) واجب قرار دیا ہے اور اسے قانون کی حیثیت دیدی ہے اور بعض علماء متاخرین نے بھی اس کو قبول کیا ہے اور وجہ جواز پیدا کرنے کی بے جا کوشش بھی کی

ہے، اور اس قانون کا نام وصیت واجبہ قانون رکھا اور اس کے چند شرائط بھی مقرر کئے کہ وصیت واجبہ کی مقدار متوفی باپ کے حصہ کے بقدر ہو البتہ ثلث سے زائد نہ ہونے پائے، اگر ثلث سے زائد ہو جائے تو ورثہ کی اجازت پر موقوف رہے گا

(۲) یہ بھی شرط لگائی کہ وہاں وصیتِ اختیاریہ کے نافذ ہونے میں کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو، أن لا یکون هناک مانع من موانع نفوذ الوصیة الاختیاریة.

(۳) یہ بھی شرط لگائی کہ ان پوتوں کو کسی دوسری وجہ سے وراثت میں حصہ نہ مل رہا ہو ورنہ وصیت واجبہ صحیح نہ ہوگی۔ ألا یستحقوا شیئا من المیراث.

(۴) یہ بھی شرط لگائی کہ دادا نے دوسرے طریقہ سے مثلاً ہبہ وغیرہ سے ان کی امداد بھی نہ کی ہو أن لا یکون الجد المیت قد أعطاهم بغیر عوض عن طریق آخر کطریق الهبة أو الوقف ما یساوی الوصیة الواجبة.

لیکن درحقیقت یہ ایک سرکاری قانون ہے جس کی خیر القرون میں کوئی نظیر نہیں ملتی والقول بوجوب الوصیة للأحفاد حکم جاء به القانون الوضعی ولم یسبق بمثله[۱] اور اس قانون کا مدار ان علتوں پر ہے جن کی حیثیت مکڑی کے جالے کے برابر بھی نہیں ہے جس سے ان کی کوئی حجت ثابت ہو سکے: وتحلل القانون بخیط العنکبوت وبأشیاء أخری لا یثبت لهم بها حجة.

یہ قانون دراصل ''احداث فی الدین'' ہے یعنی دین میں نئی بات لانے کے مترادف ہے، اللہ کے فیصلہ میں مداخلت اور اس کے فیصلہ پر راضی نہ ہونا ہے، دین کو ناقص قرار دینا ہے کہ شریعت نے اس ضرورت کا حل پیش نہیں کیا ہے جبکہ اللہ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ ہم ہی سب کے رزاق ہیں، سب کی روزی کا ذمہ ہم نے لے رکھا ہے، ہم نے ہر ایک کی روزی اور معیشت کو مقرر کر دیا ہے اور اللہ ظالم نہیں ہے۔

نیز آپ ﷺ اور صحابہؓ بھی فرائض اور وصیت کا علم رکھتے تھے اور ان کے دور میں بھی

(۱) حوالہ سابق: ۳۱۱

ایسے واقعات پیش آئے تھے اس کے باوجود انہوں نے ایسا کوئی قانون مقرر نہیں کیا، ایسی وصیت کو واجب نہیں قرار دیا، اب اگر کوئی قانون دین میں ثابت کرتا ہے عجیش یا کسی غیر واجب چیز کو واجب گردانتا ہے تو یہ دین میں نئی چیز کو پیدا کرنا ہے اور اور دین میں نئی چیز گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے کل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار۔

الغرض دادا کو چاہئے کہ اپنے پوتوں یا نواسوں کیلئے (جن کے باپ کا انتقال ہو گیا ہے) وصیت کرے، لیکن یہ وصیت کرنا نہ واجب ہے اور نہ ایسا کوئی قانون قائم کرنا درست ہے۔

نوٹ: یہاں اس مضمون کو ذکر کرنے کا مقصد جہاں شریعت (قرآن وحدیث) کے منشا کے خلاف میراث کی قانون سازی اور وصیت کی قانون سازی روکنا ہے وہیں اس بات کی ترغیب بھی دینا ہے کہ ذمہ دار اپنے یتیم پوتوں کیلئے ان کی ضرورت کے بقدر حدود شریعت میں رہ کر وصیت کریں، تاکہ یتیموں کی امداد اور کفالت بھی ہو جائے اور قرآن وحدیث کے منشاء کی مخالفت بھی نہ ہو۔

موصی سے متعلق چند شرائط

(۱) موصی سے متعلق اہم شرط یہ ہے کہ موصی اہل تبرع میں سے ہو یعنی عاقل، بالغ آزاد ہو چنانچہ بچہ اور مجنون کی وصیت صحیح نہ ہو گی۔ اسی طرح بے ہوش لایعقل کی وصیت صحیح نہیں ہے۔

وأما شرائطها فكثيرة (۱) منها كون الموصى أهلا للتبرع حتى لا يصح من الصبى والعبد والمكاتب فى حق المولى(۱) عن ابن عباس رضي الله عنه قال: لَا تَصِحُّ وَصِيَّةُ الصَّبِيِّ حَتّٰى تَحْتَلِمَ رواه ابن قدامة.(۲)

نوٹ: وصیت کیلئے مسلمان ہونا یا شوہر کی اجازت کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ ولا

(۱) الفتاوی التاتارخانیہ: ۱۹/۶/۳۷ (۲) اعلاء السنن: ۱۸/۳۰۸

یشترط فیہا اسلام.. ولا اذن زوج(۱)

(۲) موصی حالت نزع میں نہ ہو یعنی موت یا موت کے فرشتوں کو نہ دیکھا ہو کیوں کہ ایسی حالت میں تو شرعاً کوئی بات معتبر نہیں ہوتی، چنانچہ وصیت بھی صحیح نہ ہوگی۔ أن لا یکون معاینا للموت: فان عاینہ لم تصح، لأنہ لا قول لہ حینئذ معتبر شرعاً.(۲)

(۳) جس مال کی وصیت کر رہا ہے اس مال یا اس کی منفعت کا موصی مالک ہو۔ أن یکون مالکاً للمال أو المنفعة

(۴) موصی ایسا مقروض نہ ہو کہ اس کا دین (قرض) اس کے پورے مال کو گھیر رہا ہے ورنہ وصیت صحیح نہ ہوگی کیوں کہ دین کا ادا کرنا وصیت سے مقدم ہے اللہ کے رسول ﷺ نے وصیت سے پہلے دین کا فیصلہ کیا ہے: أن یکون الموصی غیر مدیون یستغرق کل مالہ: فان کان کذلک فان الوصیة لا تصح؛ لأن سداد الدین مقدم علی الوصیة کما فی أثر علی رضي الله عنه: قَضیٰ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِالدَّیْنِ قَبْلَ الْوَصِیَّةِ(۳)

(۵) موصی نے جبر و اکراہ، تفریح و مذاق اور سبقت لسانی سے وصیت نہ کی ہو۔(۴)

(۶) موصی نے مرنے سے پہلے وصیت سے رجوع نہ کیا ہو۔

(۷) موصی اس وصیت پر راضی بھی ہو؛ چنانچہ ہازل (مذاق کرنے والا) مُکْرَہْ (جس پر زبردستی کی گئی ہو) خاطی (غلطی سے وصیت کرنے والا) کی وصیت صحیح نہیں۔
''ومنہا رضا المولیٰ، لانہا ایجاب ملک فلا تصح وصیة الهازل والمکرہ والخاطی''(۵)

موصی لہ سے متعلق کچھ ہدایات

(۱) موصی لہ غیر وارث ہو کیوں کہ وارث کیلئے وصیت صحیح نہیں ہے۔(جیسا کہ مفصل گذر چکا ہے) ومنہا أن یکون الموصی لہ اجنبیا، حتی أن الوصیة للوارث

(۱) فتح الباری: ۳۵۶ (۲) لمحات مہمة فی الوصیة: ۲۶ (۳) ترمذی: باب ماجاء فی میراث الإخوة من الأب والأم، حدیث: ۲۰۹۴ (۴) مجموعہ قوانین اسلامی: ۳۰۰
(۵) بدائع الصنائع کتاب الوصایا، افضل الراجی فی حل السراجی: ۱، ۱۸۳

لایجوز.(۱)

تنبیہ : موصی لہ کے وارث ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار اور اس کا فیصلہ موصی کے وفات کے وقت ہوتا ہے، وصیت کرنے کے وقت نہیں ہوتا۔ کیوں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ موصی غیر وارث کیلئے وصیت کرتا ہے لیکن وہ موصی کی موت سے پہلے وارث بن جاتا ہے جیسے موصی نے اپنے پوتے کیلئے وصیت کی جبکہ موصی کا بیٹا بھی باحیات ہے پھر موصی کے مرنے سے پہلے ہی موصی کے بیٹے کا انتقال ہوجائے تو اب اس کا پوتا (جس کے لئے وصیت کی تھی) وہ وارث ہوجائے گا، چنانچہ وصیت باطل ہوجائے گی، کیوں کہ وارث کیلئے وصیت جائز نہیں یعتبر کونہ وارثا أو غیر وارث وقت الموت لا وقت الوصیة. الخ (۲)

ینظر للموصی لہ بکونہ وارثا أو غیر وارث حالۃ وقت وفاۃ الموصی لا حالۃ الوصیۃ، فلو أوصیٰ لغیر وارث، فصار عند الموت وارثا لم تصح الوصیۃ، کأن یوصی لابن ابنہ ولہ ولد فمات ولد الموصی قبل موتہ لم تنفذ الوصیۃ لکون ابن الابن صار وارثا.(۳)

اسی طرح کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے کہ موصی وارث کیلئے وصیت کرتا ہے لیکن وہ موصی کے مرنے سے پہلے غیر وارث ہوجاتا ہے اس لحاظ سے وصیت نافذ ہوجائے گی، جیسے موصی نے اپنے پوتے کیلئے وصیت کی تھی جبکہ موصی کی کوئی اولاد باقی نہ تھی پھر موصی کے مرنے سے پہلے موصی کولڑ کا ہوگیا جو وارث بنے گا اور پوتا وراثت سے محروم ہوجائے گا اس اعتبار سے پوتے کیلئے وصیت درست ہوجائے گی۔ وعکسہ لو أوصی لوارث فأصبح عند الموت غیر وارث نفذت الوصیۃ کأن یوصی لابن ابنہ ولا ولادہ ثم یولد للموصی قبل موتہ فتنفذ الوصیۃ فی ہذہ الحالۃ لکون ابن الابن صار عند الموت غیر وارث.

الغرض موصی لہ کے وارث ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار موصی کے مرنے کے وقت ہوتا ہے نہ کہ وصیت کرنے کے وقت۔

---

(۱) الفتاوی التاتار خانیة: ۱۹/۳۷۶ (۲) الفتاوی الھندیة: ۱۰۷

(۳) قوانین الفقھیة لابن جزی: ۲۶۷، بحوالہ الوصیة بیانہا وأبرز أحکامہا: ۹۵

(۲) موصی لہ متعین ہو مجہول نہ ہو چاہے یہ تعین شخصی اعتبار سے ہو جیسے زید، عمرو، وغیرہ یا نوعیت کے اعتبار سے ہو، جیسے فقراء، مساکین، طلبہ وغیرہ۔ کون الموصی له معیناً فان کان مجهول العین فلاتصح له الوصیة ویکفی العلم بالوصف کقوله أوصی للمساکین والفقراء (۱)

(۳) موصی لہ مالک بننے کا اہل ہو چنانچہ فرشتہ، جن، میت، جانور وغیرہ یہ مالک بننے کے اہل نہیں ہے لہٰذا ان کیلئے وصیت بھی صحیح نہیں ہے۔ کون الموصی له أهلا للتملک فان کان ممن لایصح تملکه فلاتصح الوصیة له کالجنی والبهیمة والمیت ونحوه.(۲)

ابن جزی نے کہا ہے کہ موصی لہ ہر وہ آدمی ہے جس کیلئے ملکیت کا تصور کیا جاسکتا ہو' بڑا ہو یا چھوٹا' آزاد ہو یا غلام' موجود ہو یا اس کے وجود کا انتظار ہو جیسے حمل مگر وارث کہ اس کیلئے بالاتفاق وصیت جائز نہیں البتہ ورثہ اجازت دیدیں تو جائز ہوگی قال ابن الجزی : الموصی له هو کل یتصور له الملک من کبیر أو صغیر، حرا أوعبدا، سواء کان موجودا أو منتظرا الوجود کالحمل، الا الوارث فلا تجوز له اتفاقا فان اجازها الورثة جازت (۳)

نوٹ: حمل کیلئے وصیت جائز ہے جبکہ وصیت کے وقت سے چھ ماہ کے اندر وہ بچہ پیدا ہو جائے۔ الوصیة بالحمل وللحمل جائزة اذا أتت به لأقل من ستة أشهر منذ تکلّم بالوصیة.(۴)

ومنها أن یکون الموصی له موجودا حیا، و ان لم یکن مولودا حتی اذا أوصیٰ للجنین، اذا کان موجودا عند الوصیة یصح والا فلا، وانما یعرف حیاته فی ذلک،

(۱) لمحات مهمة فی الوصیة: ۲۷، وکذا فی الوصیة بیانها وأبرز أحکامها: ۹۱

(۲) لمحات: ۲۷، وکذا فی الوصیة بیانها وأبرز أحکامها: ۹۱

(۳) قوانین الفقهیة: ۲۶۶ بحواله الوصیة بیانها وأبرز أحکامها: ۹۱

(۴) اعلاء السنن: ۱۸/۳۲۵

اذا ولدقبل ستة أشهر.(۱)

(۴) موصی لہ وصیت کے وقت موجود ہو۔ منها أن يكون الموصى له موجودا الخ.(۲)

(۵) موصی لہ موصی کی موت کے وقت باحیات ہو، چنانچہ اگر موصی لہ کا موصی سے پہلے انتقال ہوجائے تو وصیت باطل ہوجائے گی ورثہ کی طرف منتقل نہ ہوگی ۔ ان مات الموصى له قبل موت الموصى بطلت الوصية۔(۳)

(۶) موصیٰ لہ قاتل نہ ہو کیوں کہ قاتل کیلئے وصیت جائز نہیں ہے الا یہ کہ ورثہ اجازت دیدیں (جسکی تفصیل ماقبل میں گذر چکی) ومنها أن لا يكون الموصى له قاتلا(۴)

(۷) اگر موصی لہ متعین ہوتو موصی لہ کا قبول کرنا شرط ہے ورنہ موصی لہ اس کا مالک نہ ہوگا۔ ولا يملك الموصى له الوصية الا بالقبول فی قول جمهور الفقهاء اذا كانت لمعين يمكن القبول منه.(۵)

اگر موصی لہ اس کو قبول بھی نہ کرے اور رد بھی نہ کرے تو اس کا حق ساقط ہوجائے گا اور رد کرنے کا حکم لگایا جائے گا۔ واما اذا لم يقبل الموصى له ولم يردها سقط حقه وحكم عليه بالرد(۶)

اگر موصی لہ غیر متعین ہو جیسے فقراء مساکین یا مسجد یا حج کی مصلحت کیلئے ہوتو اب قبولیت شرط نہیں ہے، موصی کے محض مرتے ہی وصیت لازم ہوجائے گی ۔ فامّا ان كانت لغير معين كالفقراء والمساكين.لم يفتقر الى قبول ولزمت بمجرد الموت.(۷)

موصی لہ کا قبول موصی کے ایجاب کے مطابق ہو

موصی لہٗ کا قبول موصی کے ایجاب کے مطابق ہونا چاہیے تب ہی قبول معتبر ہوگا ورنہ

---

(۱) الفتاویٰ التاتارخانیه:۱۹/۲۷۶

(۲) الفتاویٰ التاتارخانیه:۱۹/۲۷۶

(۳) اعلاء السنن:۱۸/۳۲۵

(۴) الفتاویٰ التاتارخانیه:۱۹/۲۷۶

(۵) اعلاء السنن:۱۸/۳۲۲

(۶) الوصية بيانها وأبرز أحكامها:۹۹

(۷) اعلاء السنن:۱۸/۳۲۲

قبول معتبر نہ ہوگا، مثلاً دو شخصوں کیلئے ایک شئی کی اجتماعی طور پر وصیت کی اور دونوں میں سے ایک نے قبول کیا اور دوسرے نے رد کردیا تو قبول کرنے والے کے حق میں بھی وہ وصیت نافذ نہیں ہوگی؛ اس لیے کہ قبول ایجاب کے مطابق نہیں ہے۔(١)

وصیت قبول کرنے کا وقت

وصیت قبول کرنے کا وقت موصی کے مرنے کے بعد ہے چنانچہ اگر موصی زندگی کی حالت میں اسے قبول کرلے یا اسے رد کردے تو یہ باطل ہے یعنی اس کا اعتبار نہ ہوگا، موصی کے مرنے کے بعد دوبارہ قبول کرنے کا اختیار رہوگا۔

قبول الوصية انما يكون بعد الموت فان قبلها فى حال حياة الموصى أو ردها فذلک باطل وله القبول بعد الموت. كذا فى السراجية.(٢)

ثبوت ملکیت کیلئے قبضہ شرط نہیں

موصی لہ کے قبول کرلینے سے موصی لہ اس کا مالک ہوجاتا ہے چنانچہ اگر موصی کے مرنے بعد موصی لہ موصیٰ بہ کو قبول کرلے تو اس کیلئے ملکیت ثابت ہوجاتی ہے قبضہ کرنا شرط نہیں ہے قبضہ کرے یا نہ کرے۔

وفى الكافى: والموصى به يملک بالقبول فان قبل الموصى له الوصية بعد موت الموصى ثبت الملک له فى الموصى به قبضه أو لم يقبضه.(٣)

مسئلہ: اگر موصی لہ موصی کے مرنے کے بعد وصیت قبول کرنے اور رد کرنے سے پہلے ہی مرجائے تو اب موصی لہ کا وارث اس کو قبول کرسکتا ہے اور رد کرسکتا ہے اور موصی لہ کے وارثین اس کے مالک ہوجائیں گے۔ وان مات الموصى له بعد موت الموصى

---

(١) مجموعہ قوانین اسلامی: ٣١٦ (٢) الفتاویٰ الهندية: ١٠٦/٦

(٣) الفتاویٰ التاتارخانیه: ٣٧٦/١٩

وقبل الرد أو القبول قام وارثه مقامه فی القبول أو الرد لثبوت الحق لمورثه بموت الموصی.(۱)

اگر موصی لہ موصی بہ کو واپس کردے

اگر موصی لہ وصیت کو موصی کے ورثہ ہی کیلئے واپس کردے تو یہ بھی درست ہے کیوں کہ اللہ کے نبی ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو براء بن معرور کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ ان کا انتقال ہو گیا اور آپ کیلئے ثلث مال کی وصیت بھی کی ہے تو اللہ کے نبی ﷺ نے اس ثلث کو براء کی اولاد ہی پر رد کردیا۔ وان رد الموصی له الوصیة لورثة الموصی صح ذلک جاء فی السنن الکبری للبیهقی أن النبی ﷺ حِیْنَ قَدِمَ الْمَدِیْنَةَ سَأَلَ عَنِ الْبَرَاءِ ابْنِ مَعْرُوْرٍ فَقَالُوا تُوُفِّيَ وَأَوْصیٰ بثُلُثٍ لَکَ قَالَ قَدْ رَدَّدْتُ ثُلُثَه عَلٰی وَلَدِہ.(۲)

بلکہ موصی لہ اگر مالدار ہو تو اس وصیت کو موصی کے ورثہ ہی کیلئے رد کرنا افضل ہے۔ وقد یفضل رد الوصیة علی القبول اذا کان غنیا..الخ(۳)

موصی لہ کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے

وصیت جس طرح مسلمان کیلئے جائز ہے اسی طرح کافر کیلئے بھی جائز ہے موصی لہ کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، اور یہ وصیت ابواب البر کے قبیل سے ہوگی اور کافروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے اللہ نے منع نہیں کیا ہے (جو کافر تم سے قتال نہ کرتے ہوں)

لَا یَنْهٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ أَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا إِلَیْهِمْ (۴)

نیز آپ ﷺ کی اہلیہ حضرت صفیہؓ نے اپنے یہودی بھائی کیلئے ثلث مال کی وصیت کی تھی۔ ولا یشترط اسلام الموصی له. وجاء فی السنن الکبری للبیهقی ''أن صفیة

---

(۱) کشف القناع، فصل لا یثبت الملک للموصی له إلا بقوله: ۳۴۶/۴، دار الکتب العلمیة، بیروت

(۲) السنن الکبری للبیهقی، باب مایستحب من توجیه نحو القبلة، حدیث: ۶۶۰۴، امام حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے، المستدرک کتاب الجنائز، حدیث: ۱۳۰۵

(۳) الوصیة بیانها وأبرز أحکامها: ۹۹ (۴) الممتحنة: ۸

زوج النبی ﷺ قالت لأخ لها یهودی أسلم ترثنی فسمع بذلک قومه فقالوا أتبیع دینک بالدنیا فابی أن یسلم فأوصت له بالثلث.(۱)

ایک موصیٰ لہ کا موصی سے پہلے انتقال

جب موصی دو آدمیوں کیلئے وصیت کرے پھر موصی کے مرنے سے پہلے ایک موصی لہ کا انتقال ہو جائے تو دوسرے کے حق میں وصیت باطل نہیں ہوگی، دوسرے کو اس کے حصہ کے بقدر (نصف) دے دیا جائے گا، اور باقی نصف موصی کے ورثہ کی طرف لوٹ جائے گا: ولو أوصی لرجلین بثلث ماله، ثم مات أحدهما قبل الموت الموصی بقی نصف الوصیة للحی منهما ویعود النصف الی ورثة الموصی (۲)

موصی بہ سے متعلق چند ہدایات

موصی بہ کی تعریف: وہ عین شئی یا وہ منفعت ہے جس کی موصی نے وصیت کی ہے و هی العین التی اوصیٰ بها أو المنفعة.(۳)

موصی بہ کے صحیح ہونے کی شرطیں

(۱) موصی بہ کے صحیح ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ اس شئی کا نفوذ موصی کے مرنے کے بعد ہو، اگر زندگی ہی میں ہو جائے تو وہ ہبہ کہلائے گا نہ کہ وصیت۔ کونه بعد موت الموصی فان کان قبله فهو هبة ولیس وصیة.

(۲) موصی کے مرنے کے بعد موصی بہ کی تملیک ممکن ہو یعنی موصی لہ کیلئے اس شئی کا مالک بننا ممکن ہو، چنانچہ اگر موصی ایسی چیز کی وصیت کرے کہ موصی کے مرنے پر اس کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے تو وصیت صحیح نہ ہوگی، اسی طرح اگر کسی ایسی چیز کی وصیت کی ہے

---

(۱) السنن الکبری للبیهقی، باب الوصی للکفار، حدیث: ۱۲۶۵۰، اعلاء السنن ۱۸/ ۳۰۵، الشرح الکبیر: ۵۳۶/۳، بحواله الوصیة: ۹۲

(۲) الفتاویٰ التاتارخانیه: ۱۹/ ۳۷۵ (۳) لمحات مهمة فی الوصیة: ۳۰

جس کا عنقریب مالک ہونے والا ہے، لیکن مالک ہونے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہوجائے تو وصیت صحیح نہ ہوگی (باطل ہوجائے گی)۔أن یکون قال للتملیک:فلو اوصی بشیئی یزول ملک الموصی له عنه،أو اوصیٰ بشیئی سوف یملکه فمات قبل ملکه له فلا تصح الوصیة به.(۱) البتہ ایسی چیز کی وصیت کی ہے جس کے سپرد کرنے پر موصی قادر نہیں ہے (لیکن اس کی ملکیت میں ہے) تو وصیت صحیح ہوجائے گی اور موصی لہ اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرلے جیسے غصب کی ہوئی چیز یا مشترک چیز وغیرہ حتی کہ معدوم چیز کی وصیت بھی صحیح ہوجائے گی جیسے درخت کے وہ پھل جو وقتاً فوقتاً نکلتے رہتے ہیں۔وان أوصیٰ له بمالا یقدر علی تسلیمه صحت الوصیة، وللموصی له السعی فی تحصیله مثل المغصوب والمشاع والمساهمات فی الشرکات واما المعدوم فتصح الوصیة به کثیر الشجر الذی یتجدد وقتا بعد وقت .(۲)

(۳) موصی بہ مباح النفع ہو یعنی موصی بہ ایسی چیز ہو جس سے فائدہ حاصل کرنا شرعاً مباح ہو، لہٰذا اگر ایسی چیز ہے جس سے انتفاع مباح نہ ہو تو موصی لہ کیلئے اس کا نافذ کرنا جائز نہ ہوگا۔ ان یکون للموصی به مباحا فان کان الموصی به غیر مباح الانتفاع به فانه لایجوز للموصی له تنفیذه۔(۳)

جیسے آلاتِ لہولعب، ڈرگز، شراب، خنزیر دیگر درندے جانور جو مسلمانوں کے حق میں مال نہیں ہے ان کی وصیت صحیح نہ ہوگی۔ فلاتجوز الوصیة به کاٗلات اللهو والخمر والمخدرات، والدخان، والقات، وسباع البهائم والخنزیر لأن منه مالیس بمال، ومنه ما لایتقوم فی حق المسلمین.(۴)

حتی کہ فحش میگزین جو دین و دنیا کو بگاڑنے والے، اور مسلمانوں کے درمیان فساد پھیلانے والے رسالوں کی وصیت سے بھی منع کیا گیا ہے اور ان کی وصیت حرام ہوگی۔ ومما تحرم الوصیة به المجلات الخلیدة المفسدة للدین والدنیا، والصحف التی تنبئ نشر

---

(۱) حوالہ سابق (۲) الوصیة بیانها وأبرز أحکامها:۱۰۳ (۳) لمحات مهمة فی الوصیة:۱،۳۱،مدار الوطن للنشر،الریاض (۴) الوصیة بیانها وأبرز أحکامها:۱۰۴

الفساد بین المسلمین والتفرقة..الخ

اور ایسی وصیت گناہ اور عدوان پر تعاون کے قبیل سے ہوگی جو نصاً حرام ہے "**وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ**"(۱)

(۴) جس چیز کی وصیت کی ہے وہ مال ہو اور شریعت کی نگاہ میں قابل قیمت ہو اسی لئے اگر شراب کی وصیت کی جائے تو معتبر نہیں کہ گو یہ مال ہے لیکن شریعت کی نگاہ میں یہ لائق قیمت نہیں۔(۲)

(۵) موصی بہ ایسی چیز ہو کہ کسی عقد کے ذریعہ اس کا مالک بنایا جانا ممکن ہو۔(۳)

(۶) اگر کسی متعین چیز کے بارے میں وصیت کی ہو تو ضروری ہے کہ وصیت کنندہ کی موت کے وقت وہ موجود ہے، اگر اس کی وفات سے پہلے وہ مال ضائع ہو گیا تو باطل ہو جائے گی۔(۴)

(۷) وصیت تہائی مال تک کی ہو، تہائی سے زیادہ کی نہ ہو۔(۵)

موصی بہ کے نافذ کرنے کا حکم

موصی کے شرط پر وصیت کو نافذ کرنا ہی اصل اور مطلوب ہے لیکن بہت سے وصی ایسے مسائل اور حالات سے ناواقف ہوتے ہیں جن میں وصیت کو نافذ کرنا واجب ہو جاتا ہے اور بعضے مرتبہ وصیت کو نافذ کرنا حرام ہو جاتا ہے تو وصیت اور موصی بہ کے لحاظ سے حکم کی چند قسمیں نکلتی ہیں جو مختصرا پیش کی جاتی ہیں۔الوصیة مطلوب تنفیذها علی شرط الموصی، ولکن قد یجهل الموصی الیه الاوجه التی یلزم انفاذ الوصیة فیها...(۶)

(۱) اگر وصیت دیون کی ادائیگی، مہر اور نفقہ کی ادائیگی، نماز، روزہ کا فدیہ اور زکوۃ و حج

(۱) سورة المائدة:۲ (۲) قاموس الفقہ:۵/۲۷۵

(۳) الدرالمختار، کتاب الوصایا:۶/۶۵۴، دارالفکر، بیروت **بحوالہ قاموس الفقہ**:۵/۲۷۵

(۴) بدائع الصنائع:۷/۳۵۴، دار الکتب العلمیة، بیروت، **بحوالہ قاموس الفقہ**:۵/۲۷۵

(۵) مجموعہ قوانین اسلامی:۳۰۰ (۶) الوصیة:۱۰۵

و کفارہ کی ادائیگی کی ہو تو ایسی وصیت کو نافذ کرنا واجب ہے۔ ان كان الموصى به قربة لله كالوصية باخراج الواجبات لله كالزكاة وفريضة الحج والكفارات،أولأدمى كوفاء الديون وتسديد ماوجب عليه. كنفقة زوجة.وجب تنفيذها..(۱)

اسی طرح اگر وصیت مستحب چیزوں کی ہے مثلاً صدقہ، غلام کی آزادی مسجد کی تعمیر، شرعی علوم کی کتابوں کی طباعت وغیرہ تب بھی وصیت کو نافذ کرنا واجب ہوگا۔ ومما يجب تنفيذه ماذا أوصى بمستحبات كالصدقة والاعناق واجراء ماء،وبناء مسجد،وطبع كتب علم شرعية أومايعين عليها....(۲)

(۲) اگر ایسی چیزوں کی وصیت کی گئی ہے جس سے اللہ کی قربت مقصود نہیں البتہ مباح چیزوں کی وصیت ہے تو اس کے نافذ ہونے کے وجوب کے سلسلہ میں علیؓ کا اختلاف ہے۔ ان كان الموصى له غير قربة ولكنه من الأمور المباحات فقد اختلف العلماء في وجوب تنفيذه كالوصية ببيع شيئى أو شرائه..(۳) لیکن راجح قول وجوب ہی کا ہے کیوں کہ وصیت شرعی طور پر جب صحیح واجب ہو چکی ہے تو اس کو نافذ کرنا واجب ہوگا کہ وصی امین ہوتا ہے اور امانت میں خیانت گناہ کبیرہ ہے اور اس کو تبدیل کرنا حرام ہوگا۔ الوصية أمر بتنفيذ شئى، فعلى الموصى اليه انفاذها، لأنها أمانة والموصى اليه امين...حتى وقعت الوصية على الجهة الشرعية حرم تغييرها وتبديلها۔

(۳) اگر وصیت حرام چیز کی ہو جیسے نوحہ کرنے کی وصیت، قبر پر مسجد یا گنبد کی وصیت یا حرام کاموں کیلئے گھروں کو کرایہ پر دینے کی وصیت وغیرہ تو اب اس وصیت کو نافذ کرنا جائز نہ ہوگا۔ ان كان الموصى به محرما كالنياحة أو بناء مسجد أو قبة على قبر أوما به اعانة على الحرام كاستجار دور لترويج المحرمات....فهذا لايجوز تنفيذه..(۴)

(۴) اگر وصیت مازاد علی الثلث کی ہو یا قاتل و وراث کیلئے وصیت ہو تو اب اس کا نفوذ ورثہ کی مشیت پر ہوگا۔ يرجع بالتنفيذ الى مشيئة الورثة فى حالة أن تكون الوصية

---

(۱) حوالہ سابق (۲) حوالہ سابق (۳) حوالہ سابق (۴) حوالہ سابق:۱۰۵

لوارث وكذلك فى حالة الوصية بأكثر من الثلث.(۱)

(۵) اگر وصیت مکروہ چیزوں کی ہو تو اس کو نافذ کرنا بھی مکروہ ہوگا جیسے :ان كان الموصى به مكروها كأن يجعل وصيته بثوم أوكراث أو بصل أو فجل،فانه يكره تنفيذها لأجل كراهية روائحها.

منفعت کی وصیت

وصیت کی تعریف ہی میں یہ بات گذر چکی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک جس طرح عین شئی کی وصیت درست ہے منفعت (فائدہ اٹھانے) کی وصیت بھی درست ہے۔

البتہ فرق یہ ہے کہ اگر صرف منفعت (جیسے گھر میں رہائش وغیرہ) کی وصیت کی گئی ہو تو یہ وصیت محدود مدت ہی کیلئے ہوگی، اگر خود وصیت کنندہ نے مدت کی تحدید کی ہو مثلا یوں کہا کہ فلاں شخص کو میری موت کے بعد دس سال اس مکان میں رہنے کا حق ہوگا، تو دس سال کے بعد موصی لہ کا استحقاق ختم ہو جائے گا اور اگر مطلق وصیت کی کسی مدت کی تحدید نہیں کی تو جس کے حق میں وصیت کی ہے اس کی موت تک منفعت کا استحقاق ہوگا، اس شخص کی موت کے بعد اس کے ورثاء کو نفع اٹھانے کا حق نہیں ہوگا۔(۲)

وصیت کا مصرف

جب موصی وصیت کے مصرف کا تذکرہ نہ کرے یعنی وصیت کے مال یا منفعت کو کس پر خرچ کیا جائے، بیان نہ کرے تو نیک اور قربت کے کاموں میں اس کو استعمال کیا جائے اور سب سے بہتر مصرف وہ موصی ہی کے غریب، فقیر رشتہ دار ہیں جن کو وراثت میں حصہ نہ ملتا ہو، کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے زندگی ہی میں ان کے حقوق کی رعایت کرنے کا حکم دیا ہے (متنبہ کیا ہے) تو مرنے کے بعد بدرجہ اولیٰ الوجوه التى تصرف

---

(۱) حوالہ سابق: ۱۰۵ (۲) بدائع،فصل فى حكم الوصية: ۳۹۳/۷، دار الكتب العلمية، بیروت، بحوالہ قاموس الفقہ ۵: ۲۷۷/

فيها الوصية اذا لم يعين الموصى لها مصرفا يجعل ما أوصىٰ به الموصى فى أعمال البر والقرب وأفضل ما يكون على فقراء الأقارب غير الوارثين، لأن الله نوه بحقهم فى حال الحياة فبعد الموت أولىٰ.(۱)

اس کے علاوہ اعمال بر بہت ہیں جیسے پینے کے پانی کے چشموں کو جاری کرنا، مسجد کی تعمیر اور اس کی خدمت کیلئے وصیت کرنا، فقراء کے قرضوں کی ادائیگی کی وصیت کرنا اور ان پر صدقہ کرنا، طلبہ علوم دینیہ اور تعلیم قرآن پر خرچ کرنے کی وصیت کرنا، راستوں کو درست کرنے اور اس سے تکلیف دہ چیزوں کو زائل کرنے کی وصیت کرنا، مسافروں کے سایہ اور آرام و راحت کیلئے درخت یا گھروں کا انتظام کرنے کی وصیت کرنا وغیرہ وغیرہ وأعمال البر كثيرة: كمياه الشرب وبناء المسجد وخدمتها، وقضاء ديون الفقراء والصدقة عليهم وعلى طلبة العلم الشرعى، وتعليم القرآن وتعبيد الطرقات وازالة الأذى عنها، ومستظل المسافرين من بيوت حجر. الخ(۲)

حمل کی وصیت

حمل کی وصیت کرنا جائز ہے یعنی کسی نے اپنے جانور (بکری) کے حمل کی وصیت کی ہے یا اپنی باندی کے حمل کی وصیت کی ہے تو یہ حمل کی وصیت جائز ہو جائے گی: جیسا کہ حمل کیلئے وصیت جائز ہے۔ الوصية بالحمل والحمل جائزة.(۳)

میت کے ترکہ میں تصرف کا ذمہ دار کون؟

میت کے مال میں سے واجبات کی انجام دہی یعنی اس کے دیون اور وصیت کی ادائیگی اور وراثت کے تقسیم کی ذمہ داری کس کی ہوگی؟ من يتولى تصريف التركة؟ اس کا سب سے پہلا ذمہ دار تو وہ وصی ہوگا جس کو موصی نے اپنی زندگی میں مقرر کیا ہوگا۔ الذى يتولى اخراج

(۱)الوصية بيانها وأبرز أحكامها: ۱۰۹ (۲)حوالہ سابق

(۳)اعلاء السنن: ۱۸/ ۳۲۴

الواجبات التی فی مال المیت هو اماوصی المتوفی (۱) بلکہ موصی کیلئے مستحب ہے کہ وہ ایک ایسے شخص کو متعین کرے جو اس کے پورے ترکہ کا ذمہ دار ہو، واجبات ادا کرے، وصیت نافذ کرے، اور وراثت کی تقسیم کرنے کے بعد چھوٹے بچوں کا ذمہ دار بن جائے۔یستحب أن یعین الموصی شخصا یتولی جمع ترکته،واخراج الواجب علیه،وتنفیذه وصایاه،وأن یتولی شئون اولاده الصغار.(۲)

اگر موصی نے اپنی زندگی میں کسی کو وصی مقرر نہیں کیا ہے تو ورثہ سے جو چاہے اس کا ذمہ دار بن جائے (جو اس کا اہل ہو) پھر ان سب ذمہ داریوں کو ادا کرے۔فان مات الموصی ولم یعین لذالک وصیا تولی ذلک من شاء من الورثة.

(۳) اگر ورثہ میں کوئی وصی بننے کا اہل ہی نہ ہو یا ان میں اختلاف ہو جائے یا کوئی وارث ہی نہ ہو تو اب حاکم ذمہ دار بنے گا۔فان تعذر لعدم أهلیتهم،أو تشاجروا أو لم یکن وارث تولی ذلک الحاکم.(۳)

روضۃ الصالحین میں لکھا ہے کہ: مظالم کو دور کرنے، دیون کو ادا کرنے، وصیتوں کو نافذ کرنے اور بچوں کے امور میں وصیت مستحب ہے۔اگر موصی کسی کو وصی مقرر نہ کرے تو قاضی کسی کو اس کا ذمہ دار مقرر کرے گا اور امام نوویؒ نے ذکر کیا کہ ورثہ میں جب کوئی سمجھدار ہو تو وہی ان کاموں کا ذمہ دار بن جائے گرچہ اسکو وصی مقرر نہ کرے۔جاء فی روضة الطالبین : الوصیة مستحبة فی رد المظالم وقضاء الدیون وتنفیذ الوصایا وأمور الأطفال.....الی قوله فان لم یوص الی أحد نصب القاضی من یقوم بها.(۴)

وذکر النووی وجها بأنه اذا کان فی الورثة رشید قام بهذه الأمور وإن لم ینصبه القاضی.(۵)

تنبیہ : وصی خاص کے ہوتے ہوئے کسی کو اس میں دخل اندازی کی اجازت نہ ہوگی نہ حاکم کو نہ کسی دوسرے کو ومع وجود الوصی الخاص فانه لا نظر لأحد لا حاکم ولا غیره.

---

(۱)الوصیة بیانها وأبرز أحکامها: ۱۱۴ (۲) حوالہ سابق: ۱۱۳

(۳) حوالہ سابق (۴) ۱۶/۱۱/۳۱۱ بحوالہ سابق: ۱۱۳ (۵) بحوالہ سابق: ۱۱۲

البتہ اگر وصی تصرف کرنے سے عاجز ہو جائے یا وصی عورت ہو تو اس کے لیے کسی کو مددگار متعین کیا جاسکتا ہے۔ وان کان الموصی الیه عاجزاعن التصرف أو امرأة صنم له من یعینه علی التصرف.(۱)

وصی کے شرائط

(۱) التکلیف : وصی مکلف ہو یعنی وصی آزاد، عاقل، بالغ مسلمان عادل ہو، لہذا بچہ اور مجنون کو وصی بنانا جائز نہیں ہے اسی طرح کافر کو بھی وصی بنانا صحیح نہیں ہے۔ قال الموفق فی المغنی: تصح الوصیة الی الرجل العاقل المسلم الحر العدل اجماعا ولا تصح الی مجنون ولا طفل، ولا وصیة مسلم الی کافر بغیر خلاف نعلمه.(۲) کیوں کہ بچہ اور مجنون خود اپنے مال میں تصرف کے اہل نہیں ہے تو دوسروں کے مال کے کیسے ذمہ دار بن سکتے ہیں؛ اور کافر مسلمان کا ولی نہیں بن سکتا۔ لأن المجنون والطفل لیسا من أهل التصرف فی أموالهما فلا یلیان علی غیرهما، وکافر لیس من أهل الولایة علی مسلم.(۳)

(۲) رشد ہو، یعنی بحسن وخوبی میت کے مال میں تصرف کرتا ہو یعنی ایسا ہوشیار اور سمجھدار ہو کہ اس کے تصرف اور تقسیم سے ماتحتوں (مستحقین) کا نفع بھی ہوتا ہو اور میت کے مال میں ظلم بھی نہ ہوتا ہو۔ الرشد: والمراد به احسان التصرف أی کونه ممن یحسن التصرف فیما ینفعه وینفع غیره...

اگر کسی نے شرائط مذکورہ بالا کے خلاف وصی بنایا تو قاضی پر لازم ہوگا کہ کسی دوسرے شخص کو وصی بنائے جس میں مذکورہ شرائط پوری طرح پائی جارہی ہوں: ولو أوصی الی صبی وعبدغیره وکافر وفاسق بدل أی بدلهم القاضی بغیرهم اتماما للنظر.(۴)

---

(۱) کشف القناع: ۳۹۴۴، بحواله سابق (۲) المغنی لابن قدامة، فصل فی من تصح الوصیة إلیه ومن لا تصح: ۶/۱۴۴، مکتبة القاهرة، مصر (۳) اعلاء السنن: ۱۸/۳۳۳
(۴) الدر مع الرد: ۵/۶۱۳

عورت وصی بن سکتی ہے

عورت کو بھی وصی بنانا جائز ہے کیوں کہ عورت اہل شہادت میں سے ہے، اور حضرت عمرؓ نے حفصہؓ کو وصی بنایا تھا لہذا عورت کا وصی بننا جائز ہے۔وتصح الوصية الى المرأةما روى أن عمررضي الله عنه أوصىٰ إلى حَفْصَةَرضي الله عنها،وَلِأَنَّهَا مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ فَأَشْبَهَتِ الرَّجُلَ(۱)

وصی کی قسمیں اوران کا حکم

وصی تین قسم کے ہوتے ہیں: (۱) امانت دار ہو، اور وصیت کے نافذ کرنے پر قادر ہو، تو یہ ایسا مضبوط وصی ہے کہ اس کو معزول کرنے کا اختیار خود قاضی کو بھی نہیں ہے۔ الأوصياء ثلاثة:أمين قادر على القيام بما أوصى اليه فانه يقرر وليس للقاضى عزله(۲)

(۲) امانت دار ہو لیکن وصیت کے نافذ کرنے پر قادر نہ ہو عاجز ہو تو قاضی کو اختیار ہوگا کہ اس کے ساتھ کسی معاون مددگار کو جوڑے تا کہ دونوں ملکر وصیت کو نافذ کریں۔ وأمين عاجز فالقاضى يضم اليه من يعينه.(۳)

(۳) وصی فاسق ہو یا کافر ہو یا غلام ہو جو حقیقۃً وصی بننے کے اہل نہیں ہیں لہذا ایسے وصی کو معزول کرنا اور اس کے بجائے دوسرے کو ذمہ دار بنانا واجب ہوگا۔وفاسق أو كافر أو عبد :فيجب عزله واقامة غيره مقامه كذا فى خزانة المفتين.(۴)

قبول کرنے نہ کرنے کا اختیار

جس شخص کو وصی (ذمہ دار) بنایا جائے اسے اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو وہ اس ذمہ داری کو قبول کرے یا پھر اسے رد کردے اور رد کرنے سے رد ہو جائے گا وہ وصی نہیں بنے گا رجل أوصى الى رجل فى وجهه فقال الموصى اليه لا أقبل، صح ردّه ولا يكون وصيا(۵) البتہ اگر

---

(۱) إعلاء السنن :۸/۳۳۳ (۲) الفتاوىٰ الهندية:۶/۱۵۷

(۳) حوالہ سابق (۴) الفتاوىٰ الهندية:۶/۱۵۷ (۵) الفتاوىٰ الهندية:۶/۱۵۷

وصی موصی کی زندگی میں اس ذمہ داری کو قبول کرلے تو وصی بننا لازم ہو جاتا ہے حتی کہ اگر وہ موصی کے مرنے کے بعد ذمہ داری سے علحدہ ہونا چاہے تو اس کیلئے اس کی گنجائش نہیں ہوگی۔رجل یوصی الی رجل،فقبله فی حیاة الموصی فالوصیة لازمة حتی لو اراد الخروج منها بعد الموصی لیس له ذلک.(۱)

وصی موصی کی زندگی میں خاموشی اختیار کیے رہا لیکن موصی کے بعد اس نے ذمہ داریوں کی انجام دہی شروع کردی تو یہ اس کی طرف سے عملاً قبول ہے۔(۲)

متعدد وصی

موصی کو اختیار ہوتا ہے کہ الگ الگ ذمہ داری کیلئے علیحدہ علیحدہ وصی کو مقرر کرے جیسے کسی کو دیون ادا کرنے کیلئے وصی بنائے، کسی کو لڑکیوں کی شادی کا ذمہ دار بنائے اور کسی کو ثلث مال کی تفریق کیلئے ذمہ دار مقرر کرے۔اور موصی کیلئے یہ بھی اختیار ہے کہ ایک ہی ذمہ داری میں ایک سے زائد وصی کو مقرر کرے تا کہ وہ سب ملکر اس ذمہ داری کو ادا کرے اور مال میں تصرف کرے۔

قال الموفق:یجوز أن یوصی الی رجلین معافی شیئی واحد و یجعل لکل واحد منهما التصرف منفردا، وله أن یوصی الیهما لیتصرفا مجتمعین۔(۳)

وللموصی أن یعین أکثر من وصی،بأن یجعل لکل واحد التصرف فی شئیی معین مثل أن یوصی شخصا بتفریق ثلث المال،وآخر بتزویج بناته،وآخر بقضاء دیونه.(۴)

لیکن حتی المقدور ایک ہی کو وصی بنانا زیادہ بہتر ہے کیوں کہ ہر ایک کا نظریہ سوچ اور کام کرنے کا انداز الگ ہوتا ہے نتیجۃً جھگڑے کا باعث بھی بن سکتا ہے جس سے مستحقین کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔وجعل الوصیة لواحد أفضل ان امکن ذلک، جسما للنزاع

(۱) حوالہ سابق
(۲) مجموعہ قوانین اسلامی: ۳۲۰
(۳) اعلاء السنن: ۱۸/۳۳۳
(۴) الوصیة بیانها وأبرز أحکامها: ۱۲۰

وتلافيا لاختلاف الأنظار والوجهات.(۱)

وصی کی ذمہ داری

وصی اپنی ذمہ داری میں محدود ہوتا ہے، کیوں کہ وصی کی حیثیت وکیل کی سی ہوتی ہے اور وکیل اپنی ذمہ داری میں محدود ہوتا ہے کہ جتنی ذمہ داری دی گئی ہے اس سے بڑھ کر تصرف نہیں کرسکتا اور اپنے مؤکل کی مخالفت نہیں کرسکتا، چنانچہ اگر اس کو ثلث مال میں تصرف کرنے کا وصی بنایا گیا ہے تو لڑکیوں کے نکاح کرانے میں دخل اندازی نہیں کرسکتا۔اذا أوصى الى الوصى بشيئ لم يصر وصيا فى غيره،لأنه استفاد التصرف بالاذن،فكان مقصودا على ما أذن فيه كالوكيل، فلو وصاه فى تصريف ثلث المال، فلايكون وصيا فى تزويج بناته.(۲)

اسی طرح وہ دوسرے کو اپنی ذمہ داری کا وکیل بھی نہیں بنا سکتا الا یہ کہ موصی اس کو وکالتِ مطلقہ دیدے۔والموصى اليه لايوكل غيره، الا أن يعطيه الموصى الوكالة المطلقة بأن يجعلها اليه(۳)

نوٹ: البتہ جب وصی کے موت کا وقت آجائے تو وہ دوسرے کو وصی بنا سکتا ہے گرچہ موصی نے اس کی تفویض نہ کی ہو، تا کہ مستحقین کا نقصان نہ ہو،الموصى اذا حضره الموت، فله أن يوصى الى غيره مع أن الموصى لم يفوض اليه الايصاء نصاً.

کن صورتوں میں وصی بنائیں؟

موصی صرف ان ہی چیزوں میں کسی کو وصی مقرر کرسکتا ہے جن کا وہ مالک ہو جیسے موصی کا مال چنانچہ ثلث مال کی وصیت جائز ہے یا موصی پر کوئی چیز واجب ہو جیسے دیون

(۱)الشرح الكبير:۳/۵۸۶،بحواله سابق:۱۲۰

(۲)كشاف القناع:۴/۲۹۸،بحواله الوصية بيانها وأبرز أحكامها:۱۱۹

(۳)الوصية بيانها وأبرز أحكامها:۱۱۵

چنانچہ دیون ادا کرنے کی وصیت یا موصی اس کا ذمہ دار ہو جیسے نابالغ اولاد مجنون، اموال کی حفاظت، لڑکیوں کے نکاح کی ذمہ داری وغیرہ کیلئے وصی مقرر کرنا۔ من شرعت له الولاية على أحد فله أن يوصي بها الىٰ غيره كالأب يوصي على رعاية اولاده من صلبه الصغار، والمجانين، ومن لم يونس فيهم الرشد. الخ(۱)

چنانچہ بالغ اولاد جو سمجھ دار بھی ہو اس کیلئے کسی کو وصی مقرر کرنے کا حق موصی کو نہیں ہے۔أما الكبير الرشيد فلا وصية له عليه.(۲)

اسی طرح بالغ وارث کی موجودگی میں دین وصول کرنے کیلئے وصی مقرر کرنا بھی جائز نہیں ہے کیوں کہ اب وہ مال (دیون) میت سے منتقل ہو کر ورثہ کی جانب چلا گیا اور بالغ ورثہ پر کسی کی ولایت نہیں ہوگی۔وليس للأب أن يوصي باستيفاء الدين مع بلوغ الوارث ورشده، لأن المال انتقل من الميت الى ورثته الذين لا ولاية له عليهم (۳).

وصی کی معزولی

وصی اس ذمہ داری کو قبول کرنے کے بعد اس سے معزول ہونا چاہے تو اسی وقت معزول ہوسکتا ہے جبکہ ایسا حاکم (والی) موجود ہو جو اس کو اس ذمہ داری سے بے نیاز کر دیتا ہو۔ وللموصى اليه عزل نفسه في شاء اذا وجد حاكمًا يفكّ الوصية عنه، ولكن لا يحق له عزل نفسه في الصور الثالثة.(۴)

(۱) چنانچہ اگر ایسا کوئی والی نہ ہو تو وصی اپنے آپ کو معزول نہیں کرسکتا، کیوں کہ اپنے آپ کو معزول کرنے میں امانت کو ضائع کرنا اور مسلمان کے حق کو باطل کرنا ہے۔ اذا لم يجد حاكما، لأن عزل نفسه فيه تضييع الأمانة وابطال لحق المسلم .(۵)

(۲) اسی طرح حاکم تو ہو لیکن موصی بہ کو نافذ کرنا اس کیلئے دشوار ہوتا ہو، کیوں کہ اس

(۱) الوصية بيانها وأبرز أحكامها :۱۱۷ (۲) بحوالہ سابق

(۳) حوالہ سابق (۴) حوالہ سابق: ۱۱۵ (۵) حوالہ سابق

کے پاس اس کا ثبوت نہیں ہے، یا کسی اور وجہ سے۔أن يتحذر تنفيذ الحاكم للموصى به لعدم ثبوته عنده ،أو لغيره من الأسباب.(۱)

(۳) یا وصی کو اندیشہ ہو کہ وہ حاکم یہ ذمہ داری دوسرے کے حوالہ کر دیگا (جس سے مستحقین کا نقصان ہو سکتا ہے)أن يخاف الموصى اليه أن يسند الحاكم الوصية الى غير أهل.

(۴) وصی جانتا ہو کہ حاکم ظالم ہے اور مسلمانوں کے اوقاف اور ان کی وصیتوں کی پرواہ نہیں کرتا تب بھی وصی اپنے آپ کو معزول نہیں کرسکتا :أن يعرف الموصى اليه ظالم الحاكم وعدم مبالاته بأوقاف المسلمين ووصاياهم.(۲)

خلاصہ: الغرض اس صورت میں وصی اپنے آپ کو معزول نہیں کرسکتا جب موصی لہ یا موصی بہ کے نقصان کا اندیشہ یا یقین ہو۔

نوٹ : جب وصی کا انتقال ہو جائے یا اس کی اہلیت کسی وجہ سے ختم ہو جائے مثلاً فسق، جنون وغیرہ کی وجہ سے تو اب اس کی ذمہ داری حاکم پر ہوگی کہ وہ اس کے قائم مقام کسی کو مقرر کرے

واذا مات الموصى اليه أو زالت أهليته مثل جنونه أو فسقه أو سفهه فهي من مسئوليات الحاكم فيقم مقامه غيره.(۳)

تنبیہ: وصی کا کسی شخص کو اپنی طرف سے تصرفات کیلئے مقرر کر دینا جائز ہے، وصی کا مقرر کردہ وکیل وصی کی موت سے اور موصی کی اولاد کے بالغ ہونے سے خود بخود معزول ہو جائے گا۔(۴)

کافر کو وصی بنانا

یہ بات پہلے آچکی ہے کہ کافر کو وصی بنانا جائز نہیں ہے کیوں کہ وہ ولایت کا اہل نہیں

---

(۱) حوالہ سابق (۲) حوالہ سابق (۳) حوالہ سابق:۱۱۶

(۴) مجموعہ قوانین اسلامی ص:۳۲۷

ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَن يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا (۱)

ترجمہ: اور ہرگز نہ دے گا اللہ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ۔ ولا وصية مسلم إلى كافر بخلاف فعله. (۲۶)

البتہ کافر کسی مسلمان کو وصی بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے جبکہ کسی حرام چیز کی وصیت نہ ہو جیسے شراب، خنزیر وغیرہ کی وصیت کیلئے وصی بنانا جائز نہیں ہے۔ تصح وصية الكافر الى المسلم اذا لم تكن وصية بحرام كالوصية بالخمر أو الخنزير ونحوهما. (۳)

وصی سے متعلق مزید ضروری مسائل

(۱) موصی کے مال سے کسی طرح کا انتفاع خود وصی کیلئے یا وصی کے اہل وعیال کیلئے جائز نہیں ہے، خواہ موصی کے مال سے قرض لے کر فائدہ اٹھائے یا موصی کے مال کو کاروبار میں لگا کر نفع اٹھائے۔ (۴)

(۲) میت کے مقرر کردہ دو وصی میں سے ایک کا انتقال ہو گیا اور ایک کا انتقال کرنے والے نے دوسرے زندہ وصی کو یا کسی تیسرے شخص کو اپنی طرف سے وصی نہیں بنایا تو ایسی صورت میں قاضی زندہ وصی کے ساتھ ایک اور وصی نامزد کر دے گا۔ (۵)

(۳) میت نے یا قاضی نے دو وصی مقرر کئے یا ایک وصی میت کا مقرر کردہ ہے اور ایک قاضی کا (جن صورتوں میں قاضی کیلئے وصی مقرر کرنا درست ہے) سوائے چند مخصوص صورتوں کے کسی بھی وصی کا دوسرے وصی کی رائے کے بغیر تصرف معتبر نہ ہوگا۔ (۶)

وبطل فعل احد الوصيين كالمتوليين فانهما فى الحكم كالوصيين. الخ (۷)

(۴) موصی کا ترکہ کس کی امانت میں رہے اگر اس سلسلہ میں دونوں وصی کے

---

(۱) سورۃ نساء: ۱۴۱ (۲) اعلاء السنن ۱۸، ۳۳۳

(۳) الوصية بيانها وأبرز أحكامها: ۱۲۱ (۴) مجموعہ قوانین اسلامی ص: ۳۲۷

(۵) حوالہ سابق: ۳۲۲ (۶) حوالہ سابق (۷) الدر مع الرد ۵/ ۶۱۵

درمیان اتفاق رائے ہو کہ فلاں وصی کے پاس رہے یا کسی تیسرے شخص کے پاس رہے تو فبہا ورنہ اختلافی صورت میں قابل تقسیم مال میں سے نصف نصف ہر ایک اپنی امانت میں لے لے گا اور جو مال قابل تقسیم نہ ہو اس کو دونوں یکے بعد دیگرے باہم طئے شدہ مدت تک اپنی اپنی امانت میں رکھیں گے: واذا اختلف الوصیان فی المال عند من یکون فان کان المال قابلا للقسمة فانهما یقسمانه ویکون عند کل واحد منهما نصفه وان لم یکن المال. الخ(۱)

(۵) وصی موصی کے مال و متاع (خواہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ) کو شدید ضرورت کے بغیر فروخت نہیں کرسکتا اور شدید ضرورت کے وقت فروختگی کی ابتداء اشیاء منقولہ سے کی جائے۔ شدید ضرورت سے مراد وہ ضرورتیں ہیں جو موصی کے مال و متاع اور اس کے اہل و عیال سے متعلق ہوں۔(۲)

(۶) مرنے والے پر نہ دین ہے اور نہ اس نے وصیت کی اور اس کے ورثہ سب بالغ اور موجود ہیں تو اس صورت میں وصی موصی کے مال و جائیداد سے متعلق تمام کاموں میں موصی کے ورثہ کی صریح اجازت کے بغیر کوئی اقدام نہ کرسکے گا، ہاں اگر ورثہ موصی پر لازم دین کی ادائیگی اور اس کی جائز وصیت کے اجراء میں لیت ولعل کررہے ہیں تو وصی ان دونوں کاموں کو انجام دے گا۔(۳)

(۷) وصی کا موصی پر دین یا وصیت موجود ہونے کا اقرار کرنا صحیح نہ ہوگا، البتہ اگر وارث اقرار کرتا ہے تو اس کے حق میں صحیح ہو جائے گا: ولا یجوز اقراره بدین علی المیت ولا بشئی من ترکته أنه لفلان الا ان یکون المقر وارثا فیصح فی صحته.(۴)

(۸) اگر وصی نے مرنے والے کا ایسا دین ادا کردیا جس کیلئے مدعی کے پاس نہ کوئی شہادت تھی اور نہ کوئی ثبوت تھا اور نہ اس کے متعلق قاضی کا فیصلہ تھا اور نہ ورثہ نے اس

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة: ۶/۱۴۲ (۲) مجموعہ قوانین اسلامی ص: ۳۲۴

(۳) حوالہ سابق (۴) الدر مع الرد ۵/۶۲۵

دین کی تصدیق کی تھی تو وصی پر ضمان لازم ہوگا: ولو صالح الوصی واحدا عن دین المیت ان کان للمیت بینة علی ذلک أو کان الخصم مقرا بالدین. الخ(۱)

(۹) اگر موصی نے وصی کیلئے کوئی معاوضہ مقرر نہ کیا ہو اور وصی محتاج ہو تو وصی کیلئے موصی کے نابالغ بچوں کے مال سے مروج طریقہ پر مناسب معاوضہ لینا درست ہوگا، معاوضہ کی تعیین اور وصی واقعی محتاج ہونے کی تحقیق کے سلسلے میں محتاط اور محفوظ طریقہ قاضی کا فیصلہ ہے۔(۲)

قرض وصیت سے پہلے

یہ بات بھی ضمناً پہلے آچکی ہے کہ وصیت کا مرتبہ دین کی ادئیگی کے بعد ہے حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے وصیت سے پہلے دین کا فیصلہ کیا ہے۔ ''وأن رسول اللہ ﷺ قضی بالدین قبل الوصیة''(۳)

دلیل عقلی: قرض کی ادائیگی میت کے ذمے قرض ہے، اور وصیت تبرع اور نفلی چیز ہے، ظاہر ہے کہ فرض نفل کے مقابلہ میں قوی ہوتا ہے، اس لئے قرض کو وصیت پر مقدم کیا گیا قدم الدین علی الوصیة لان الدین واجب ابتداء، والوصیة تبرع والبدایة بالواجب اولیٰ (۴)

چنانچہ اگر کسی کو دین (قرض) اتنا ہو جتنا اس کا مال یا اس سے بھی زیادہ تو نہ کسی کو میراث ملے گی نہ کوئی وصیت نافذ ہوگی، دین کی ادائیگی کے بعد کچھ مال بچ جاتا ہے تو اب صرف ایک تہائی مال میں وصیت جاری ہوگی اگر کوئی شخص پورے مال کی وصیت کردے تب بھی تہائی مال ہی میں وصیت معتبر ہوگی۔(۵)

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة: ۶/۱۴۹ (۲) مجموعہ قوانین اسلامی: ۳۲۹

(۳) سنن الترمذی، باب ماجاء بالدین قبل الوصیة، حدیث: ۲۱۲۲

(۴) حاشیہ شریفیہ: رقم ۱ ص ۵، افضل الراجی فی حل السراجی: ۱/۶۸ مفتی محمد افضل اشاعتی مدرسہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا مہاراشٹر (۵) مستفاد معارف القرآن: ۲/۳۲۰، ادارہ اشرفی دیوبند

بیوی کا مہر بھی دین ہے

یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ بیوی کا مہر ادا ہو گیا یا نہیں ۔ اگر بیوی کا مہر ادا نہ کیا ہو تو دوسرے قرضوں کی طرح سب سے پہلے کل مال میں سے مہر ادا ہو گا اس کے بعد ترکہ تقسیم ہو گا۔ مہر لینے کے بعد عورت اپنی میراث کا حصہ بھی میراث میں حصہ دار ہونے کی وجہ سے وصول کر لے گی اور اگر میت کا مال اتنا ہے کہ مہر ادا کرنے کے بعد کچھ نہیں بچتا تو بھی دوسرے دیون کی طرح پورا مال دین مہر میں عورت کو دیدیا جائے گا اور کسی وارث کو کچھ حصہ نہ ملے گا۔(۱)

اشاروں سے وصیت

حنفیہ کے نزدیک وصیت یا تو لفظوں میں ہو یا وہ خود لکھ کر دے، تب تو جائز ہے لیکن عام آدمی کی وصیت محض اشارہ کے ذریعہ درست نہیں الا یہ کہ آدمی اخرس ہو، شروع ہی سے گونگا ہو، ساری زندگی اشاروں میں گذری ہو، اگر مرض الوفات میں وصیت بھی اشاروں کے ذریعہ کرے تو وہ معتبر ہو گی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جو گونگا ہوتا ہے اس کے اشارے متعین ہو جاتے ہیں، اسکے اشاروں کی مستقل زبان ہوتی ہے، اس کو لوگ سمجھتے ہیں، لیکن جو گونگا نہیں ہے اس کا اشارہ ابہام پیدا کر سکتا ہے، اس میں جہالت ہے اس واسطے اسکی وصیت معتبر نہیں۔(۲)

وصیت کو باطل کرنے والی چیزیں

سب سے پہلے تو موصی کا اپنی وصیت سے رجوع کرنا بھی وصیت کو باطل کر دیتا ہے خواہ رجوع صراحۃً ہو یا دلالۃً ہو یا ضرورۃً جس کی مکمل تفصیل پیچھے گذر چکی ہے اب یہاں ذیل میں اس کے علاوہ چند صورتیں ذکر کی جاتی ہیں جو وصیت کو باطل کر دیتی ہیں:

(۱) معارف القرآن: ۲/ ۳۲۵، ۳۲۶ (۲) انعام الباری: ۷/ ۴۱۸ بحوالہ عمدۃ القاری ۹/ ۱۴۱

(۱) موصی لہ کی موت: یعنی موصی کے مرنے سے پہلے اگر موصی لہ کا انتقال ہو جائے تو وصیت باطل ہو جاتی ہے۔ان مات الموصی له قبل موت الموصی بطلت الوصية.(۱)

(۲) موصی لہ موصی کا قتل کر دے خواہ عمداً ہو یا خطا ولاتصح الوصية القاتل عمدا، کان أو خطاً بعد ان کان مباشراً(۲) کیوں کہ موصی لہ نے منفعت حاصل کرنے میں جلدی کی ہے اوراس کی سزا محرومی ہے۔ من استعجل الشیی قبل اوانه عوقب بحرمانه.(۳)

(۳) موصی بہ ہلاک ہو جائے مثلاً مال کی وصیت کی تھی یا کار کی وصیت کی تھی وہ مال یا کار ہلاک ہو جائے۔ استهلک الموصی به حقیقة أوحکما.(۴)

(۴) موصی مجنون ہو جائے یعنی ایسا جنون لاحق ہو جائے جو موت تک باقی رہے۔وزاد بعضهم أمرا رابعا، وهو اذا جن الموصی جنونا مطبقا واتصل الجنون بالموت.(۵)

(۵) موصی وصیت سے انکار کر دے تب بھی وصیت باطل ہو جاتی ہے حکماً اس کو بھی رجوع سمجھا جائے گا۔ انکار الموصی أوصی لزید بکذا فانها تبطل.(۶)

البتہ امام محمدؒ کے نزدیک وصیت کے انکار سے رجوع ثابت نہ ہوگا۔ ومن جحد الوصية لم یکن رجوعا ماکذا ذکره محمدرحمه الله. (۷)

(۶) موصی یا موصی لہ مرتد ہو جائے، کسی ایک کے بھی مرتد ہونے سے وصیت باطل ہو جاتی ہے۔ردة الموصی أو الموصیٰ له فاذا ارتد أحدهما بطلت الوصية. (۸)

(۷) وصیتِ معلقہ: یعنی موصی نے جس شرط پر وصیت کو معلق کیا تھا اس شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے وصیت باطل ہو جاتی ہے مثلاً موصی نے کہا تھا ''ان مت من

---

(۱) اعلاء السنن:۱۸، ۳۲۵ (۲) الفتاوی التاتار خانیه:۱۹/ ۳۸۴

(۳) الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة عشر:من استعجل الشیء قبل أوانه عوقب بحرمانه: ۱/ ۱۳۲، دار الکتب العلمیة، بیروت (۴) الفتاوی التاتار خانیه: ۳/ ۲۰

(۵) فقه السنة، بطلان الوصية: ۳/ ۲۰۱، دارالکتاب العربی، بیروت (۸) حوالہ سابق

(۶) لمحات مهمة فی الوصية: ۳۷ (۷) البناية شرح الهداية: باب في صفة الوصية: ۱۰/ ۴۳۶

مرضی هذا فثلثي للمساكين" (اگر میں اس بیماری میں مر جاؤں تو میرا ثلث مال مساکین کیلئے) پھر وہ بیماری سے شفایاب ہو گیا تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ الوصية المعلقة: أي المقيدة بحالة أو بوقت مثل قوله ان مت من مرضى هذا. فثلثي للمساكين فبرئ من مرضه ثم مات بطلت الوصية(۱)

(۸) موصی بہ کا استحقاق نکل آئے یعنی وصیت کرنے کے بعد یہ بات ظاہر ہوئی کہ موصی بہ کا مالک کوئی دوسرا شخص ہے موصی کے علاوہ تب بھی وصیت باطل ہو جاتی ہے جیسے کہ موصی بہ تلف ہو جائے تو وصیت باطل ہو جاتی ہے۔ اذا تبین أن الموصیٰ به مستحق لغير الموصیٰ بطلت الوصية كما لو تلفت.(۲)

ہبہ اور وصیت میں فرق

(۱) ہبہ میں قبول ورد کی شرط فی الحال ہوتی ہے اور وصیت میں موصی کے مرنے کے بعد ہوتی ہے۔ الهبة تثبت فی الحال قبولا وردا أما الوصية فلا تثبت الا بعد الموت.

(۲) ہبہ اعیان میں ہوتا ہے لیکن وصیت اعیان، دیون اور منافع میں بھی ہوتا ہے۔ الهبة تكون فی الأعيان، أما الوصية فتكون فی الأعيان والديون والمنافع.

(۳) ہبہ موہوب لہ کے حق میں لازم ہوتا ہے چنانچہ واہب کو رجوع کرنے کا اختیار نہ ہوگا (سوائے والد کے کہ وہ اپنی اولاد سے رجوع کرسکتا ہے چند شرائط کے ساتھ) لیکن وصیت میں موصی کو مرنے سے پہلے رجوع کرنے کا اختیار رہتا ہے۔ الهبة لازمة فی حق الموهوب له وليس له الرجوع فيها بعكس الوصية فان له الرجوع فيها قبل الموت، الا الوالد فيجوز له الرجوع فيما وهبه لولده بالشروط المبسوط فی موضعها.

(۴) ہبہ حمل کے لئے صحیح نہیں ہے جبکہ حمل کیلئے وصیت صحیح ہے، بدائع الصنائع میں لکھا ہے کہ ہبہ کے صحیح ہونے کیلئے قبضہ شرط ہے اور یہاں حمل کی طرف سے قبضہ نہیں پایا گیا لہذا ہبہ صحیح نہ ہوا لیکن وصیت کے صحیح ہونے کیلئے قبضہ شرط نہیں ہے۔ الهبة لا تصح

(۱) الوصية بيانها وأبرز احكامها: ۱۳۵ (۲) الوصية بيانها وأبرز احكامها: ۱۳۶

الحمل، والوصية تصح الحمل قال في البدائع الصنائع: لأن الهبة لا صحة لها بدون القبض ولم يوجد، و الوصية لا تقف صحتها على القبض.

(۵) ہبہ کے لئے شئی موہوب کا موجود رہنا شرط ہے، جبکہ وصیت غیر موجود مال میں بھی صحیح ہو جاتی ہے، اسی طرح ہبہ کو کسی شرط پر معلق کرنا جائز نہیں ہے اور وصیت میں تعلیق جائز ہے۔ الهبة يشترط علمها ووجودها، ولا يجوز تعليقها على شرط، أما الوصية فتجوز بمال موجود وغير موجود ويجوز تعليقها بشرط.(۱)

وقف اور وصیت میں فرق

(۱) وقف کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسی عین شئی میں ہو جس کو بیچنا جائز ہو اور عین کو باقی رکھ کر، ہمیشہ اس سے فائدہ اٹھانا ممکن ہو، برخلاف وصیت کے کہ وہ ان ہی چیزوں میں صحیح ہوتی ہے جس کو بیچنا جائز نہیں ہے، چنانچہ باندی کے حمل کی وصیت، جانور کے حمل کی وصیت صحیح ہے (لیکن وقف صحیح نہیں ہے) الوقف لا بد أن يكون في عين يجوز بيعها و يمكن الانتفاع بها دائما مع بقاء عينها بخلاف الوصية فانها تصح فيما لا يجوز بيعه فتصح الوصية بحمل الجارية وحمل الدابة.

(۲) وصیت محدود مقدار میں صحیح ہوتی ہے مثلاً ثلث یا اس سے کم جبکہ وقف مال کی جتنی مقدار میں چاہے صحیح ہو جاتا ہے۔ الوقف يجوز في أى مقدار من المال، أما الوصية فمحددة بالثلث أو أقل.

(۳) وقف فی الحال زندگی میں نافذ ہو جاتا ہے لیکن وصیت موصی کے موت پر معلق رہتی ہے۔ الوقف منجز في الحياة بخلاف الوصية فانها معلقة بالموت .

(۴) وصیت وارث کیلئے صحیح نہیں ہے بالاتفاق جبکہ وقف وارث کیلئے صحیح ہو جاتا ہے، عند البعض الوصية لا تصح لوارث والوقف لا يصح على نفسه فقط أما غيره من ولده ونحوه فيصح وان كان وارثا عند بعض العلماء.

---

(۱) الوصية بيانها وأبرز احكامها: ۱۳۱

(۵) وصیت میں موصی کیلئے رجوع کرنا جائز ہے جبکہ وقف میں جائز نہیں ہے۔

الوصية يجوز الموصى الرجوع فيها بعد انشائها، اما الوقف فلا.(۱)

(۶) وصیت بالمنفعت میں موصی لہ اجارہ، اعارہ کا مالک ہوتا ہے، اسی طرح اس کو سفر میں لے جانا بھی جائز ہوتا ہے اور اس کی وراثت بھی چلتی ہے، لیکن وقف میں موقوف علیہ اجارہ، اعارہ، اور سفر پر لے جانے کا مالک نہیں ہوتا اور نہ اس کی وراثت چلتی ہے۔

الموصى له بالمنفعة يملك الاجارة والاعارة، والسفر بها وتورث عنه، أما الوقف فان الموقوف عليه لا يملك اجارتها ولا اعارتها ولا تورث عنه.(۲)

وصیت لکھنے کے چند آداب

وصیت کیلئے کوئی خاص لفظ یا کوئی خاص صیغہ وارد نہیں ہے جس سے وصیت لازم ہوتی ہے، البتہ وصیت لکھنے میں ان چیزوں کا خاص لحاظ رکھنا چاہئے۔ لم يرد لفظ مخصوص بالوصية ولا صيغة معينة بحيث تلتزم ولكن ينبغي أن تشتمل على المعانى التالية(۳)

(۱) موصی وصیت لکھتے وقت اپنی صحت اور ہوشمندی کی حالت کا تذکرہ کرے۔ اولاً بيان حالة الموصى وقت الوصية من حيث الصحة فى عقله وبدنه.

(۲) شہادتین، جنت، جہنم بعثت بعد الموت، قیام ساعت اور عیسیٰؑ کے بارے میں اپنے عقیدہ کا اظہار کرے۔ بيان معتقده فى الشهادتين وفى عيسىٰ عليه السلام وفى الجنة والنار والبعث والنشور وقيام الساعة.

(۳) اپنے مکمل قرضوں کا تذکرہ کرے جو آنا ہو اور جس کی ادائیگی لازم ہو، بيان ماله من الديون. وما عليه ان وجد ذلك.

(۴) اپنی تمام جائداد اور منقولی اشیاء مملکہ کا بیان کرے، جو ظاہر ہے اور جو مخفی

---

(۱) لمحات مهمة فى الوصية: ۸ (۲) حوالہ سابق

(۳) الوصية بيانها وأبرز أحكامها: ۸۳

ہے۔بیان امواله من عقارات ومنقولات ان لم يوجد ما يثبتها وكانت خفية.

(۵) موصی بہ کے نوعیت کا ذکر کرے اگر تعیین کا ارادہ ہو، یا مقدار کا تذکرہ کرے۔ ذكر نوع الموصى به. ان أراد التعيين أو المقدار من ماله.

(٦) وصی کو متعین کرے۔تعيين الوصى.

(۷) اگر تعیین کا ارادہ ہوتو وصیت کے مصرف کا تذکرہ کرے، مثلاً حج میں، مسجد کی تعمیر میں، طلبہ میں، فقراء مساکین میں، مال خرچ کیا جائے۔تعيين مصرف الوصية ان اراد التعيين كأن يقول فى حج، أو فى ماء، أو فى بناء مسجد، أو فى الفقراء والمساكين أو فى طلبة العلم(١)

ایک نمونہ :

جواہر العقود اور فتاویٰ ھندیہ میں ان آداب کی رعایت کے ساتھ نمونے بھی پیش کئے گئے ہیں ایک نمونہ پیش خدمت ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم:الحمد لله والصلوة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه ومن اهتدىٰ بهداه،وبعد:هذا ما أوصىٰ به فلان بن فلان فى حال الصحة من عقله وبدنه(فان كان مريضا فليذكر حالة مرضه)وهو يشهد أن لا اله الا الله وأن محمدا رسول الله وأن عيسىٰ عبد الله ورسوله وكلمة القاها الى مريم وروح منه،وأن الجنة حق والنار حق وأن الساعة أتية لاريب فيها،وأن الله يبعث من فى القبور،وأوصى بثلث ماله(وان اراد الربع أو الخمس فليذكر ذلک)وليذكر مصارفه،ويعين الوصى أى الوكيل،وان لم يعين مصارف ماأوصىٰ به وأراد جعل ذلک للوكيل فليذكر وليذكر ماشاء من العناصر المتقدمة وليجتهد فى بيان المراد،وتوضيحه سواء كان هوالكاتب لنفسه أو كان يملى على غيره وان كان الكاتب غيره فليعينه على بيان مراده ويوصى من

(١)الوصية بيانها وأبرز أحكامها:٨٣

ورائه من ولده وأهله وقرابته واخوته، ومن أطاع امره بما أوصىٰ به ابراهيم بنيه ويعقوب (يا بني ان الله اصطفى لكم الدين فلا تموتن الا وأنتم مسلمون) ويوصيهم جميعا أن يتقوا الله حق تقاته، وأن يطيعوا الله في سرهم وعلانيتهم. الخ (۱)

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے، تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں، درود وسلام نازل ہو اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے آل وصحابہؓ اور ان لوگوں پر جو آپ کی ہدایت سے راہ یاب ہوئے ہیں اس تمہید کے بعد یہ وہ پیغام ہے جس کی فلاں بن فلاں نے اپنے ہوش وحواس اور صحت کے زمانہ میں وصیت کی ہے (اگر وہ بیمار ہے تو بیماری کی حالت کا تذکرہ کردے) اور وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور عیسیٰؑ اللہ کے بندہ اور اس کے رسول ہیں اور جنت اور جہنم حق ہے، قیامت آنے والی ہے جس میں کوئی شک نہیں اور اللہ قبروں سے مردوں کو زندہ کرے گا، پھر اپنے تہائی مال کی وصیت کرے (اگر ربع یا خمس کا ارادہ ہو تو اس کا تذکرہ کردے) اپنے مصارف کا تذکرہ کرے وصی (وکیل) کو متعین کردے، اور اگر وصیت کے مصارف کو متعین کئے بغیر وصی کو اختیار دینا چاہے تو اس کا تذکرہ کردے، اور گذرے ہوئے مضامین میں سے جس کا چاہے تذکرہ کرے، اور اپنی مراد کو سمجھانے اور واضح کرنے کی کوشش کرے خواہ لکھنے والا اپنے لئے لکھ رہا ہو یا دوسرے کا املاء کررہا ہو، اگر لکھنے والا دوسرا ہے تو وہ موصی کی مراد کو بیان کرنے میں مدد کرے، اور وہ موصی اپنے اہل وعیال، قریبی رشتہ دار بھائی بہن اور اپنے متبعین کو اس چیز کی وصیت کرے جس کی ابراہیمؑ اور یعقوبؑ نے اپنے بچوں کو کی تھی (اے میرے بچو! یقینا اللہ نے تمہارے لیے دین کو منتخب کیا ہے چنانچہ تم ہرگز نہ مرنا مگر یہ کہ تم مسلمان رہو) اور سب کو مکمل تقویٰ، اور اللہ کی اطاعت کی وصیت کرنا، خلوت میں ہو یا جلوت میں، اپنے اقوال میں ہو یا افعال میں اس کی اطاعت کو لازم پکڑو، اس کی نافرمانی سے بچو دین کو قائم کرو، اختلاف

(۱) جواهر العقود، المصطلح: ۱/۶۱۳، دار الكتب العلمية، بيروت

پیدا نہ کرو، مل کر رہو، تفریق پیدا نہ کرو، آپس میں صلح کو اختیار کرو، اس پر دو مسلمان گواہوں کو قائم کرے، اللہ تمام کا ذمہ دار ہے، اللہ درود وسلام نازل کرے ہمارے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔

سلف صالحین کی وصیتوں کے نمونے :

چوں کہ وصیت کی تعریف الأمر المؤکد، تاکیدی حکم تاکیدی نصیحت ہے، جو مال کی وصیت کے ساتھ خاص نہیں ہے، چنانچہ سلفِ صالحین کی وصیتوں میں مال کی وصیت کے علاوہ بعض اہم چیزوں کی وصیتیں بھی ہوتی تھی (جیسا کہ گذشتہ نمونہ میں بھی ذکر ہوا) جن کو ہم اپنی وصیتوں کے ابتداء میں شامل کر سکتے ہیں اور علماء نے اس کو مستحب بھی قرار دیا ہے۔ واطلق العلماء الاستحباب لهذا اللفظ فی صدر الوصیة(۱) بطور نمونے کے مزید چند وصیتیں نقل کی جاتی ہیں، جن میں طریقے انداز کے ساتھ ساتھ وصیت کے آداب بھی موجود ہوں گے۔

(۱) روی الدار قطنی فی سننه: من طریق هشام، عن ابن سیرین عن انس بن مالک قال: کانوا یکتبون فی صدور وصایاهم: هذا ما أوصی فلان بن فلان، أوصیٰ أن یشهد أن لا اله الا الله وحده لا شریک له وأن محمدا عبده ورسوله، وأن الساعة أتیة لا ریب فیها، وأن الله یبعث من فی القبور، وأوصیٰ من ترک بعده من أهله أن یتقوا الله حق تقاته وأن یصلحوا ذات بینهم ویطیعوا الله ورسوله ان کانوا مؤمنین، وأوصاهم بما اوصیٰ ابراهیم بنیه ویعقوب (یابنی ان الله اصطفیٰ لکم الدین فلا تموتن الاوأنتم مسلمون)(۲)

ترجمہ: دار قطنی نے اپنی سنن میں "ہشام ابن سیرین عن انس بن مالک" کے طریق سے روایت کیا ہے کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ (صحابہ رضی اللہ عنہم) اپنی وصیتوں کے شروع میں لکھتے تھے :

---

(۱) الوصیہ بیانها وأبرز أحکامها: ۸۷

(۲) سنن الدار قطنی، کتاب الوصایا، حدیث: ۴۳۰۳، اعلاء السنن: ۱۸/ ۳۳۲، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو بزار نے روایت کیا ہے

یہ وہ پیغام ہے جس کی فلاں بن فلاں نے وصیت کی ہے، اس نے وصیت کی کہ وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندہ اور رسول ہیں، اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے اور اللہ قبروں سے مردوں کو زندہ فرمائے گا اور اپنے بعد اپنے گھر والوں کو وصیت کی کہ وہ اللہ سے ڈریں جیسے ڈرنے کا حق ہے اور آپس میں صلح صفائی کا خیال رکھیں، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اگر وہ ایمان لانے والے ہیں نیز اس چیز کی بھی وصیت کرے جس کی ابراہیم ویعقوب علیہما السلام نے اپنے بچوں کو وصیت کی تھی (اے میرے بچو! یقینا اللہ نے تمہارے لیے دین کو منتخب کیا ہے تو تم مسلمان ہو کر ہی مرنا مرتد نہ ہو جانا)۔

نوٹ : سنن کبریٰ میں بھی یہی وصیت لکھی ہے۔

(۲) عبد الرزاق عن الثوری قال: سمعت أبی یذکر وصیته ربیع بن خثیم: هذا ما اقربه ربیع بن خثیم علی نفسه، وأشهد الله علیه وکفی بالله شهیداً، وجازیا لعباده الصالحین ومثیبا، بأنی رضیت بالله ربا، وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا ﷺ، فأوصیٰ لنفسی ومن أطاعنی بأن أعبده فی العابدین، وأحمده فی الحامدین وأن انصح لجماعة المسلمین .(۱)

ترجمہ : عبد الرزاق نے ثوری سے نقل کیا ہے ثوری نے کہا، کہ میں نے اپنے والد کو ربیع بن خثیم کی وصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا: یہ وہ پیغام ہے جس میں ربیع بن خثیم نے اپنے آپ پر اقرار کیا ہے اور اس پر اللہ کو گواہ بناتا ہے اور اللہ کافی ہے گواہ ہونے کے اعتبار سے اور اپنے نیک بندوں کو بدلہ دینے کے اعتبار سے اس بات کی کہ میں اللہ پر رب ہونے کے اعتبار سے، اسلام کو دین ہونے کے اعتبار سے اور محمد ﷺ کو نبی ہونے کے اعتبار سے راضی ہوں، چنانچہ میں اپنے آپ کو اور میری اتباع کرنے والوں کو وصیت کرتا ہوں کہ میں عبادت گذار بندوں میں رہ کر اس کی عبادت کروں، اور تعریف کرنے

(۱) مصنف لعبد الرزاق: باب کیف تکتب الوصیة، حدیث: ۱۶۳۲۰

والے بندوں میں اس کی تعریف کروں، اور مسلمانوں کی جماعت کو نصیحت کریں۔

وصیت کن چیزوں کی کرنی چاہئے

یعنی کن کن چیزوں کی وصیت کی جاسکتی ہے اور کرنا چاہئے

حقوق اللہ کی وصیت

(۱) قضاء نماز روزے کے فدیے کی وصیت

(۲) قضا زکوۃ کے ادائیگی کی وصیت

(۳) قضا حج کے ادائیگی کی وصیت

(۴) کفارات کے ادائیگی کی وصیت

(۵) فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے کی وصیت یعنی مساجد، مکاتب، مدارس، خانقاہ تبلیغ وغیرہ پر خرچ کرنے کی وصیت

(۶) میت کو جلدی سے کفنانے اور دفنانے کی وصیت

(۷) ایصال ثواب کیلئے اجتماع سے گریز کی وصیت

(۸) مغفرت اور حصول رضا کی دعا اور انفراداً ایصال ثواب کا معمول بنانے کی وصیت

(۹) ہر وصیت کو علماء، مفتیان کرام کو بتا کر اس کا شرعی حکم معلوم کرنے کی وصیت

(۱۰) میت کے آخری دیدار کی رسم، قبر پر پھول یا پھولوں کی چادر وغیرہ رسوم سے احتراز کی وصیت

(۱۱) تمام بدعات، رسومات، خرافات سے بچنے کی وصیت

(۱۲) نوحہ نہ کرنے کی وصیت، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت کی وصیت

(۱۳) قضاء قربانی، قضا صدقۂ فطر، قضاء سجدۂ تلاوت کی وصیت

حقوق العباد کی وصیت

(۱) قرض کی ادائیگی کی وصیت

(۲) ناجائز طور سے لئے گئے مال کی واپسی کی وصیت مثلاً، چوری، سود، غصب وغیرہ

(۳) میراث میں یتیموں، بھائی بہنوں سے ہڑپ کئے ہوئے مال کی واپسی کی وصیت

(۴) ظلم و زیادتی یا کسی کی آبرو ریزی ہوئی ہو تو اس کے معافی تلافی کے درخواست کی وصیت

(۵) آپس میں اتحاد و اتفاق سے رہنے کی وصیت

(۶) نمازوں کی پابندی اور گناہوں سے بچنے کی وصیت (خصوصاً گناہ کبیرہ)

(۷) مہمانوں کے اکرام کی وصیت

(۸) دکھی انسانوں کی حاجت روائی کی وصیت

(۹) انتقال پر چاہے موت کیسی ہی آئے اخبار میں فوٹو شائع نہ کرنے کی وصیت

(۱۰) انتقال ہوتے ہی شناختی کارڈ، پاسپورٹ وغیرہ سے (کہ کوئی قانونی ضرورت باقی نہ رہے فوٹو پھاڑ کر جلانے کی وصیت)

(۱۱) بیوی کا مہر ادا نہ ہوا ہو تو اولاً مہر کی ادائیگی کی وصیت

(۱۲) بیوی، ساس، بہن، ماں پر جو ظلم و زیادتی ہوئی ہے اس سے معافی کی وصیت

(۱۳) بچوں کے نکاح میں جلدی کرنے اور سنت کے مطابق کرنے کی وصیت

(۱۴) ملازم، مالک، دوست احباب وغیرہ سے معافی تلافی کی وصیت۔ وغیرہ۔

مرض الموت کی وصیت

(۱) **مرض الموت کی تعریف:** مرض الموت ایسی حالت کو کہتے ہیں جس میں ہلاکت

کا اندیشہ ہو اور اسی حالت میں مر بھی جائے، خواہ اسی عارضہ سے مرا ہو یا کسی دوسری وجہ سے، خواہ یہ حالت مرض کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے، مثلاً کوئی شخص کشتی میں ڈوب رہا ہو۔ اگر مرض کا مہلک ہونا معلوم نہ ہو تو اسے مرض الموت جب کہیں گے کہ اس قدر اضافہ ہو جائے کہ مریض گھر سے باہر کے ضروری مصالح سے عاجز ہو جائے مثلاً عالم مسجد میں جانے اور تاجر تجارت سے عاجز ہو جائے۔ اگر مرض کسی مرحلہ میں ٹھہر جائے یعنی اس میں اضافہ نہ ہو رہا ہو اور اس ٹھہراؤ کے بعد ایک سال اسی حالت میں پورا ہو جائے تو یہ مرض الموت میں داخل نہیں پھر جب مرض بڑھ جائے اور اسی زیادتی کی حالت میں مر بھی جائے تو اس زیادتی کے وقت مرض الموت شمار ہوگا۔(۱)

(۲) مرض الموت کا ہبہ بہ حکم وصیت ہے چنانچہ مرض الموت میں اگر اپنے وارث کیلئے ہبہ کرتا ہے تو صحیح نہیں ہوگا کیوں کہ وارث کیلئے وصیت جائز نہیں ہے۔اعتاقه ومحاباته وهبته الخ كل ذلك حكمه كحكم وصية.الخ (۲)

(۳) مرض الموت میں مبتلاء بیمار کے پاس بیمار پرسی کیلئے کچھ لوگ آ گئے اور کچھ دن یہیں ٹھہر گئے اور اس کے مال میں سے کھانے پینے لگے تو اگر مریض کی خدمت کیلئے ان کے رہنے کی ضرورت ہو تو کوئی حرج نہیں، اگر ضرورت نہ ہو تو ان کی دعوت اور کھلانے پلانے میں بھی تہائی سے زیادہ لگانا جائز نہیں اور اگر ضرورت بھی نہ ہو اور وہ لوگ وارث ہوں تو تہائی سے کم بھی بالکل جائز نہیں البتہ اگر سب وارث، بخوشی اجازت دیدیں تو جائز ہے۔(۳)

(۴) مرض الموت میں ہبہ کرنا یا اپنی کوئی چیز رائج قیمت سے بہت کم میں فروخت کرنا یا کوئی سامان رائج قیمت سے بہت زیادہ میں خرید لینا یا کوئی چیز اجرت مثل سے بہت زیادہ کرائے پر لے لینا یا اس حال میں کئے ہوئے نکاح کے اندر مہر مثل سے زائد مقرر

---

(۱) احسن الفتاویٰ: ۹/ ۳۲۷

(۲) الدر المختار: ۱۰/ ۳۱۴، بحوالہ فتاویٰ دار العلوم: ۱۴/ ۴۵۸ (۳) حوالہ سابق: ۲/ ۳۲۱

کرنا یا مرض الموت سے پہلے کیے ہوئے نکاح کے مقررہ مہر پر کوئی اضافہ کرنا یا اس قسم کا اور کوئی بھی تبرع اور احسان کا معاملہ کرنا وصیت کے حکم میں ہے۔ لہذا اگر کوئی مریض کسی مرض میں مرجائے اور جس شخص کے حق میں ہبہ یا مذکورہ کمی زیادتی کی گئی وہ مریض کی موت کے وقت اس کا وارث ہو اور دوسرے ورثہ ہبہ یا مذکورہ کمی زیادتی سے راضی نہ ہوں تو ہبہ کو چھوڑ کر مذکورہ دیگر معاملات گرچہ منعقد رہیں گے لیکن ہبہ اور کمی زیادتی باطل قرار پائے گی اور اگر وہ شخص مریض کی موت کے وقت اس کا وارث نہ ہو تو ہبہ اور کمی زیادتی کا نفاذ ہوگا لیکن صرف ایک تہائی ترکہ تک زائد میں وارثوں کا اذن ضروری ہوگا جیسا کہ اس کی تفصیل گذر چکی۔(۱)

(۵) مرض الموت میں کم قیمت پر جائداد کو فروخت کرنا یہ حکم وصیت ہے، اور وارث کیلئے وصیت جائز نہیں ہے لہذا وارث ہی کو کم قیمت پر جائداد کو تقسیم کرنا صحیح نہ ہوگا البتہ اگر دیگر ورثہ اجازت دیدیں تو جائز ہو جائے گا۔(۲)

(۶) مرض الموت میں قرضہ معاف کرنے کا بھی اختیار نہیں، اگر کسی وارث پر قرضہ تھا اور اس کو معاف کر دے تو معاف نہیں ہوگا، کیونکہ یہ وصیت کے حکم میں ہے، ہاں اگر باقی دیگر بالغ ورثاء خوشی سے منظوری دے دیں تو جائز ہے، اگر کسی غیر وارث پر قرضہ تھا اور وہ معاف کر دیا تو صرف تہائی مال میں معافی معتبر ہوگی۔(۳)

(۷) مرض وفات کے کل تبرعات بحکم وصیت ہوتے ہیں اور وہ ثلث مال ہی میں ہوگی باقی دوثلث وارثوں کا حق ہے ان میں اسکے کہنے اور وصیت کرنے سے کچھ تغیر نہیں ہوتا۔(۴)

مریض کا اقرار بالدین اور مسلک حنفیہ

حنفیہ کے نزدیک مریض کا اقرار بالدین (یعنی مرض وفات میں کوئی شخص دین کا

---

(۱) مجموعہ قوانین اسلامی: ۳۰۵ (۲) فتاویٰ دار العلوم: ۱۷/ ۴۸۳

(۳) وصیت اور میراث کے احکام: ۲۶ (۴) امداد المفتیین: ۲/ ۸۶۳

اقرار کرے کہ میرے ذمہ فلاں کا اتنا دین ہے تو یہ اقرار) نہ علی الاطلاق معتبر ہے اور نہ علی الاطلاق غیر معتبر ہے بلکہ اس میں تفصیل ہے۔

وہ یہ ہے کہ اگر دین کا اقرار کسی اجنبی کے لئے کیا ہے تو وہ علی الاطلاق معتبر ہے کہ فلاں شخص کے اتنے پیسے میرے ذمہ واجب ہیں، اور وہ دین اس کے کل مال سے ادا کیا جائے گا اس میں ثلث کی بھی قید نہیں ہے۔

اور اقرار بالدین اپنے ورثہ میں سے کسی وارث کے حق میں ہو کہ کوئی شخص یہ اقرار کرے کہ میرے فلاں بیٹے کے ایک لاکھ روپئے میرے ذمہ بطورِ قرضہ واجب ہیں، تو اس صورت میں حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ یہ اقرار بالدین اس وقت تک معتبر نہ ہوگا جب تک دوسرے ورثہ اس کی تصدیق نہ کرلیں یا وہ دین معروف ہو لوگوں کو معلوم ہو لیکن اگر نہ تو معروف بین الناس ہے اور نہ دوسرے ورثہ اس کی تصدیق کرتے ہیں تو اس صورت میں حنفیہ کہتے ہیں کہ وہ اقرار بالدین معتبر نہیں ہوگا۔(۱)

مسئلہ: وارث کا قرضہ معاف کرنا بحکم وصیت ہے، تہائی ترکہ سے قرضہ معاف ہوگا، زیادہ معاف نہیں ہوگا، اور یہ بھی ورثاء کے تسلیم کرنے پر موقوف ہے، اگر ورثاء تسلیم نہ کریں تو قرضہ معاف نہیں ہوگا کیونکہ یہ وصیت کے حکم میں ہے۔(۲)

اقرباء میں اولاد نہیں

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے اقارب کے لئے وصیت کرے تو اس میں اولاد شامل نہیں ہوتی، اولاد کے علاوہ اقارب شامل ہوتے ہیں، اسلئے کہ قرآن کریم نے والدین اور اقربین کو الگ الگ ذکر کیا ہے فرمایا: **"إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ"** یہاں والدین اور اقربین کو حرف عطف کے ذریعہ الگ ذکر کیا اور عطف مغایرت پر دلالت کرتا ہے، معلوم ہوا کہ والدین اقربین

(۱) انعام الباری: ۷/۲۰۴ و تحفۃ القاری: ۶/۱۴۹ (۲) تحفۃ القاری: ۶/۱۵۰

میں داخل نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں فلاں کے اقارب پر صدقہ کرتا ہوں تو اس کے والدین اور اولاد اقارب میں شامل نہیں ہوگی، ان کے علاوہ اقارب ہوں گے۔(۱)

ایک شخص کی متعدد وصیتیں

جب کئی وصیتیں جمع ہو جائیں اور سب کی سب تہائی مال سے ادا ہو جاتی ہیں تو سب وصیتیں نافذ ہو جائیں گی۔ اذا اجتمعت الوصایا، فان کان بثلث مال الموصی وفاء الکل؛ فانه تفذ الوصایا کلها، ولا تشتغل بالترجیح.(۲)

اسی طرح جب وصیتیں ثلث سے بڑھ جائیں مگر ورثہ اس کے نافذ کرنے کی اجازت دیدیں تو سب وصیتیں نافذ ہو جائیں گی وکذالک اذا ضاق الثلث عن الوفاء بالکل و لکن اجازت الورثة.(۳)

لیکن اگر ورثہ اجازت نہ دیں اور وصیتیں سب کی سب بندوں کیلئے (سے متعلق ہیں) ہیں تو ایسی صورت میں سب سے زیادہ قوی کو پہلے نافذ کیا جائے گا پھر اس کے بعد جو قوی ہے اس کو نافذ کریں گے جیسے پہلے فرائض وواجبات کو نافذ کریں گے پھر صدقات ومستحبات کو نافذ کریں گے۔ میت نے جس چیز سے ابتداء کی ہے اسی سے ابتداء نہیں کرنا چاہئے۔ فاما اذا ضاق الثلث عن الوفاء بالکل ولم یجز الورثة به المیت کانت الوصایا کلها للعباد، فانه یقدم الأقویٰ فالأقویٰ ولا یبدأ بما بدأ به المیت (۴) لیکن اگر سب وصیتیں قوت میں برابر ہیں تو اب ہر ایک کو ان کے حصہ کے بقدر تقسیم کر کے دیا جائے گا۔ فأمّا اذا استوت فی القوة فانهم یتحاصون معناه أن یضرب کل واحد منهم بحقه فی الثلث ولا یبدأ بما بدأ به المیت.(۵)

اور اگر سب کی سب وصیتیں حقوق اللہ سے متعلق ہوں (جیسے نماز، روزہ، کفارہ، نذر، قربانی وغیرہ) تو اب یہ دیکھا جائے گا کہ سب کی سب ایک ہی جنس کی ہیں یا الگ الگ

(۱) عمدۃ القاری: ۱۰/ ۳۳ بحوالہ انعام الباری: ۷/ ۴۳۶ (۲) الفتاوی التاتارخانیه: ۱۹/ ۳۹۷
(۳) حوالہ سابق (۴) حوالہ سابق (۵) حوالہ سابق

جنس کی، اگر سب ایک ہی جنس کی ہیں مثلاً سب فرائض ہیں یا سب واجبات ہیں تو اب موصی نے جس چیز سے ابتداء کی ہے اسی سے ابتداء کی جائے گی نافذ کرنے میں۔ فان کان الکل فرائض متساویة یبدأ بما قدمه الموصی. کذا فی البدائع.(۱) اور اگر الگ الگ جنس کے ہیں تو اب پہلے فرائض کو مقدم کیا جائے گا پھر واجبات پھر مستحبات کو۔ وان کانت الوصایا من انواع مختلفة قدمت الفرائض ثم الواجبات ثم ما کان بالتطوع. (۲)

(۳) اور اگر بعض وصیتیں حقوق اللہ سے متعلق ہوں اور بعض حقوق العباد سے تو اب مال کو دونوں کے درمیان حصوں کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے گا۔ وان کانت الوصایا بعضها للعباد وبعضها لله تعالیٰ قسم المال بینهما بالخاصة. الخ(۳)

وارثین کو حصص شرعیہ کی وصیت کرنا

احکام میراث اسلامی شریعت کا اہم ترین حصہ ہیں، قرآن کریم کی متعدد آیات میں بڑی صراحت، وضاحت اور قطعیت کے ساتھ میراث کے احکام و مسائل اور شرعی وارثین کے حصص بیان کئے گئے ہیں اور ان احکام کی اہمیت اور قطعیت کو بیان کرنے کیلئے "**فَرِيْضَةً مِّنَ اللهِ**" کے الفاظ وارد ہیں۔

کسی شخص کے انتقال کے بعد اس کے متروکہ مال میں میراث شرعی کو جاری کرنا اور حصص شرعیہ کے مطابق وارثین میں اس کی تقسیم خود ورثہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگ اسلامی قانون میراث کے مطابق ''حقوق متقدمة قبل المیراث'' کی ادائیگی کے بعد بقیہ ترکہ باہم تقسیم کرلیں، کوئی شرعی وارث اپنے حق سے محروم نہ رہے اور نہ کسی کو اس کے حصہ شرعی سے کم تر ترکہ ملے، احکام میراث سے ناواقفیت کی صورت میں وارثین کی ذمہ داری ہے کہ علماء اور مفتیان کرام سے اس کام میں مدد لیں، نیز اگر کوئی وارث یا غیر وارث

(۱) الفتاوی الهندية:۶/ ۱۳۳ (۲) لمحات مهمة فی الوصية:۴۵
(۳) لمحات مهمة :۴۶

ترکہ کے تقسیم شرعی میں رکاوٹ بن رہا ہے تو حکومت کی ذمہ داری ہے کہ میت کے متروکہ مال میں تقسیم شرعی جاری کرے۔

مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ایسے ممالک میں آباد ہیں جہاں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے اور مسلمانوں میں عموماً اتنی دین داری نہیں ہے کہ وہ اپنے ذاتی نفع وضرر سے بلند ہو کر اتباع شریعت کے جذبہ سے اپنے اوپر بہ خوشی جس وارث کا مال فائدہ قانون ملکی جاری کرنے میں ہوتا ہے، وہ عموماً شرعی قانون میراث پر عمل کرنے سے گریز کرتا ہے اور نتیجۃً متروکہ مال میں شرعی وراثت جاری نہیں ہو پاتی، بعض اوقات ایسے ممالک میں اسلام کے قانون میراث جاری ہونے کا تنہا راستہ یہ بچتا ہے کہ دنیا سے رخصت ہونے والا شخص وفات سے پہلے ایسا وصیت نامہ تیار کر جائے جس میں اپنے متوقع وارثین کیلئے ان کے حصص شرعیہ کی صراحت کر دی جائے اور وضاحت سے لکھ دیا جائے کہ فلاں، فلاں اشخاص کو میری وفات کے بعد میرے متروکہ اموال میں سے اتنا اتنا دے دیا جائے۔

تقریباً تمام ہی غیر مسلم ممالک میں مرنے والے کی وصیت کو اہمیت اور اولیت دی جاتی ہے اور اس پر عمل درآمد کیا جاتا ہے؛ لہٰذا اس طرح کی تحریری اور قانونی وصیت کے بعد یہ بات تقریباً یقینی ہو جاتی ہے کہ شرعی وارثین کو ان کا حصہ صحیح طور پر مل جائے گا۔

اس صورت حال میں (۱) اگر کسی ملک میں مسلمانوں کے لیے احکام شریعت کے مطابق نظام میراث نافذ نہ ہو تو وہاں مسلمانوں کو چاہیے کہ حکومت سے نظام میراث کے نفاذ کا مطالبہ کیا جائے، اس کے لیے پر امن جد وجہد کی جائے اور جب تک ایسا نظام قانونی طور پر نافذ نہ ہو، رضا کارانہ طور پر اسے نافذ کرنے کی سعی کی جائے۔

(۲) جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، اور وصیت کے بغیر ورثہ کو ان کا شرعی حق نہ مل سکے، وہاں اس طرح کا وصیت نامہ لکھنا واجب ہوگا، جو مورث کی موت کے بعد قانون شریعت کے مطابق ترکہ کی تقسیم کا ذریعہ بن سکے، البتہ مورث وصیت نامہ کو نافذ کرانے کیلئے اپنی زندگی میں کسی کو وکیل (وصی) بنا دے تا کہ مورث کی وصیت

کے بعد اگر ورثہ میں اضافہ یا کمی ہو جائے تو حکم شریعت کے مطابق حذف و اضافہ کا حق اسے حاصل رہے۔

کیوں کہ ''الفوز الکبیر'' کے عربی شارح مفتی سعید احمد پالنپوری صاحب ''الخیر الکثیر'' میں لکھتے ہیں:۔

جب مرنے والے کو ڈر اور خوف ہو کہ اس کی اولاد اس کے مرنے کے بعد ترکہ شرعی طریقہ پر تقسیم نہ کرے گی تو مرنے والے پر ضروری ہے کہ تمام ورثاء کیلئے شرعی حصص کے مطابق وصیت کرے اور اس پر گواہ بنائے اور وصیت نامہ کو رجسٹر کرا دے، تا کہ اس کے مرنے کے بعد کوئی مستحق کا حق دبانا چاہے تو نہ دبا سکے، اور فتنہ و فساد کا دروازہ بند ہو جائے۔(۱)

نیز مستحقین کو حق سے محروم کرنا ظلم ہے، اور میراث ورثہ کا حق ہے، جس سے قانونی طور پر روکا جا رہا ہے، اور رفع ظلم، دفع نزاع اور تنفیذ شریعت حتی الامکان مسلمان کا دینی فریضہ ہے، اگر وصیت نامہ تیار نہیں کیا جاتا تو رفع ظلم نہیں ہو پائے گا اور مورث کا منشا بھی چوں کہ وصیت نہیں ہے، بلکہ حق پہنچانا ہے اس لیے ''الامور بمقاصدها'' (الاشباہ) ''إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ(۲) اور ''إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ'' (بخاری) کے تقاضے کے تحت ایسا کرنا جائز ہی نہیں، بلکہ واجب اور لازم ہے، عن النبی ﷺ: مَنْ قَطَعَ مِيْرَاثَ وَارِثِه قَطَعَ اللهُ مِيْرَاثَه مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.(۳)

ما كان وسيلة الى الواجب، فهو واجب (۴)

"ان ما لا يتم الواجب الا به، فهو واجب"(۵)

''الضرر يزال'' ''الضرر يدفع بقدر الامكان'' (۶)

نیز اس وصیت نامہ کو ورثہ کے حق میں وصیت ماننے کے بجائے محض ایک قانونی

---

(۱) الخیر الکثیر شرح الفوز الکبیر: ۲۴۱
(۲) سورة البقرة: ۱۸۰
(۳) مشکاة: ۲۶۶
(۴) موسوعة القواعد الفقهية: ۹/ ۲۰۵
(۵) کتاب النوازل: ۳/ ۲۲۵
(۶) قواعد الفقه: ۸۸

حل تصور کئے جانے کا عندیہ دیا ہے، اس لیے اس کو وصیت کہنے کے بجائے مستحقین تک حق پہنچانے کا ''حفظ ما تقدم'' کے طور پر شرعی حیلہ کہا جائے یا ''تقسیم المیراث قبل موت المورث عند المصلحة والخطر'' کا نام دیا جائے۔

نوٹ: ورثہ کے حصص شرعیہ کا یہ حصص نامہ لکھنا: ''لَاوَصِيَّةَ لِوَارِثٍ'' (وارث کیلئے وصیت کا اعتبار نہیں) کے خلاف نہ ہوگا، کیوں کہ مذکورہ حدیث میں وارث کیلئے وصیت کا عدم جواز ''معلول بعلت الضرر'' ہے کہ اس کی وجہ سے دوسرے ورثہ کو ضرر اور نقصان پہنچ سکتا تھا، ایک کو زیادہ دوسرے کو کم تو یہ دل شکنی کی بات تھی، اسی لیے ورثہ کی اجازت سے اس کو جائز قرار دیا گیا ہے **''الا ان یجیزھا الورثة''** اور مذکورہ وصیت میں بھی ممانعت کی وجہ نہیں پائی جارہی ہے، لہذا اس کو جائز ہونا چاہیے۔

نیز یہاں وصیت مقصود ہی نہیں، بلکہ ہر ایک کو اس کا سہام شرعی دینا ہے اور تقسیم بھی مورث کی موت کے بعد ہی ہو رہی ہے، صرف زندگی میں حصص کی تعیین جو شرعی طور پر کتاب وسنت میں پہلے ہی ہو چکی ہے ان کو دشواریوں اور مصالح کے پیش نظر ضبط تحریر میں لایا جارہا ہے، اس لیے دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

و يحرم من الوصية ما فيه مضار للورثة أوقصد الاضرار بهم .(۱)

وتصح وصية لكل وارث بعين بقدر ارثه، ولولم تجز الورثة(۲)

الغرض ترکہ کی تقسیم میں اختلاف سے بچنے کیلئے؛ یا جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، اور اس طرح کی وصیت کے بغیر ورثہ کو ان کا شرعی حق نہ مل سکتا ہو تو وارثین کیلئے حصص شرعیہ کی وصیت لکھنا جائز ہے، البتہ اگر مورث کی موت سے پہلے ورثہ کی تعداد میں اضافہ یا کمی ہو جائے تو اس نئی صورتِ حال کے مطابق ہی ترکہ کی تقسیم ہوگی۔(۳)

---

(۱) تفسیر مظہری: ۲/ ۳۴۵ (۲) التوضیح فی الجمع بین المقنع والتنقیح: ۳/ ۸۵۳

(۳) مستفاد از میراث وصیت سے متعلق بعض مسائل، مطبوعہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

مسلمان غیر مسلم کا وارث بن سکتا ہے یا نہیں

تمام امت کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ غیر مسلم کسی بھی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا اور امت میں کسی نے بھی اس میں اختلاف نہیں کیا؛ البتہ اختلاف اس بارے میں ہے کہ مسلمان کسی غیر مسلم کا وارث بن سکتا ہے یا نہیں ؟

چنانچہ اس مسئلہ میں دو فریق ہیں:

فریق اول :۔ جمہور امت، جمہور صحابہ اور تابعین اور ائمۂ اربعہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک جس طرح غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا، اسی طرح مسلمان بھی کسی غیر مسلم کا وارث نہیں بن سکتا۔ (اسی پر فتویٰ ہے اور یہی زیرِ عمل ہے)

''عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ'' (۱)

فریق ثانی : دوسرے فریق میں حضراتِ صحابہ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور تابعین میں سے حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ، امام سعید بن مسیب رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک کافر تو مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا، مگر مسلمان کافر کا وارث بن سکتا ہے؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو بلند فرمایا اور مسلمانوں کو کافروں پر عزت و شرف اور بلندی عطا فرمائی ہے۔

عن عائذ بن عمرو أنه جاء يوم الفتح مع ابی سفيان بن حرب الی رسول الله ﷺ وحوله أصحابه فقالوا: هذا ابو سفيان وعائذ بن عمرو فقال رسول الله ﷺ: هذا عائذ بن عمرو وأبو سفيان الاسلام اعزّ من ذلک، الاسلام يعلوا ولا يعلی'' (۲)

غیر مسلم ممالک میں حکم؟

مذکورہ اوپر کی تفصیل کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے کہ ہندوستان جیسے غیر مسلم ممالک

---

(۱) بخاری: ۲؍۱۰۰۱، رقم: ۶۷۵۶

(۲) السنن الکبریٰ للبیهقی ۹؍۲۳۳، حوالہ سابق مقالہ مفتی شبیر احمد صاحب ۱۴۹

میں فریقِ ثانی کی رائے پر عمل کیا جاسکتا ہے؟ یا نہیں؟

خصوصاً اس وقت غیر مسلم ممالک میں ایک صورت درپیش ہے کہ بعض دفعہ مسلمان مورث کی حیثیت میں ہوتے ہیں اور کسی غیر مسلم سے اس کی ایسی قرابت ہوتی ہے کہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو اسے بھی حق میراث حاصل ہوتا، قانون کے ذریعہ اس مسلمان کے مال سے اس کے غیر مسلم رشتہ دار کو متروکہ دیا جاتا ہے، اسی طرح اگر مورث غیر مسلم ہو اور اس کا مسلمان قرابت دار ہو تو قانون اسے ترکہ میں حق دلاتا ہے، اگر وہ نہ لے تو ترکہ دوسرے غیر مسلم قرابت داروں میں تقسیم ہو جائے گا۔

نیز دعوتی نقطہ نظر سے بھی اس مسئلہ کی بڑی اہمیت ہے، اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے وہ اپنے صاحب ثروت والد یا والدہ کے ترکہ سے بالکل محروم ہو جائے گا تو مادیت کے غلبہ کی وجہ سے یہ بات اس کے قبولِ اسلام میں رکاوٹ بن سکتی ہے یا بعض دفعہ اسے سخت معاشی تنگی سے گذرنا پڑتا ہے اگر یہ تنگی اس کے پائے استقامت میں تزلزل پیدا نہ کرے، تب بھی اس کے جیسے بہت سے لوگ جو کسی درجہ میں اسلام کی طرف راغب ہوتے ہیں، اس کی معاشی بدحالی کو دیکھ کر اپنے قدم روک سکتے ہیں، خاص کر ہندوستان میں اس طرح کے واقعات سے وہ لوگ گذرتے رہتے ہیں، جو دعوتِ دین کے کام کی طرف متوجہ ہوں۔

اس تناظر میں غیر مسلم ممالک میں پیش آمدہ مسائل اور مشکلات میں دینی مصلحت کے پیش نظر فریق ثانی کی رائے پر عمل کرتے ہوئے ''اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا'' نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ایسے غیر مسلم ممالک جہاں مسلمان سے غیر مسلم قرابت دار کو اور غیر مسلم سے مسلمان قرابت دار کو ملکی قانون کے مطابق موت کے بعد چھوڑے ہوئے مال میں حصہ دلایا جاتا ہو، وہاں مسلمان کیلئے اس حیثیت سے اس کا لینا جائز ہوگا کہ اسے حکومت کی طرف سے یہ مال حاصل ہو رہا ہے۔(۱)

جس طرح ہبہ و وصیت سے متعلق بعض شرائط و آداب سے ناواقفیت کی بنا پر

---

(۱) مستفاد از: میراث وصیت سے متعلق بعض مسائل فقہ اکیڈمی انڈیا: ۱۳

خاندانی وتنازعات ابھرتے ہیں اور رشتہ ناتوں میں دراریں پڑ جاتی ہیں، اسی طرح بعض دفعہ مشترکہ خاندان کے اصول وآداب سے لاعلمی، مالیات میں آمد وخرچ کی باریکیوں سے بے توجہی، ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی میں لاپرواہی، موصی ومورث کے انتقال کے بعد ترکہ کی تقسیم میں دیری، ایثار وقربانی اور انصاف جیسے شرعی احکام کا پاس ولحاظ نہ رکھنا بھی خاندان میں باہمی نزاع اور رشتہ ناتوں میں شگاف وپھٹن کا سبب بن جاتا ہے۔

لہذا ''مشترکہ خاندان اور جداگانہ خاندان'' کے عنوان سے کچھ اصول وآداب کے ساتھ ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' کا فیصلہ نقل کیا جاتا ہے تاکہ اسلام کے خاندانی ومعاشرتی نظام کی صحیح تصویر سامنے آسکے۔

کثرت سے پیش آنے والے مسائل

(۱) جب کسی پر موت کا وقت آجائے، پھر کوئی شخص اس سے کہے کہ کیا آپ وصیت نہیں کرتے؟ تو اس نے کہا کہ میں نے تو وصیت کردی ہے کہ میرے تہائی مال میں سے نکال لیا جائے، پھر اسی حالت میں اس کا انتقال ہوجائے تو مکمل ایک تہائی مال فقراء کو دیدیا جائے گا۔ رجل حضرته الوفاة فقال له رجل الاتوصی فقال قد أوصيت بأن يخرج ثلث مالي ولم يزد عليه حتى مات يدفع كل الثلث الى الفقراء.(۱)

(۲) مسلمان شخص نصاریٰ کے فقراء کیلئے بھی وصیت کرسکتا ہے کیونکہ یہ معصیت نہیں ہے۔ ويجوز لمسلم أن يوصى لفقراء النصارىٰ، لأن الوصية لفقرائهم ليست بمعصية(۲)

(۳) موصی نے کسی خاص شہر کے فقراء کیلئے وصیت کی ہے تو موصی بہ اسی شہر کے فقراء پر تقسیم کیا جائے گا۔(۳)

(۴) جب موصی دو آدمیوں کیلئے وصیت کرے پھر موصی کے مرنے سے پہلے ایک

---

(۱) الفتاوی التاتارخانیہ: ۱۹/ ۳۷۰ (۲) الفتاوی التاتارخانیہ: ۱۹/ ۳۸۹

(۳) مجموعہ قوانین اسلامی: ۳۱۳

موصی لہ کا انتقال ہوجائے تو دوسرے کے حق میں وصیت باطل نہیں ہوگی، دوسرے کو اس کے حصہ کے بقدر (نصف) دیدیا جائے گا اور باقی نصف موصی کے ورثہ کی طرف لوٹ جائے گا۔ولو أوصی لرجلین بثلث ماله، ثم مات أحدهما قبل موت الموصی بقی نصف الوصیة للحیّ منهما، ویعود النصف الی ورثة الموصی.(۱)

(۵) جب موصی مطلق ایک تہائی مال کو خیر کے کاموں میں خرچ کرنے کی وصیت کرے تو اس کو مسجد کی تعمیر، طلبہ علوم دینیہ کی اعانت، پل باندھنے وغیرہ کی طرف مال کو خرچ کیا جائیگا۔ولوأوصیٰ بالثلث فی وجوه الخیر یصرف الی القنطرة وبناء المسجد وطلب العلم.(۲)

(۵) جب کوئی کسی کیلئے اپنے مال میں سے ایک حصہ کی وصیت کرے تو اس کو سدس دیا جائے گا، کیوں کہ آپ ﷺ کے زمانے میں جب ایک صحابیؓ نے دوسرے صحابیؓ کیلئے ایک حصہ کی وصیت کی تھی تو آپ ﷺ نے اس کو سدس دلوایا، اور اس لیے کہ کلام عرب میں ایک حصہ سدس کو کہا جاتا ہے۔اذااوصیٰ له بسهم من ماله أعطیٰ السدس. ماروی ابن مسعود رضي الله عنه: أن رجلاأوصیٰ لرجل بسهم من ماله ، فأعطاه النبی ﷺ السدس.ولأن السهم فی كلام العرب السدس.(۳)

(۶) جب موصی مطلق اپنے تہائی مال کی کسی کیلئے وصیت کرے پھر مرنے سے پہلے مال میں بڑھوتری ہوجائے تو موصی کے مرنے کے بعد بڑھوتری کا تہائی بھی وصیت میں شامل کیا جائے گا، صرف وصیت کرتے وقت کا اعتبار نہ ہوگا، کیوں کہ مطلق پورے مال کا تہائی کا ہے۔أما اذا كان الموصی به جزءا من المال فانه اذا استفاد زیادة مال فله ذلک الجزء الموصی به منسوبا الی كل ماله وقت وفاته(۴)

(۷) اگر کوئی شخص اپنے اقارب کیلئے وصیت کرے تو اس میں ذی رحمِ محرم داخل

---

(۱) الفتاوی التاتارخانیه: ۱۹/ ۳۷۵
(۲) حوالہ سابق: ۱۹/ ۳۹۳
(۳) اعلاء السنن: ۱۸/ ۳۲۲، ۳۲۳
(۴) الوصیة بیانها وأبرز أحكامها: ۱۰۷

ہوں گے جو بوقتِ موت موصی وارث نہ ہو: قال العلامة التمرتاشی رحمه الله: وان أوصیٰ لأقاربه أولذی قرابته أولأرحامه أولا نسابه فهی للاقرب فالأقرب من کل ذی رحم محرم منه. الخ(۱)

(۸) موصی نے اپنی وصیت میں جن الفاظ کا استعمال کیا ہے ان کے معنی کی تعیین مقام عرف کے ذریعہ ہوگی چنانچہ اگر موصی نے اولاد، ہمسایہ، خاندان، اہل وعیال وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں تو ان کے معانی کی تعیین مقام عرف سے ہوگی وہاں کے عرف میں اگر اولاد کے لفظ میں بیٹا، بیٹی، دونوں داخل ہیں تو وصیت دونوں کیلئے ہوگی اور اگر عرف میں اولاد کا اطلاق صرف بیٹے کیلئے ہوتا ہے تو صرف بیٹے کیلئے وصیت ہوگی اسی طرح عرف میں پڑوسی کے لفظ کا اطلاق اگر ان پڑوسیوں پر ہوتا ہے جو اپنا ذاتی مکان رکھتے ہوں اور ان پر بھی جو پڑوس کے مکان میں کرایہ دار ہوں تو وصیت دونوں کیلئے ہوگی، بہر حال موصی نے جن الفاظ کے ذریعہ وصیت کی ہے ان الفاظ کے معنی اور مصداق کی تعیین مقام عرف سے ہوگی۔(۲)

(۹) اگر کوئی شخص اپنی نافرمان بیٹی کو مثلاً محروم کرنے کی وصیت کرے تو اس وصیت کا اعتبار نہ ہوگا، وراثت میں نافرمان اولاد کو بھی حصہ ملتا ہے۔ولو کان ولده فاسقا، وأراد أن یصرف ماله الی وجوه الخیر، ویحرمه عن المیراث هذا خیر من ترکه.(۳)

(۱۰) اگر کوئی شخص بحالت صحت و بحالت ہوش وحواس اپنا مال لے پالک کو دینا چاہتا ہے یا کل مال فلاحی کاموں میں خرچ کر دینا چاہتا ہے تو اس کیلئے جائز اور درست ہے، ہاں مرض الموت میں جائز نہیں ہے، البتہ مرض الموت میں صرف ایک ثلث میں ایسا کرنا جائز ہوتا ہے۔المالک هو المتصرف فی الأعیان المملوکة کیف شاء من الملک(۴)

---

(۱) رد المختار: ۵/ ۴۳۹، احسن الفتاویٰ: ۹/ ۲۹۳ (۲) مجموعہ قوانین اسلامی: ۳۱۲

(۳) الفتاوی الهندیة، الباب السادس فی الهبة للصغیر: ۴/ ۳۹۱، دار الفکر، بیروت

(۴) بیضاوی شریف: ۱/ ۷، قاسمیہ: ۲۵/ ۴۶

(۱۱) متبنّٰی (لے پالک بیٹا، بیٹی) شرعی طور پر وارث نہیں ہوتا، چنانچہ اس کیلئے ایک تہائی مال میں وصیت کی جاسکتی ہے۔(۱)

(۱۲) جو شخص اپنی زندگی میں وصیت کرے کہ میری وفات کے بعد عورت شادی نہ کرے تو میرے مال میں سے میراث دی جائے گی اور اگر نکاح کرے تو نہیں دی جائے گی، تو یہ وصیت عورت کے حق کو باطل نہیں کرسکتی، خاوند کی روح **قبض** ہوتے ہی عورت اس کے ترکہ میں اپنے شرعی حصہ کی حقدار ہوجاتی ہے۔(۲)

(۱۳) جس مطلقہ بیوی کی عدت پوری ہوچکی ہے اس کیلئے وصیت کرنا صحیح ہے، کیوں کہ عدت کے پورے ہوتے ہی وہ اجنبیہ ہوگئی اور اجنبیہ کیلئے وصیت صحیح ہے۔(۳)

(۱۴) وارثین کیلئے وصیت جائز نہیں ہے، اگر زندگی میں میراث تقسیم کرنا ہے تو لڑکیوں کو لڑکوں کے برابر دینا لازم ہے، ورنہ باپ گنہگار ہوجائے گا۔ فسویٰ بینهم یعطی البنت کالابن عند الثانی، وعلیه الفتویٰ، ولو وهب فی صحته کل المال للولد جاز وأثم.(۴)

(۱۵) وصیت کے جائز اور صحیح ہونے کیلئے وارثوں کا وہاں موجود رہنا شرط نہیں ہے اسی طرح مرض الموت میں بھی وصیت صحیح ہوجاتی ہے بشرطیکہ ایک تہائی میں ہو۔(۵)

(۱۶) وارث راضی ہو یا نہ ہو ایک تہائی ترکہ میں وصیت درست ہے، البتہ زیادہ میں رضاء وارث کی ضرورت ہے۔(۶)

(۱۷) اولاد کی موجودگی میں چونکہ پوتا محروم ہوتا ہے اس لیے اس پوتا اور اس کی والدہ کیلئے بھی وصیت درست ہے البتہ یہ لحاظ رہے کہ تہائی سے نہ بڑھے۔(۷)

---

(۱) کتاب النوازل: ۱۸/۷۰ (۲) فتاویٰ رحیمیہ: ۵/۵۰۲

(۳) فتاویٰ دار العلوم: ۱۷/۴۶۲ (۴) در مختار: ۸/۵۰۱، بحوالہ فتاویٰ قاسمیہ: ۲۵/۴۵

(۵) فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۷/۴۵۶، مکتبۂ دار العلوم دیوبند (۶) فتاویٰ دار العلوم: ۱۷/۴۸۶

(۷) فتاویٰ دار العلوم: ۱۷/۴۶۴

(۱۸) قبر کے گرد چہار دیواری بنوانے کی وصیت کرنا باطل ہے،أوصیٰ بأن یصلی علیه فلان، أو یحمل بعد موته الی بلد آخر، أو یکفن فی ثوب کذا أو یطین قبره أو یضرب علی قبره قبة، أو لمن یقرأ عند قبره شیئا معینا فهی باطلة.(۱)

(۱۹) کسی بھی انسان کا اپنی نعش کے بارے میں میڈیکل اسپتالوں میں خاص کر دینے کی وصیت کرنا قطعا باطل ہے اور ناجائز ہے، اس طرح کی وصیت پر عمل کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے، بلکہ ہر مسلمان کی نعش کو شرعی طور پر دفن کرنا فرض ہے۔(۲)

(۲۰) نماز جنازہ پڑھانے کیلئے کسی کو مقرر کرنے کی وصیت بھی باطل ہے۔و الفتویٰ علی بطلان الوصیة لغسله والصلوة علیه.(۳)

(۲۱) تعزیہ سازی و تعزیہ داری جو کہ متضمن افعال شرکیہ کو ہے اور جہلاء اس کی وجہ سے مبتلاء شرک ہوتے ہیں جائز نہیں ہے بلکہ قطعاً حرام اور معصیت ہے، اور اس کی وصیت باطل ہے، اور ایسی وصیت پر عمل کرنا شرعا درست نہیں ہے۔(۴)

(۲۲) میت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد قبر کو مسجد میں شامل کرنے کی وصیت کرنا صحیح نہیں ہے اور اس پر عمل کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔(۵)

(۲۳) تجہیز و تکفین میں بھائی کے شریک نہ ہونے کی وصیت کرنا باطل ہے اور بھائی کو چاہئے کہ واسطے ادائے حق اسلام و وصل رحم کے (اگر چہ دوسرے لوگ تجہیز و تکفین کرنے والے کافی موجود ہوں) تجہیز و تکفین میں شریک ہوں۔(۶)

(۲۴) قبر کے پاس نماز جنازہ پڑھنے کیلئے چبوترا بنانا مکروہ ہے، چنانچہ اس کی وصیت کرنا بھی صحیح نہ ہوگا، اور ایسی وصیت پر عمل بھی نہیں کرنا چاہئے۔(۷)

---

(۱) الرد المحتار: الباب السادس فی الهبة للصغیر ۴/ ۳۹۱، فتاویٰ دار العلوم: ۱۷/ ۴۷۶

(۲) کتاب النوازل: ۱۸/ ۱۰۴ (۳) در مختار: ۳/ ۱۱۵، فتاویٰ دار العلوم: ۱۷/ ۴۷۷

(۴) فتاویٰ دار العلوم: ۱۷/ ۴۷۷ (۵) فتاویٰ دار العلوم: ۱۷/ ۴۷۸

(۶) فتاویٰ دار العلوم: ۱۷/ ۴۷۸ (۷) بحوالہ سابق: ۴۷۹

(۲۵) اپنے باغیچہ میں تدفین کی وصیت شرعا معتبر نہیں ہے عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفنانا مسنون ہوگا، مگر یہ کہ اپنے باغیچہ ہی کو مسلمانوں کا قبرستان بنادے۔ ولو أوصیٰ بأن یدفن فی دارہ فوصیتہ باطلۃ الا أن یوصی أن یجعل دارہ مقبرۃ للمسلمین (۱)

اسی طرح خاص جگہ دفن کرنے کی وصیت کرنا باطل ہے، اسپر عمل جائز نہیں۔ (۲)

(۲۶) قبر پر سورۂ بقرہ پڑھنے کی وصیت کرنا اور اس کے مطابق قرآن شریف پڑھنا درست ہے مگر لازم نہیں۔ (۳)

(۲۷) بلا کسی جرم اور شرعی قصور کے کسی سے قطع تعلق کر لینا ممنوع ہے اور اسی طرح قطع تعلق کی وصیت بھی شرعی طور پر صحیح نہیں ہے اور ایسی وصیت کو پورا کرنا بھی لازم نہیں ہے۔ (۴)

(۲۸) کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ میرے جنازے کی نماز فلاں شخص پڑھائے فلاں شہر میں یا فلاں قبرستان میں، قبر پر قبہ بنا دیا جائے، قبر پر کوئی حافظ بٹھا دیا جائے تا کہ پڑھ پڑھ کر بخشا کرے تو اس طرح کی وصیت پر عمل لازم نہیں ہے اور اس کو پورا کرنا ضروری نہیں، بلکہ آخری تین وصیتیں بالکل جائز ہی نہیں انہیں پورا کرنے والا گنہگار ہو گا۔ (۵)

(۲۹) میت کے بدن کے کپڑے بھی ترکہ میں شامل ہوتے ہیں ان کو حساب میں لگائے بغیر یونہی صدقہ کر دیتے ہیں، خوب یاد رہے کہ میت کے کرتے کی جیب سے ایک الائچی بھی نکلے تو وہ بھی کسی ایک وارث کو دوسرے ورثاء کی اجازت کے بغیر کھالینا جائز نہیں چہ جائے کہ دوسرا اموال اور نقدی جو میت نے چھوڑی ہو اور اس میں سب کا حصہ ہو وہ دبالینا اور ان پر ناجائز قبضہ کر لینا اور دوسرے شرعی ورثاء کو محروم کر دینا۔ بعض علاقوں

---

(۱) هندية: ۶/ ۹۵، فتاویٰ قاسمیہ: ۲۵/ ۶۲، مکتبہ اشرفیہ دیو بند

(۲) امداد الفتاویٰ جدید مطول: ۹/ ۵۵۲ (۳) فتاویٰ قاسمیہ: ۲۵/ ۶۳

(۴) فتاویٰ قاسمیہ: ۲۵/ ۶۴ (۵) تسہیل بہشتی زیور: ۲/ ۳۲۰

میں تانبے پیتل کے برتن مالی کو تقسیم کئے بغیر فقیروں کو دیتے ہیں، حالانکہ ان سب میں نا بالغوں اور غیر حاضر وارثوں کو بھی حق ہوتا ہے۔ پہلے مال بانٹ لیں جس میں سے مرنے والے کی اولاد، بیوی، والدین، بہنیں جس جس کو شرعاً حصہ پہنچتا ہو اس کو دیدیں اس کے بعد اپنی خوشی سے جو چاہے مرنے والے کی طرف سے خیرات کرے یا مل کر کریں تو صرف بالغین کریں نابالغ کی اجازت کا بھی اعتبار نہیں، اور جو وارث غیر حاضر ہو اس کے حصہ میں اس کی اجازت کے بغیر بھی تصرف درست نہیں۔(۱)

(۳۰) مرتد کیلئے وصیت کی جائے تو وصیت باطل ہوگی۔(۲)

(۳۱) وصیت بالسکنیٰ صحیح ہے لیکن اس کے صحیح ہونے کیلئے ضروری ہے کہ موصی لہ معین ہو، اگر مطلق سکنیٰ کی وصیت کی اور موصی لہ کی تعیین نہیں کی تو وصیت صحیح نہ ہوگی، البتہ ان لوگوں پر قیاس کرتے ہوئے جو وقف کو غیر معین کیلئے جائز قرار دیتے ہیں جواز کا قول کیا جاسکتا ہے، مگر ابن عابدینؒ نے قیل سے تعبیر کر کے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے، اور عدم صحت کے قول کو مدلل اور راجح قرار دیا ہے۔(۳)

(۳۲) کرایہ کی وصیت: ایک شخص کے انتقال کے وقت اس کے ترکہ میں صرف ایک دکان تھی اور ورثہ میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے دکان کے کرایہ کے بارے میں اس نے وصیت کی کہ میرے برادرزادگان کو دے دیا کرنا، تو از روئے شرع اس کی یہ وصیت صحیح ہے، کرایہ کی ایک تہائی برادرزادگان کی حیات تک ان پر برابر تقسیم ہوا کرے گی اور دو تہائی لڑکے اور لڑکی کو ملا کر ہوگی، برادرزادگان میں سے کسی کا بھی انتقال ہو گیا تو اس کو وصیت میں ملنے والا حصہ بھی لڑکے لڑکی کو ملنے لگے گا، اور اگر لڑکے کا انتقال برادرزادگان سے پہلے ہو گیا تو چونکہ اس صورت میں برادرزادگان وارث بن جائیں گے اور وارث کیلئے وصیت جائز نہیں ہے اس لیے وصیت باطل ہو جائے گی اور برادرزادگان کو وصیت کے بجائے بطور وراثت حصہ ملے گا۔ قوله فلا تقسم أي الدار نفسها أما الغلّة فتقسم قال

---

(۱) طریقۂ وصیت: ۱۰۶، ۱۱۱ (۲) احسن الفتاویٰ: ۹/ ۲۸۹ (۳) حوالہ سابق: ۹/ ۲۹۰

الانتقانی اذا أوصی بغلة عبده أو داره سنة ولا مال له غیره فله ثلث غلة تلک السنة لأنها عین مال یحتمل القسمة(۱)

(۳۳) مکان میں رہنے یا اس کی آمدنی کی وصیت کرنا خواہ ہمیشہ کیلئے ہو یا مدتِ متعینہ کیلئے ہو جائز ہے۔(۲)

(۳۴) نماز، روزہ وغیرہ کے فدیہ کی وصیت واجب ہے اور اس کا مصرف وہی ہے جو زکوۃ کا ہے، ہاشمی اور صاحبِ نصاب کو دینا جائز نہیں۔(۳)

اگر میت نے فوت شدہ نماز اور روزہ کے فدیہ کی وصیت کی ہو تو ورثاء پر لازم ہے کہ وہ اس کے ثلث مال میں سے ہر نماز اور ہر روزہ کے عوض نصف صاع گندم ادا کریں، یہی حکم وتر کا بھی ہے، اور اگر میت نے فدیہ کے ادائیگی کی وصیت نہ کی ہو تو ورثاء پر اس کی ادائیگی واجب نہ ہوگی۔(۴)

(۳۵) مسجد کیلئے وصیت کردہ رقم کو مدرسہ میں لگانا جائز نہ ہوگا بلکہ شرط کے مطابق (وصیت کے مطابق) مسجد ہی میں صرف کرنا واجب ہوگا۔ شرط الواقف کنص الشارع، مالم یکن مخالفا المشرع. (۵) أما الوصیة لمسجد کذا أو قنطرة کذا، صرف الی عمارته و اصلاحه(۶)

(۳۶) ایسی بیماری کی حالت میں جس میں بیمار مر جائے، مریض کو اپنا قرض معاف کرنے کا بھی اختیار نہیں، اگر کسی وارث پر اس کا قرض تھا، اس نے اس کو معاف کیا تو معاف نہیں ہوا اگر سب وارث یہ معافی منظور کرلیں اور بالغ بھی ہو تب معاف ہوگا اور اگر کسی غیر کو معاف کیا تو تہائی مال سے جتنا زیادہ ہوگا وہ معاف نہیں ہوگا، عام طور پر دستور ہے کہ مرتے وقت بیوی اپنا مہر معاف کر دیتی ہے، یہ معاف کرنا معتبر نہیں۔(۷)

---

(۱) رد المختار: ۵/۴۴۲، احسن الفتاویٰ: ۹/۲۹۷ (۲) مجموعہ قوانین اسلامی: ۳۱۲
(۳) احسن الفتاویٰ: ۹/۲۹۱، ایم ایچ سعید کمپنی، کراچی (۴) افضل الراجی فی حل السراجی: ۱/۸۷
(۵) موسوعة: ۲۹/۱۰۰ (۶) بزازیه: ۳/۲۹۲، فتاویٰ قاسمیه: ۲۵/۵۲ (۷) حوالہ سابق

(۳۷) حالتِ حمل میں درد شروع ہو جانے کے بعد اگر عورت کسی کو کچھ دے یا مہر وغیرہ معاف کرے تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو مرتے وقت دینے کا ہے، یعنی اگر خدانخواستہ اس میں مر جائے تو یہ وصیت ہے جو وارث کیلئے جائز نہیں اور غیر وارث کیلئے تہائی سے زیادہ دینے اور معاف کرنے کا اختیار نہیں، البتہ اگر خیر و عافیت سے بچہ ہو گیا تو اب وہ دینا اور معاف کرنا صحیح ہو گیا۔(۱)

(۳۸) مردے کے مال میں سے لوگوں کی مہمان داری، خاطر مدارات کھانا کھلانا ،صدقہ خیرات وغیرہ جائز نہیں، اسی طرح مرنے کے بعد سے دفن کرنے تک مردہ کے مال میں سے جو کچھ اناج وغیرہ فقیروں کو دیا جاتا ہے، یہ بھی حرام ہے، مردے کو اس سے ہرگز کوئی ثواب نہیں پہنچتا؛ بلکہ اسے ثواب سمجھنا سخت گناہ ہے، کیوں کہ اب یہ سارا مال وارثوں کا ہو گیا لہذا وارثوں کا حق تلف کر کے دینا ایسا ہی ہے جیسے کسی کا مال چرا کر دے دینا ہے، سارا مال وارثوں کے درمیان شریعت کے مطابق تقسیم کر دینا چاہئے، پھر ان کو اختیار ہے اپنے اپنے حصہ میں سے شریعت کے مطابق جو چاہیں کریں، بلکہ وارثوں سے اس طرح خرچ کرنے اور خیرات کرنے کی اجازت بھی نہیں لینا چاہئے، کیوں کہ اجازت لینے کی صورت میں عام طور پر دل سے اجازت نہیں دیتے بلکہ صرف ظاہری طور پر اجازت دیتے ہیں، کیوں کہ اجازت نہ دینے میں بدنامی ہو گی، ایسی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں۔(۲)

(۳۹) موصیٰ بہ پر موصی کے ورثہ کا قبضہ بطور امانت ہے لہذا اگر موصیٰ بہ اجرائے وصیت سے پہلے ورثاء کی تعدی کے بغیر ضائع ہو جائے تو ان پر اس کا تاوان لازم نہ ہوگا۔(۳)

(۴۰) اگر موصی نے چند لوگوں کے لیے ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کی اور ورثاء نے تہائی سے زیادہ کی اجازت نہیں دی تو یہ وصیت تمام موصیٰ لہم کے لیے تہائی مال

---

(۱) حوالہ سابق (۲) حوالہ سابق (۳) مجموعہ قوانین اسلامی: ۳۰۳

میں ہی موصی کی وصیت کے تناسب سے جاری ہوگی۔(۱)

(۴۱) پراۓ ویڈنٹ فنڈ: لائف انشورنس، کوآپریٹیوسوسائیٹی، جیسے معاملات میں ان کے ضوابط کے مطابق اگر کسی شخص نے اپنی رقم کیلئے دوسرے کونامزد کردیا تو نامزد شخص خواہ وارث ہو یا غیر وارث اس کی حیثیت نہ موصی لہ کی ہوگی نہ موہوب لہ کی بلکہ صرف امین کی ہوگی، لہذا نامزد کرنے والے شخص کی جمع کردہ اور وضع شدہ رقم اس کی موت کے بعد حسب سہامِ شرعی اس کے وارثوں میں تقسیم ہوگی، اور سود کی رقم بلانیتِ ثواب فقراء کو دینا ضروری ہوگا، اسی طرح نامزد کرنے والے شخص کی جان یا مال ضائع ہوجانے کی صورت میں معاوضہ میں ملی ہوئی رقم اس کے وارثوں میں حسبِ سہامِ شرعی تقسیم ہوگی۔(۲)

(۴۲) اگر ورثاء نابالغ ہیں تو کسی کیلئے وصیت نہیں کرنی چاہیے اسی طرح اگر ورثاء بالغ ہیں مگر نادار جب بھی کسی کیلئے وصیت نہیں کرنی چاہیے۔(۳)

(۴۳) پوتا، نواسہ اور دوسرے نادار اقرباء جو کسی وجہ سے ترکہ نہیں پا رہے ہیں تو دوسروں کے مقابلہ میں ان کے لیے وصیت کرنا زیادہ بہتر ہے۔(۴)

(۴۴) اگر کوئی قرض خواہ قرض دار سے کہے کہ میں اپنی موت کے بعد تمہیں اپنے قرض سے بری کرتا ہوں تو اس کا حکم وصیت کا ہوگا۔(۵)

(۴۵) اگر کوئی نابالغ لڑکا یا لڑکی وصیت کردے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اس کا سارا سامان اصولِ شریعت کے مطابق وارثوں میں تقسیم کردیا جائے گا۔(۶)

(۴۶) جو شخص مقروض مرے اور اس کا ترکہ قرض کو کافی نہ ہو یا برابر قرض کے ہو تو اگر بالفرض وہ شخص وصیت کرے تو وصیت اس کی لغو ہوتی ہے، کیونکہ وصیت کا نفاذ بعد ادائے دیون کے ہے جب قرض کے ادا کرنے کے بعد کچھ باقی نہ رہے یا قرض ہی ادا نہ ہو سکے تو وصیت کیونکر جاری ہوسکتی ہے؟(۷)

---

(۱) حوالہ سابق (۲) حوالہ سابق: ۳۰۵ (۳) حوالہ سابق: ۳۰۸
(۴) حوالہ سابق (۵) حوالہ سابق (۶) وصیت ومیراث کے احکام: ۲۲
(۷) امداد المفتیین: ۱/ ۶۹۸ زکریا بکڈپو

(۴۷) موصی جب خود کوئی مسجد یا مدرسہ طئے کردے کہ اس میں میرا مال صرف کرنا ہے تو پھر اسی مسجد یا مدرسہ میں ہی مال صرف کرنا لازم ہے دوسری جگہ تبدیلی صحیح نہیں ہے۔(۱)

(۴۸) بدعت اور ناجائز کاموں میں خرچ کرنے کی وصیت باطل ہے(۲)

(۴۹) جس شخص کو میت نے وصی بنایا ہے اس کو اس قدر مال میں تصرف کا حق ہے جس قدر وصیت میں داخل ہے باقی اموال اس کے وارثوں کی ملک ہیں، ان کو اس میں صرف کرنے کا کوئی حق نہیں۔(۳)

(۵۰) جس قدر مال کی وصیت فی سبیل اللہ کی ہے وارثوں کے ذمہ قرض ہے کہ وہ اس کو بالکل پورا پورا علیحدہ کردیں لیکن اگر مختلف اوقات میں دیتے رہیں اور اسی طرح ایک مدت میں پورا کریں تو گو وہ اس مال وصیت سے انتفاع کرنے میں گناہ گار ہوں گے لیکن وصیت ادا ہوجائے گی بشرطیکہ مال وصیت جس قدر تھا خرچ کردیں۔(۴)

(۵۱) پہلی وصیت دوسری وصیت سے منسوخ ہوجائے گی(۵)

---

(۱) مستفاد از امداد المفتیین: ۲/ ۸۵۹ (۲) حوالہ سابق: ۲/ ۸۶۰

(۳) حوالہ سابق: ۲/ ۸۶۱ (۴) حوالہ سابق: ۲/ ۸۶۲ (۵) حوالہ سابق: ۲/ ۸۶۴

اسلام کا نظامِ میراث

نظامِ میراث

اسلام کے نظام میراث کو نظام نفقات کے بغیر نہیں سمجھا جاسکتا عموماً اسلام نے جس پر جتنی مالی ذمہ داری ڈالی ہے اس کے لئے اسی تناسب سے حصہ میراث طے کیا ہے، حصۂ میراث میں جس قدر جلد بازی، مطالبہ کی سختی اور شریعت کی دہائی دی جاتی ہے ویسے ہی بلکہ اس سے زیادہ اپنے مورث کے اخراجات میں حصہ لینے کی دلچسپی ہونی چاہئے "وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ" کی تفسیر میں حضرت عمرؓ فرماتے ہیں "في كل شيء وفاء وتطفيف" لینے اور دینے کا ہاتھ کم از کم برابر ہو۔

تقسیمِ میراث سے صلہ رحمی، دلجوئی، رشتہ داری باقی رہتی ہے، دولت کا ارتکاز (چند مٹھیوں میں مال کا بند رہنا) نہیں ہوتا ذاتی محبت وعداوت، نفسانیت وجذباتیت سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ خالقِ فطرت کے بتلائے ہوئے قانون کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔

ذیل کا مضمون میراث کا مسئلہ بنانے کے قواعد وضوابط کے اعتبار سے نہیں لکھا گیا بلکہ اسرار وحکم اسلامی قانونِ میراث کی ہمہ گیری، عقل وفطرت کی رعایت، قرابت کے درجات کا لحاظ کرنے کے اعتبار سے گفتگو کی گئی ہے، اسلام کے نظامِ میراث میں گمشدہ کو نہیں چھوڑا گیا، حمل کو لاوارث نہیں بنایا گیا، یتیم یا متبنیٰ وغیرہ کے لئے وصیت کا دروازہ کھلا ہے، پشتہا پشت کے تقسیم میراث کا آسان حل اسلامی شریعت کے پاس موجود ہے ریاضی کے اتنے گہرے ضابطے کہ لاکھوں خاندانوں کے نظام کو سمیٹ لیا گیا، فرقِ مراتب سے صرفِ نظر نہیں، تبھی تو تقسیمِ میراث سے پہلے کفن، قرض اور وصیت کے بعد حصے تقسیم کئے جائیں گے۔

تقابلی مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتنا جامع اور عدل وانصاف پر مبنی قانون ہے۔

ایک جامع مختصر اقتباس

''تیسری چیز یہ ہے کہ ادارہ خاندان کے نتیجے میں جائداد پیدا ہوگی، اس میں سے کوئی جائداد مشترک بھی ہوگی۔ آج اگر مشترک نہیں تو ممکن ہے کہ کل مشترک ہوجائے۔اس کے لئے اسلامی شریعت نے وراثت کے احکام دیئے ہیں۔وراثت کے احکام کا بنیادی کلیہ یہ ہے اور یہ کلیہ شریعت کے احکام کا ایک بنیادی اصول بھی ہے کہ جس چیز کا فائدہ آپ اٹھا رہے ہیں یا اٹھا سکتے ہیں اس چیز کی ذمہ داری بھی آپ کو اٹھانی پڑے گی یا آپ ذمہ داری اٹھانے کے لئے تیار رہئے، اگر آپ کسی شخص کی کمزوری یا ناداری یا بڑھاپے میں اس کے مسائل اور معاملات کے ذمہ دار ہیں اور شریعت یہ ذمہ داری آپ پر عائد کرتی ہے تو اگر اس شخص کا کوئی ترکہ ہو اور وہ چھوڑ کر چلا جائے تو اس میں آپ کا بھی حصہ ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ جب وہ مشکل میں ہو تو ساری ذمہ داری آپ پر ہو اور اگر اس کے پاس کوئی جائداد یا مال و دولت ہو تو اس میں آپ کو کوئی حصہ نہ ملے۔ یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ جہاں ذمہ دار ہوگی وہاں فائدہ بھی ہوگا اور جہاں فائدہ ہوگا وہاں ذمہ داری بھی ہوگی۔روحِ شریعت اور عدل وانصاف کی رو سے یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک چیز کا فائدہ اٹھانے کے لئے تو آپ آگے آگے رہیں اور اس سے خوب متمتع ہوتے رہیں۔ جب اس کا تاوان اور ذمہ داری ادا کرنے کا موقع آئے تو آپ کو آگے کردیا جائے اور جب فائدہ کا موقع آئے تو آپ کو پیچھے کردیا جائے۔ یہ شریعت کے مزاج اور تصور عدل وانصاف کے خلاف ہے۔

قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے کہ {وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ} یہ جملہ جس سیاق وسباق میں آیا ہے وہاں نفقہ کی ذمہ داریاں بیان ہورہی ہیں کہ فلاں کی ذمہ داری یہ ہے اور فلاں کی ذمہ داری یہ ہے، باپ کے ذمہ ہے کہ بچوں کا نفقہ دے۔شوہر کے ذمہ ہے

کہ وہ بیوی کا نفقہ برداشت کرے۔ باپ کے ذمہ ہے کہ اس کے بچے جب تک اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہوں ان کا نفقہ برداشت کرے۔ اگر یہ ذمہ داری باپ کی ہے اور بچے کچھ چھوڑ کر مر جائیں اور باپ زندہ ہے تو بچوں کے ترکہ میں سے باپ کو حصہ ملنا چاہیئے۔ اگر باپ بوڑھا ہے اور بچے جوان ہیں تو بچوں کی ذمہ داری ہے کہ باپ کے اخراجات برداشت کریں اور اگر بوڑھا باپ کچھ چھوڑ کر مرا ہے تو اس میں سے بچوں کو حصہ ملنا چاہیئے۔ یعنی فائدہ اور ذمہ داری ایک ساتھ چلتی ہے اور ان کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا اس غرض کے لئے شریعت نے بعض بنیادی اصول دیئے ہیں جن کی روشنی میں وراثت کے احکام دیئے گئے ہیں۔

وراثت کے باب میں دنیا کے ہر نظامِ قانون نے ناانصافیاں کی ہیں دنیا کے ہر مذہب، ہر ثقافت اور ہر تہذیب نے وراثت کے معاملہ میں ٹھوکریں کھائی ہیں۔ ہماری بہت سی بہنیں مغرب سے آنے والی ہر چیز کو وحی آسمانی سمجھتی ہیں۔ پتہ نہیں ان میں سے کتنوں کے علم میں ہے کہ مغرب میں آج بھی خواتین کا ایک بہت بڑا طبقہ ایسا ہے جس کو روایتی انگریزی قانون کے مطابق وراثت میں سے خواتین کو کچھ بھی نہیں ملتا۔ مورث کے کروڑوں کے ترکہ میں سے ایک پیسہ بھی نہیں ملتا۔ ہمارے ملک میں بہت سی خواتین کو یہ تو خوب یاد رہتا ہے کہ قرآن پاک نے خواتین کا حصہ بعض جگہ آدھا رکھا ہے۔ اس پر وہ آئے دن اعتراض بھی کرتی رہتی ہیں۔ براہِ راست قرآن پاک پر اعتراض کرنے کی توان میں بہت سیوں کو ابھی ہمت نہیں پڑتی لیکن مولویوں کو برا بھلا کہتی رہتی ہیں اور اجتہاد کے نام پر احکامِ وراثت میں ترمیم کا مطالبہ کرتی رہتی ہیں۔ لیکن یہ خواتین مغرب پر اعتراض نہیں کرتیں کہ وہاں عورت کو وراثت سے سرے سے ہی محروم کیوں کر دیا گیا ہے۔ وہاں Primogeniture کا اصول کارفرما ہے۔ پرائمو جینیچر کے معنی یہ ہیں کہ سب سے بڑا بیٹا وارث ہوگا۔ اس سے آگے بات ختم۔ سب سے بڑے بیٹے کے علاوہ ہر شخص محروم ہے

تمام ورثہ سب سے بڑے بیٹے کو ملے گا۔ یہ اصول پہلے پورے انگلستان اور پورے یورپ میں سوفیصد جاری تھا۔ اب پچھلے پچاس ساٹھ سال سے اس کا دائرہ ذرا محدود ہو گیا ہے لیکن اب بھی وہاں کے جتنے لارڈز اور Landedaristocray سے وابستہ جتنے بڑے بڑے لوگ ہیں وہ اسی قانون کے پیرو ہیں۔ ہندوستان میں بھی انگریزوں کے زمانے میں یہ قانون موجود تھا اس پر کسی نے کبھی اعتراض نہیں کیا۔ کبھی کسی کو یہ برا نہیں لگا کیونکہ انگریزوں کے ہاں ایسا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام کی ہر چیز سوچے سمجھے بغیر ہی قابل اعتراض معلوم ہوتی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ وراثت شریعت کے احکام کے مطابق جن جن کے حصے قرآن پاک نے مقرر کئے ہیں ان کو ملیں گے قرآن مجید میں حصے مقرر کرنے میں بنیادی اصول یہ پیشِ نظر رکھا گیا ہے کہ کس کی ذمہ داری کیا ہے۔ جس کی ذمہ داری زیادہ ہے اس کو زیادہ حصہ ملے گا اور جس کی ذمہ داری کم ہے اسے کم حصہ ملے گا۔ بعض جگہوں پر مرد و عورت دونوں کے لئے برابر حصہ مقرر ہے۔ دونوں کو چھٹا حصہ ملے گا یعنی ماں کو بھی چھٹا حصہ ملے گا اور باپ کو بھی چھٹا حصہ ملے گا۔ ایک اور صورت میں بہن بھائیوں کا حصہ برابر ہے۔ دونوں کو ترکہ کا چھٹا چھٹا حصہ ملے گا۔ بعض جگہ عورتوں کو زیادہ حصہ ملے گا اور مردوں کو کم حصہ ملے گا۔ بعض جگہ مردوں کو زیادہ حصہ ملے گا اور عورتوں کو کم حصہ ملے گا۔ آپ سورۂ نساء کے یہ دو رکوع تو کم سے کم ایک مرتبہ کسی اچھی تفسیر کے ساتھ پڑھ لیں تو احکام کی مختلف شکلیں معلوم ہو جائیں گی اور یہ اعتراض کہ عورتوں کا حصہ ہمیشہ آدھا اور بلاوجہ آدھا ہوتا ہے۔ اس کی کمزوری واضح ہو جائے گی۔(۱)

(۱) محاضراتِ فقہ ص ۱۷۴، ۱۷۶ ڈاکٹر محمود احمد غازی، مکتبہ الحق ممبئی

میراث دیگرادیان میں

میراث یہودیوں کی نظر میں

یہودیوں میں مال جمع کرنے کی حرص ابتداء ہی سے رہی ہے، پھر اس بات کی پوری کوشش کہ مال کی گردش خاندان سے باہر نہ ہونے پائے۔

❁ چنانچہ اسی بنیاد پر چلتے ہوئے یہود نرینہ اولاد (لڑکوں) کے ہوتے ہوئے لڑکیوں کو وراثت سے محروم کر دیتے ہیں۔

❁ یہودیوں کے نظامِ میراث میں عورت کا میراث میں کوئی حصہ نہیں خواہ وہ ماں ہو یا بیٹی ہو یا بہن۔

❁ یہودی مذہب میں مرد کو مال سے متعلق کامل آزادی ہوتی ہے کہ جب چاہے جیسے چاہے، جسکو چاہے، ھبہ، وصیت کے ذریعہ مال میں تصرف کرے اور پورے مال کا اجنبی کو مالک بنادے اور وارثین کو وراثت سے محروم کردے، حتی کہ مرض الموت میں اگر وہ پورے مال کی یا بعض مال کی وصیت کرے یا ھبہ کرے تو نافذ ہو جائے گا۔

❁ اسبابِ میراث یہودیوں کے نزدیک صرف چار ہیں (۱) نرینہ اولاد (۲) ابوّت (باپ) (۳) اخوت (بھائی) (۴) عمومۃ (چچا)

❁ زوجیت اسبابِ میراث میں سے نہیں ہے چنانچہ بیوی کو میراث میں کوئی حصہ نہیں ملتا۔

❁ ظلم بالائے ظلم یہ ہے کہ بیوی کی کمائی اور اس کے مال میں شوہر کو حق ہوتا ہے اور بیوی کے مرنے کے بعد پوری جائیداد کا وہ تنہا مالک بن جاتا ہے کوئی شریک نہیں ہوتا۔

مسئلہ: باپ کا انتقال ہو جائے تو لڑکیوں کے لئے باپ کے مال میں نفقہ ہوگا جب

تک کہ اس کا نکاح نہ ہو جائے یا سنِ بلوغ تک نہ پہنچ جائے۔

مسئلہ: باپ کا انتقال ہو جائے اور نرینہ اولاد متعدد ہیں یعنی ایک سے زائد ہو تو غیر شادی شدہ لڑکے کو شادی شدہ لڑکے کا دگنا ملے گا۔

۞ یہودیوں کے نزدیک نکاحِ صحیح سے پیدا ہونے والی اولاد اور نکاحِ غیر صحیح سے پیدا ہونے والی اولاد کے درمیان فرق نہیں ہے سب وراثت میں برابر کے حقدار ہیں۔

میراث رومن لاء میں

رومیوں کی میراث میں بھی بنیادی پہلو یہی ہے کہ جائیداد خاندان سے باہر نہ جائے چنانچہ زوجیت کا میراث میں کوئی تصور نہیں ہے۔ یعنی بیوی کو شوہر کی جائیداد میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔

۞ ماں اور اسکی اولاد میں وراثت نہیں چلے گی، جو حصہ ماں کو باپ کے ترکہ سے ملتا ہے وہ اس کے بھائی بہن کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اولاد کو نہیں ملتا۔

۞ وراثت میں لڑکا اور لڑکی برابر کی حقدار ہوگی جتنا حصہ بیٹے کو ملتا ہے اتنا ہی بیٹی کو بھی ملتا ہے، جتنا حصہ بھائی کو ملتا ہے اتنا حصہ بہن کو بھی ملتا ہے حتی کہ اگر فروع (اولاد) نہ ہو تو دادا اور دادی کو بھی برابر کا حصہ ملتا ہے تنصیف کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ تساوی کا مسئلہ ہے۔

اسباب میراث فقط دو ہیں (۱) قرابت رشتہ داری (۲) ولاء عتاقہ یعنی غلام اور آقا کے درمیان کا تعلق کہ آقا نے غلام کو آزاد کر کے اس پر احسان کیا ہے اس کو ایک نئی زندگی بخشی ہے چنانچہ جب آزاد کئے ہوئے غلام کا انتقال ہو جائے اور اس کا کوئی حقیقی وارث نہ ہو تو یہ آزاد کرنے والا آقا اس کا وارث بن جائے گا۔

میراث قدماء مصر کے نزدیک

مصریوں کا یہ اصول رہا ہے کہ خاندان کا جو سب سے زیادہ سمجھدار ہے جو گھر کے

نظام کو چلانے اور ذمہ داریوں کو نبھانے پر قادر ہے وہی میت کا نائب بن جاتا ہے پھر وہ مال میں جیسے چاہے تصرف کرتا ہے اب یہ سمجھدار خود میت کے لڑکوں سے ہو یا کوئی اور ہو۔

❁ ان مصریوں کے نزدیک زوجیت سبب وراثت سے خارج نہیں ہے چنانچہ شوہر کے انتقال پر بیوی وارث بنے گی۔

❁ تقسیمِ میراث میں مساوات کا قانون ہے چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت سب برابر کے حصہ دار ہیں حتی کہ بیٹا، بیٹی بھائی، بہن، چچا، ماموں، خالہ بیوی وغیرہ سب برابر کے حصہ دار ہوں گے۔

میراث قدماء یونان کی نظر میں

قدماء یونان کے پاس بھی میراث ان کے آزاد معیشت کے موافق تھی پورا خاندان اتفاق کے ساتھ میت کی نیابت کرنے کے لئے ایسے شخص کا انتخاب کیا کرتے تھے جو امورِ خانہ داری کو سنبھالنے اور دشمنوں کا دفاع کرنے اور حقوق کی ادائیگی میں میت کا خلیفہ بن سکے پھر اس شخص کو پوری آزادی حاصل ہوجاتی ہے کہ وہ مال کا جیسے چاہے تصرف کرے۔

❁ قدماء یونان میں عورتوں کا میراث میں کوئی حصہ نہیں تھا، اوران کا یہ قاعدہ جاری تھا کہ جو جنگ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور خاندان کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے لائق ہو وہی وراثت کا حقدار ہوگا اور یہ چیز عورتوں کے اندر نہیں ہوا کرتی ہے چنانچہ عورتوں کو وراثت سے محروم کردیا جاتا تھا۔

❁ وراثت کا طریقہ ان کے یہاں یہ تھا کہ میت نے اگر وصیت کی ہو تو اس کی وصیت کے مطابق مال کو صرف کیا جائے، اور اگر وصیت نہ کی ہو تو پورے مال کو بیٹوں کے درمیان برابر برابر تقسیم کردیا جاتا تھا۔

اور اگر کوئی نرینہ اولاد نہ ہو تو بھائی وارث بن جائیں گے اگر وہ بھی نہ ہوں تو بھائیوں کی اولاد پھر چچا اور ان کی اولاد اور اگر چچا اور ان کی اولاد بھی نہ ہو تو وہ پورے خاندان میں تلاش کرتے ہیں ایسے مرد کو جو سمجھدار ہو، گھر کو سنبھال سکتا ہو لیکن عورت کو میراث نہیں دیتے۔

میراث فرنسی قانون میں

فرنسی قانون میں استحقاق وراثت کے چار درجات ہیں:

(۱) ورثہ شرعی: یعنی نکاحِ صحیح سے پیدا ہونے والی اولاد اور تربیتی رشتہ دار

(۲) نکاحِ فاسد سے پیدا ہونے والی اولاد

(۳) زوجیت (یعنی میاں بیوی)

(۴) بیت المال

اور یہ درجات بالترتیب ہیں جب تک پہلا درجہ موجود ہو دوسرا درجہ وراثت کا مستحق نہ ہوگا اسی طرح جب تک دوسرا موجود ہو تیسرا حقدار نہ ہوگا۔

۞ پھر فرنسی قانون میں شرعی ورثہ تین قسم کے ہیں (۱) فروع (اولاد) (۲) اصول (ماں، باپ) (۳) حواشی (بھائی، بہن)

۞ وراثت میں تذکیر و تانیث کا فرق ملحوظ نہیں ہے تساوی کا اعتبار ملحوظ ہے یعنی لڑکی کو لڑکے کے برابر حصہ ملے گا۔

۞ باپ کے مرنے سے پہلے اگر بیٹے کا انتقال ہو جائے (جبکہ اس کی اولاد بھی ہو) تو دادا کے انتقال پر پوتوں کو بھی باپ کا حصہ ملے گا۔

۞ فروع (اولاد) کی موجودگی میں اصول (ماں باپ) کو وراثت میں حصہ نہیں ملے گا۔

میراث اشترا کی مذہب میں

اشترا کیہ یعنی شیوعیہ سرے سے حقِ وراثت کا انکار کرتے ہیں اور دیگر تمام مذاہب قدیمہ وجدیدہ کی مخالفت کرتے ہیں کہ نہ مرد کو میراث ملتی ہے نہ عورت کو میراث ملتی ہے۔ بلکہ بیت المال میں جمع کر دیا جاتا ہے۔

میراث امم سابقہ میں

مشرقی مما لک میں رہنے والی قومیں (یعنی طورانیین، سریانیین، کلدانیین، سوریننین اور یونانیین) میت کے بڑے بیٹے کو پوری جائیداد کا حقدار بنا دیتے ہیں اگر وہ نہ ہوتو لڑکوں میں جو سمجھدار ہو اس کو نائب بنا دیا جاتا ہے اگر کوئی نرینہ اولاد نہ ہوتو پھر بھائی پھر چچا حتی کہ سسرال کے اندر بھی سمجھدار فرد کا انتخاب کر کے اسی کو وارث بنا دیا جاتا تھا۔

۞ عورتیں، بچے اور کمزوروں کو میراث سے محروم کر دیا جاتا تھا۔

میراث عرب جاہلیت میں

عرب جاہلیت میں وراثت کا کوئی مستقل قانون اور نظام نہیں تھا بلکہ وہ مشرقی قوموں کے نہج پر چلا کرتے تھے۔

۞ عرب جاہلیت میں میراث مردوں کے ساتھ خاص تھی جو تلوار چلانا جانتے ہوں، عورتیں، بوڑھے، بچے سب وراثت سے محروم ہو جایا کرتے تھے۔

۞ ظلم بالائے ظلم یہ کہ عورتوں کو بھی اشیاء میراث میں شامل کر کے وراثت کا حصہ بنالیا جاتا تھا پھر اسکو اپنے قبضہ میں لے لیا جاتا تھا۔

۞ اگر کوئی اس بیوہ عورت سے نکاح کرنا چاہے تو بغیر مہر کے نکاح کرتا۔

۞ متبنیٰ کو وصیت کے ذریعے یا پوری جائیداد زندگی ہی میں دیکر اقرباء کو دیکر محروم کر دیا جاتا تھا۔

۞ اسبابِ میراث جاہلیت میں تین چیزوں میں منحصر تھی۔ (۱) قرابت رشتہ

داری: اس شرط کے ساتھ کہ وہ مرد ہو بالغ ہو جنگ جو طاقتور ہو۔

(۲) متبنیٰ: منہ بولا بیٹا اور اس کو حقیقی بیٹے کی طرح وراثت کا حصہ دیا جاتا تھا۔

(۳) محالفہ: یعنی کسی شخص کا دوسرے شخص سے یہ معاہدہ کرنا کہ اگر مجھ سے کوئی موجب جنایت بات صادر ہو جائے تو اس کا تاوان تجھ کو بھرنا پڑے گا اور اگر میں مر گیا تو میری جائیداد تجھے وراثت میں مل جائے گی۔ اور اس کے لئے ان کا ایک خاص صیغہ ہوا کرتا تھا ''دَمِیْ دَمُکَ وَهَدَمِیْ هَدَمُکَ وَتَرِثُنِیْ وَأَرِثُکَ وتُطْلَبُ بِیْ وَأُطْلَبُ بِکَ'' (۱)

میراث ہندوازم میں

مولانا عبدالحمید نعمانی دامت برکاتہم (نگران محاضراتِ ہندوازم، دارالعلوم دیوبند) فرماتے ہیں: کہ ہندوازم کی بنیادی کتاب منوسمرتی وغیرہ کے مطابق ہندومت میں وہی میراث کا حق دار ہے جو جنگ میں حصہ لے سکتا ہو یا جو ذمہ دار کا درجہ رکھتا ہوگا وہی سارا مال رکھ لے گا ماتحتوں کا ذمہ دار بھی، بہنوں کا مالی حق صرف کنیادان یعنی نکاح ہونے تک مستقل کوئی حق نہیں، البتہ ہندوستان کا قانون بھائی بہن کو برابر قرار دیتا ہے۔

میراث کی اہمیت وفضیلت

میراث اس ترکہ اور جائیداد کو کہتے ہیں جو میت کی ملکیت سے اس کے زندہ ورثاء کی طرف منتقل کیا جاتا ہے ''هو انتقال مال الغير الى الغير على سبيل الخلافة'' (۲)

---

(۱) مستفاد از احکام المیراث فی الشریعۃ الاسلامیۃ دکتور محمد براج واحکام میراث المرأۃ فی الفقہ الاسلامی جامعۃ نجاح الوطنیۃ

مزید تفصیلات کے لئے یہ کتابیں بھی دیکھی جاسکتی ہیں: المیراث فی الشریعۃ الاسلامیۃ والشرائع السماویۃ والوضعیۃ للصعیدی

تاریخ المذاہب الاشتراکیۃ لمصطفیٰ حسین المنصوری: ۱۳۳۳ھ، موسوعۃ عباس محمود العقاد الاسلامیہ دار الکتاب العربی بیروت، لبنان وغیرہ

(۲) احکام المیراث: ۲۳ بحوالہ ہندیہ: ۶/ ۴۴۷

دراصل یہ بغیر محنت کے ملنے والا خدا کا انعام ہے جو میت کی رضا واختیار کے بغیر شریعت کی جانب سے میت کے قریبی رشتہ دار کو عطا کیا جاتا ہے جس کی تحدید وتعیین بھی خود شریعت نے طے کی ہے۔

۞ میت کے ترکہ میں شریعت نے جن قرابت داروں کے حقوق کو متعلق کیا ہے انہیں ''وارث'' کہا جاتا ہے۔

نوٹ: جو مال میت کو ایسے ذریعے سے ملا ہو کہ شریعت نے اس پر ملک ہونے کا حکم نہیں لگایا یا غیر کا حق اس کے ساتھ متعلق ہے وہ ترکہ میں داخل نہ ہوگا لہٰذا مندرجہ ذیل اموال ترکہ میں داخل نہیں ہوں گے اور ان میں میراث جاری نہ ہوگی۔ (۱) جو چیز میت نے کسی سے عاریت (مانگی ہوئی) لی تھی (۲) جو چیزیں میت کے پاس امانت تھیں (۳) اگر میت نے کسی کا مال غصب کرلیا (اور ضمان نہیں دیا) یا چوری کرلیا یا خیانت کر کے رکھ لیا تو اس مال کا میت مالک نہ ہوگا بلکہ دوسرے لوگ جن کا یہ مال ہے وہی اس کے مالک ہوں گے۔

اس علمِ میراث کے سیکھنے سکھانے سمجھنے سمجھانے کی بڑی فضیلت وترغیب آئی ہے۔ اور بعض روایات میں اس کو آدھا علم کہا گیا ہے کیونکہ اس میں ہر انسان مبتلا ہوتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ ﷺ: يَاأَبَا هُرَيْرَةَ تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوهَا، فَإِنَّهُ نِصْفُ الْعِلْمِ وَهُوَ يُنْسَى، وَهُوَ أَوَّلُ شَيْءٍ يُنْزَعُ مِنْ أُمَّتِي (۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوہریرہ! علم فرائض (میراث کا علم) سیکھو اور سکھاؤ اس لئے کہ وہ علم کا آدھا حصہ ہے، وہ بھلا دیا جائے گا اور سب سے پہلے یہی علم میری امت سے اٹھایا جائے گا۔

اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت کے دیگر احکام نماز، روزہ وغیرہ اجمالاً نازل فرمائے ہیں اور ان کی تفصیل نبی اکرم ﷺ کے حوالے

---

(۱) سنن ابن ماجه، باب الحث علی تعلیم الفرائض، حدیث: ۲۷۱۹ امام حاتم نے اس روایت کی تضعیف نہیں کی بلکہ اس پر سکوت اختیار کیا ہے، اس کی سند میں حفص بن عمر بن العطاف المدنی کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے (بدر المنیر ۷ر۱۸۷ دار الھجرۃ للنشر، ریاض)

کردی ہے لیکن وراثت کے تمام احکام تفصیل کے ساتھ خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے ۳؍ آیتوں میں بیان فرمایا ہے۔(۱)

بہت سے لوگ جو مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں مالیات کے بارے میں بڑے بڑے گناہوں میں مبتلا ہیں مال کے کمانے میں حلال وحرام کا خیال نہیں رکھتے، اور وصیت کے بارے میں بھی اجازت شرعی سے آگے بڑھ کر گناہ کا ارتکاب کرجاتے ہیں، مرنے والا مرجاتا ہے اوراس کا مال شرعی اصول کے مطابق ورثاء میں تقسیم نہیں کیا جاتا، یتیموں اور بیواؤں کے حصے دوسرے ہی لوگ کھاجاتے ہیں، اور مرنے والے کی بیویوں اور بیٹیوں کو میراث کے شرعی حصے نہیں دیئے جاتے، ہاں بدعت کے کاموں میں میراث کے مشترک مال سے خرچ کرتے رہتے ہیں اجرت پر قرآن مجید پڑھوایا جارہا ہے جو حرام ہے، تیجے چالیسویں ہورہے ہیں جو بدعت ہیں۔

میراث کی تقسیم یہ حقوق العباد میں سے ہے، اور حقوق العباد کا بوجھ اپنے سر لے کر دنیا سے جانا سخت وبال کی بات ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے تھے اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی ستر نافرمانیاں لے کر قیامت کے میدان میں پہونچے تو یہ اس سے ہلکا جرم ہے کہ کسی بندے کا ایک حق اپنے ذمہ لے کر میدانِ قیامت میں حاضر ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اس سے معافی کی امید رکھی جائے، لیکن بندے چونکہ محتاج ہیں اس لئے ان کے حقوق کی ادائیگی کا دھیان رکھنا اور حقوق العباد سے پاک ہوکر جانا بہت زیادہ اہم اور سخت ضروری ہے۔ بندوں سے وہاں معاف کرنے کی امید رکھنا بے وقوفی ہے، بندے وہاں محتاج ہوں گے کسمپرسی کا عالم ہوگا، ذرا ذرا سا سہارا تلاش کرتے ہوں گے اور ہر صاحبِ حق اپنا پورا، پورا حق وصول کرنا چاہے گا۔

ترکہ پانے کی تین شرطیں ہیں

(۱) مورث کی موت:۔ حقیقی یا حکمی ــ کا یقین یا ظن غالب ہونا

---

(۱) سورۂ نساء آیت نمبر ۱۱، ۱۲، ۱۷۶

(۲) مورث کی موت کے وقت وارثوں کی زندگی- حقیقی یا تقدیری- کا یقین یا ظنِ غالب ہونا۔
(۳) ارث کی جہت کا علم یعنی اس بات کا علم کہ کون کس بنیاد پر وارث ہورہا ہے۔(۱)

میراث میں کمی زیادتی حرام

جب تک میراث (حصص شرعیہ) کی آیت نازل نہیں ہوئی تھی، والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنا واجب تھا(۲)(اور اس میں کمی بیشی کا اختیار دیا گیا تھا) لیکن جب میراث کی آیت نازل ہوچکی اور قرآن نے خود حصے مقرر کردیئے (۳) تو اب وصیت کا حکم منسوخ ہوچکا اور اس میں کمی بیشی کا اختیار باقی نہ رہا، بلکہ حصصِ شرعیہ میں پس وپیش ہونے والے اور کمی زیادتی کرکے تعدی کرنے والوں کے لئے سخت وعید فرمائی گئی ہے، ہمیشہ ہمیش کی جہنم اور اس میں دردناک عذاب کا وعدہ فرمایا گیا ہے، **وَمَنۡ يَعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوۡدَهٗ يُدۡخِلۡهُ نَارًا خَالِدًا فِيۡهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ** (۴)

آقا ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی کسی کی میراث کو کاٹ دے گا قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ جنت سے اس کی میراث (حصہ) کو کاٹ دیں گے وہ اس کی خوشبو بھی نہ سونگھے گا۔

مَنْ فَرَّ مِنْ مِيْرَاثِ وَارِثِه قَطَعَ اللّٰهُ مِيْرَاثَه مِنَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (۵)

ایک دوسری حدیث میں آقا ﷺ کا ارشاد ہے کہ مرد اور عورت ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں پھر ان کی موت کا وقت آتا ہے اور وہ وصیت کرنے میں

---

(۱) مجموعہ قوانینِ اسلامی: ۳۳۵ (۲) بقرہ: ۱۸۰ (۳) نساء: ۱۱/۱۲
(۴) نساء: ۱۴ (۵) سنن ابن ماجه، باب الحيف في الوصية، حدیث: ۲۷۰۳، علامہ بوصیری کہتے ہیں: زید عمّی اور ان سے عبدالرحیم کی وجہ سے یہ سند ضعیف ہے (مصباح الزجاجة باب الحيف في الصدقة حديث: ۹۶۲ دار العربيه بيروت)

ورثاء کونقصان پہنچاتے ہیں جس کی وجہ سے ان دونوں کے لئے جہنم واجب ہوجاتی ہے۔

إِنَّ الرَّجُلَ أَوِ الْمَرْأَةَ لَيَعْمَلُ بِطَاعَةِ اللهِ سِتِّيْنَ سَنَةً ثُمَّ يَحْضُرُهُمَا الْمَوْتُ فَيُضَارَّانِ فِيْ الْوَصِيَّةِ فَيَجِبُ لَهُمَا النَّارُ (۱)

آیات میراث کے اسرار ورموز

میراث میں جو حصے مقرر کئے گئے ان کی مقدار کی مکمل حکمت ومصلحت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے ہماری عقل وشعور کو اس کی گہرائی تک رسائی حاصل نہیں ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حصے بیان کرنے کے بعد واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ: آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعاً فَرِيضَةً مِّنَ اللهِ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلِيماً حَكِيماً (۲) لیکن تفاسیر اور اکابر کی دیگر کتابوں سے جو نکات ظاہر ہوئے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۞ يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ الخ سے بعض فقہاء نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ماں باپ سے زیادہ ان کی اولاد پر شفقت اور مہربانی کا معاملہ کرتا ہے، اسی لئے تو وراثت کے معاملہ میں سب سے پہلے ماں باپ کو وصیت کی تاکید کی کہ اولاد کا حصہ تمہارے مال میں ہوتا ہے "بدأالله تعالىٰ بالاولاد لانهم احق بالعطف والعون لضعفهم الخ"

۞ **اولاد کی موجودگی میں ماں باپ دونوں کو بھی برابر کا حصہ ملتا ہے یعنی چھٹا اس کی حکمت یہ بیان کی گئی کہ دونوں کا احترام برابر ہے** "والسبب فی تساوی الوالدين فی الميراث مع وجود الأولاد: هو توقير احترامهما على السواء"

۞ اولاد کے مقابلہ میں ماں باپ کا حصہ کم رکھنے کی حکمت یہ ظاہر ہوتی ہے کہ اب مستقبل میں اولاد کی ذمہ داریاں اور اخراجات زیادہ ہوتی ہیں۔

لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعاً انسان کے لئے نفع کے اعتبار سے اولاد

---

(۱) ترمذی، باب ماجاء فی الضرار فی الوصية، حدیث: ۲۱۱۷، امام ترمذیؒ نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔ (۲) سورۃ نساء آیت: ۱۱

زیادہ بہتر ہے یا ماں باپ؟ تو اس کا جواب اللہ نے اولاد کو میراث دلوا کر دنیا و آخرت میں نفع کے اعتبار سے اولاد زیادہ بہتر اور قریب ہے کیونکہ دنیا میں اولاد ماں باپ کے لئے دعا کرتی ہے ان کے نام صدقہ کرتی ہے اولاد صدقہ جاریہ بن جاتی ہے پھر آخرت میں کبھی بیٹا افضل ہو تو ماں باپ کی سفارش بھی کرتا ہے۔قیل فی الدنیا بالدعاء والصدقة

۞ لڑکے کو لڑکی سے دوگنا ملنے کی وجہ — وہ ہے جو سورۂ نساء آیت ۳۴ میں آئی ہے کہ مرد عورتوں کے ذمہ دار ہیں، اسلئے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر بڑائی دی ہے، اور اس واسطے کہ انہوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں، اس بڑائی کا میراث میں اثر ظاہر ہوا۔

۞ ایک بیٹی کو نصف ملنے کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک بیٹا ہوتا ہے تو وہ سارا مال سمیٹ لیتا ہے، پس تضعیف وتنصیف کے قاعدے کی رو سے ایک بیٹی کو اس کا آدھا ملے گا۔

۞ لڑکیاں دو ہوں تو ان کو دو تہائی ملنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر ان میں ایک لڑکی کی جگہ لڑکا ہوتا، تو لڑکی کا حصہ - باوجودیکہ وہ بھائی سے کم ہے - ایک تہائی سے نہ گھٹتا پس جب دوسری بھی لڑکی ہے، تب تو تہائی سے گھٹ ہی نہیں سکتا - اور دونوں لڑکیاں یکساں حالت میں ہیں، پس اسکا بھی ایک تہائی ہوگا اور دونوں کامل کر دو تہائی ہوگا۔

۞ مرد کا حصہ عورت سے دوگنا ہوتا ہے لیکن والدین میں سے ہر ایک کو سدس دیا جاتا ہے اس اعتبار سے دونوں (ماں، باپ) کا حصہ برابر ہو گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ کی برتری ایک مرتبہ ظاہر ہو چکی ہے اور وہ اس طرح کہ باپ کو ذوی الفرض ہونے کے ساتھ عصبہ بھی بنایا ہے۔ اس لئے کہ وہ اولاد کی قائم مقامی اور حمایت بھی کرتا ہے، پس اس فضیلت کا دوبارہ اعتبار کرنا اور اس کے حصہ کو دوگنا کرنا درست نہیں۔

۞ زوجین کی میراث میں تفاضل یعنی شوہر کو زیادہ اور بیوی کو کم ملنے کی وجہ یہ ہے کہ مرد عورتوں کے ذمہ دار ہیں، اور شوہر کو عورت پر برتری حاصل ہے، اس لئے شوہر کو

عورت سے دوگنا دیا جاتا ہے۔

۞ زوجین کی میراث میں اولاد کا خیال کہ اولاد کی موجودگی میں زوجین کا حصہ کم مقرر کیا گیا ہے اور اولاد کی عدم موجودگی میں زیادہ مقرر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اولاد کے ہوتے ہوئے بھی زوجین کو زیادہ دیا جائے تو اولاد کا حصہ برائے نام بچے گا، جبکہ پہلے معلوم ہو چکا کہ زوجین کے مقابلہ میں اولاد کو حصہ زیادہ مقرر کیا گیا ہے۔(۱)

زوجین قرابت داروں کے ساتھ

یہ بات گذر چکی ہے کہ شریعت میں وراثت کا اعتبار قرابت داری پر ہے کیونکہ وراثت میں مصاحبت ومناصرت اور طبعی یگانگت ومحبت کا اعتبار ہوتا ہے، عارضی اتفاقات مثلاً مواخات وغمخواری کا اعتبار نہیں ہوتا، اس کو قرابت کہتے ہیں۔

پھر یہ قرابت دو قسم کی ہے:

ایک: وہ قرابت ہے جو حسب ونسب میں مشارکت چاہتی ہے، اور یہ بات چاہتی ہے کہ دونوں ایک قوم اور ایک مرتبہ کے ہوں یعنی باہم پدری رشتہ ہو۔

دوسری: وہ قرابت ہے جو حسب ونسب اور مرتبہ میں مشارکت نہیں، البتہ مہر ومحبت پائی جاتی ہے، اور قلبی تعلق کی قوت پائی جاتی ہے۔اور یہ محبت وقلبی تعلق زوجین کے اندر بھی پایا جاتا ہے۔ذیل میں میاں بیوی کو رشتہ داروں کے ساتھ لاحق کرنے کی وجوہات پیش کی جارہی ہیں:

پہلی وجہ: زوجین کو ایک دوسرے کی میراث اس لئے دی جاتی ہے کہ نظامِ خانہ داری میں معاونت مزید پختہ ہو جائے ہر ایک میں یہ جذبہ پیدا ہو کہ دوسرے کے نفع ونقصان کو اپنا ہی نفع ونقصان سمجھے، کیونکہ کسی کا بھی نفع یا نقصان ہوگا تو مآلاً میراث میں دوسرے کا نفع یا نقصان ہوگا۔

---

(۱) مستفاد: رحمۃ اللہ الواسعۃ ۴/ ۴۴۵، ۴۵۴

دوسری وجہ: شوہر خرچ کرنے کے لئے بیوی کو رقم دیتا ہے (جس میں سے کچھ بچ بھی جاتا ہے) اور شوہر اسکے پاس اپنا مال بھی امانت رکھتا ہے اور اپنی ہر چیز میں اس کو امین سمجھتا ہے، پس بیوی کی وفات کے بعد شوہر کے دل میں یہ خیال ضرور پیدا ہوگا کہ بیوی نے جو کچھ چھوڑا ہے وہ کل کا کل یا اس کا کچھ حصہ درحقیقت اس کا مال ہے اور یہ ایک ایسا خیال ہے جو شوہر کے دل سے نہیں نکلے گا، پس شریعت نے اس مرض کا علاج یہ تجویز کیا کہ عورت کے ترکہ میں شوہر کا نصف یا چوتھائی حق رکھ دیا، تا کہ اس کے دل کو تسلی ہو، اور اسکے جھگڑے کی تیزی ٹوٹے۔

تیسری وجہ: بار ہا شوہر سے بیوی اولاد جنتی ہے، جو شوہر کی قوم اور قبیلہ سے ہوتی ہے، وہ حسب ونسب اور درجہ میں اسکے برابر ہوتی ہے اور ماں سے انسان کا تعلق اٹوٹ ہے، پس اس طرح بیوی ان لوگوں میں شامل ہو جاتی ہے جو شوہر کی قوم سے جدا نہیں ہوتے، اور بیوی بمنزلۂ رشتہ داروں کے ہو جاتی ہے۔

چوتھی وجہ: شوہر کی وفات کے بعد عورت پر واجب ہے کہ شوہر کے گھر میں عدت گذارے، شوہر کے گھر میں عدت گذارنے میں بہت سی مصلحتیں ہیں اور شوہر کے خاندان کا کوئی شخص عورت کی معیشت کا متکفل نہیں ہوتا اس لئے ضروری ہے کہ شوہر کے مال سے اس کی کفالت کی جائے اور بطورِ کفالت شوہر کے مال کا کوئی معین حصہ مقرر نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ معلوم نہیں شوہر کیا چھوڑے گا؟ اس لئے جزِ مشترک چوتھائی یا آٹھواں حصہ مقرر کیا گیا۔(۱)

میراث کی بنیادیں

میراث کی تین بنیادیں ہیں:

اول: شرف ومنصب اور اس قسم کی دوسری باتوں میں میت کی قائم مقامی کرنا، لوگ

(۱) رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۶۳۰/۴، ۶۳۲

پوری کوشش کرتے ہیں کہ ان کا کوئی جانشین ہو جوان کی قائم مقامی کرے۔

دوم: خدمت ونصرت: مہر ومحبت اور اس قسم کی دوسری باتیں، یہ جذبہ کامل طور پر قریبی رشتہ دار خواتین میں پائے جاتے ہیں، اور وہ اسی بنیاد پر وارث ہوتی ہیں جیسے ماں، بیٹی وغیرہ۔

سوم: وہ رشتہ داری جس میں جانشینی کی بھی صلاحیت ہو، اور خدمت ونصرت اور مہر ومحبت کے جذبات بھی پائے جاتے ہوں، یہ تیسری بنیاد سب سے زیادہ قابلِ لحاظ ہے (دراصل یہ تیسری بنیاد پہلی دو بنیادوں کی جامع صورت ہے) جیسے باپ دادا، بیٹا، پوتا وغیرہ)(۱)

عورت میں جانشینی نہیں

عورتوں میں میراث کی پہلی بنیاد یعنی حمایت وجانشینی بالکل نہیں پائی جاتی، کیونکہ عورتیں کبھی دوسری قوم میں نکاح کرلیتی ہیں، اور ان میں شامل ہوجاتی ہیں، البتہ بیٹی اور بہن میں کمزور سی حمایت وجانشینی کی صلاحیت ہے۔

البتہ میراث کی دوسری بنیاد یعنی مہربانی اور میلان ان میں خوب پایا جاتا ہے، اور یہ جذبہ سب سے زیادہ قریب ترین رشتہ دار عورتوں میں یعنی ماں اور بیٹی میں پایا جاتا ہے۔ پھر بہن میں۔ اور جو عورتیں دور کی رشتہ دار ہیں ان میں یہ بات نہیں پائی جاتی، جیسے میت کی پھوپی اور اس کے باپ کی پھوپی، اس لئے ان کو میراث نہیں ملتی۔(۲)

باپ اور بیٹے میں مقدم کون؟

میت کا جب باپ اور بیٹا دونوں موجود ہوں تو بیٹا عصبہ بنتا ہے اور وہ زیادہ وراثت کا حقدار ہوگا، باپ نہیں، کیونکہ باپ اور بیٹے میں فرق ہے، بیٹے کا باپ کی جگہ لینا فطری

(۱) حوالہ سابق (۲) رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۴؍۶۳۴

حالت ہے، عالم کی بنا اسی پر قائم ہے یعنی ایک قرن ختم ہوتا ہے اور دوسرا قرن اس کی جگہ لیتا ہے اور لوگ چاہتے بھی یہی ہیں کہ ان کے بیٹے ان کی جگہ لیں، وہ اسی کے امیدوار رہتے ہیں اور اسی مقصد کے لئے بیٹوں اور پوتوں کو حاصل کرنے کے جتن کرتے ہیں، اور باپ کا اپنے بیٹے کی جگہ لینا غیر فطری حالت ہے، نہ لوگ یہ چیز ڈھونڈتے ہیں نہ اس کے امیدوار رہتے ہیں اور اگر آدمی کو اس کے مال میں تصرف کرنے کا اختیار دیدیا جائے تو یقیناً اولاد کی غمخواری کا جذبہ باپ کی غمخواری کے جذبہ سے زیادہ اس کے دل پر قابو یافتہ ہوگا اسی وجہ سے دنیا جہاں کے لوگوں میں عمومی رواج یہ ہے کہ وہ اولاد کو آباء پر مقدم رکھتے ہیں (۱)

سلفِ صالحین کے واقعات

اس بارے میں ایک صحابی کا قصہ ملاحظہ فرمائیں جو احادیث میں موجود ہے:

❁ دو صحابی تھے، ایک حضرت عوف بن مالکؓ (۲) اور ایک حضرت صعب بن جثامہؓ یہ دونوں صحابی آپس میں گہرے دوست تھے، ایک مرتبہ حضرت صعبؓ اپنے دوست عوف بن مالکؓ سے فرمانے لگے: تم مجھ سے ایک معاہدہ کرو، انہوں نے پوچھا کیا معاہدہ؟ انہوں نے فرمایا یہ معاہدہ کرو کہ ہم میں سے جس شخص کا پہلے انتقال ہوجائے وہ

---

(۱) رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۴/ ۶۳۳

(۲) یہ فتح مکہ اور غزوۂ موتہ میں شریک تھے اور واقدی نے کہا ہے کہ فتح مکہ کے دن اشجع کا جھنڈا انہی کے ساتھ تھا۔ ان کا پورا نام یہ ہے ''عوف بن مالک بن ابی عوف اشجعی''، جنکی کنیت ابوعبدالرحمن ہے اور ابوحماد اور ابوحماد اور ابوعمر ان کا لقب ہے، شام کے رہنے والے ہیں، بہت سے صحابہ وتابعین نے ان سے روایت کیا ہے جیسے ابوایوب انصاریؓ، ابوہریرہؓ، مقدام بن معدیکربؓ، ابومسلم، ابوادریس خولانی وغیرہ۔ اللہ کے نبی ﷺ عوف بن مالک اور سعد بن جثامہ کے درمیان مواخات کرائی تھی "آخی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین عوف بن مالك والصعب ابن جثامه الخ (الاصابة في تمییزالصحابة لابن حجر: ۱۴۰/۵)

خواب میں دوسرے سے ضرور ملاقات کرے "فقال کل واحد منهما للآخر ان مت قبلي فتراءی لي" حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے پوچھا، کیا ایسا ممکن بھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں ممکن ہے۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر ممکن ہے تو پھر ٹھیک ہے چنانچہ معاہدہ ہو گیا۔

خدا کی شان پہلے حضرت صعب رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا "فمات الصعب قبل عوف" جو خود معاہدہ کرنے والے تھے، انتقال کے بعد پہلی ہی رات خواب میں حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس ملاقات کے لئے تشریف لے آئے "فتراءی له: أي رآه في الرؤية" حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ بتاؤ کیسی گزری؟ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوئی؟ حضرت صعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: بڑی مشکل اور بڑی دشواری کے بعد نجات ہوئی ہے۔ بات کرتے کرتے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کی گردن پر جلنے کا سیاہ داغ لگا ہوا ہے، انہوں نے حضرت صعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ جلے ہوئے کا داغ کیسا ہے؟ حضرت صعب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ دراصل میں نے ایک ضرورت کے لئے ایک یہودی سے دس دینار قرض لئے تھے اور وہ قرض میں ابھی ادا نہیں کر سکا تھا کہ میرا انتقال ہو گیا ان دس دیناروں کے ادا نہ کرنے کی وجہ سے وہ دینار مجھے داغے گئے۔ وہ دس دینار اب بھی میرے گھر جا کر گھر والوں سے ترکش لینا اور اس میں سے دس دینار نکال کر فلاں شخص کو ادا کر دینا، تا کہ میری تکلیف ختم ہو۔(۱)

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ وہ ایک ایسے مریض کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جو جان کنی میں مبتلا تھا ان کے بیٹھے ہی بیٹھے مریض کی روح نکل گئی انہوں نے فوراً چراغ بجھا دیا، اور اپنے پاس سے پیسے دیئے اور فرمایا کہ ان پیسوں کا تیل لے آؤ یہ شخص جب تک زندہ تھا اس کی ضرورت سے چراغ جل رہا تھا اور جب اس کی موت ہو گئی تو یہ چراغ اور اس کا تیل بھی وارثوں کا مال ہو گیا اور وارثوں میں یتیم بھی ہیں اور بیوہ بھی ہے اور وہ ورثاء بھی

---

(۱) الاصابة في تمييز الصحابة لابن حجر: ۱۴۰/۵

ہیں جو غیر حاضر ہیں، لہٰذا ہمیں اس چراغ سے فائدہ اٹھانے کا حق نہیں رہا لوگ تو اسے تقویٰ پر محمول کریں گے لیکن یہ حقیقت میں فتویٰ کی بات ہے شریعت میں دوسروں کا مال استعمال کرنے کی اجازت کہاں ہے؟ (۱)

ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ مفتی شفیع صاحبؒ کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادوں سے ملنے گئے ان کے سامنے ایک حلوہ پیش کیا گیا تو انہوں نے پوچھا کہ کیا جائیداد تقسیم کرلی؟ جواب دیا کہ نہیں! تو پھر کیسے تم سب کی اجازت کے بغیر حلوہ پیش کر رہے ہو؟ کوئی بڑا بھائی بھی خود سے مال تصرف نہیں کرسکتا۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھرویؒ فرماتے ہیں کہ میرے دادا کا یہ معمول تھا کہ جب برادری میں کسی شخص کا انتقال ہوجاتا تو آپ اس کو دفنانے کے بعد قبرستان سے سیدھے میت کے گھر تشریف لے جاتے اور دروازے کے باہر بیٹھ جاتے، غربت کا زمانہ تھا، لوگوں کے پاس بہت زیادہ دولت نہیں ہوتی تھی، گھر والوں سے کہتے کہ مرنے والے نے جو کچھ مال چھوڑا ہے وہ باہر لے آؤ، میں اس کو وارثین میں تقسیم کردوں، چنانچہ گھر والے اس کا جو کچھ مال ہوتا وہ باہر بھیجتے، اور حضرت دادا جان مرحوم اسی وقت وہیں بیٹھے بیٹھے میراث تقسیم فرما کر اپنے گھر تشریف لے جاتے اور اصل طریقہ بھی یہی ہے کہ تجہیز و تکفین اور تدفین کے بعد پہلا کام یہ ہو کہ جتنی جلدی ہوسکے مرنے والے کی میراث تقسیم کردی جائے اس میں تاخیر نہ کی جائے۔ (۲)

ایک مرتبہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کسی بیمار کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اس کی عیادت کی اور ابھی آپ وہیں بیٹھے تھے کہ آپ کی موجودگی میں اس مریض پر نزع کی کیفیت طاری ہوگئی، یہ حالت دیکھ کر آپ نے واپس جانے کا ارادہ ملتوی کردیا اور یہ سوچا کہ اب یہ شخص تھوڑی دیر کا مہمان ہے اسلئے اب اس کے پاس ہی بیٹھے رہنا چاہئے

---

(۱) وصیت اور میراث کے احکام: ۷۳

(۲) تقسیم وراثت کی اہمیت: ۱۸۶، مولانا عبدالرؤف سکھرویؒ

اس مریض کے قریب ایک چراغ جل رہا تھا تھوڑی دیر کے بعد اس مریض کا انتقال ہو گیا اور جیسے ہی اس کا انتقال ہوا حضرت امام صاحبؒ نے وہ چراغ بجھا دیا حالانکہ اس وقت تو روشنی کی ضرورت تھی آپ نے جواب میں فرمایا کہ یہی وقت اس چراغ کے بجھانے کا تھا اس لئے کہ جب تک یہ شخص زندہ تھا یہ چراغ اس کی ملکیت تھا، اور اب اس کے انتقال کے بعد یہ چراغ اس کے وارثوں کی ملکیت میں چلا گیا اور اب وارثوں کی اجازت کے بغیر اس کا استعمال کرنا ہمارے لئے جائز نہیں اس لئے میں نے یہ چراغ بجھا دیا۔ اس واقعہ سے امام صاحبؒ کی احتیاط اور تقویٰ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ (۱)

حضرت عبدالرحمن بن مہدیؒ فرماتے ہیں کہ جب میرے چچا کا انتقال ہوا تو میرے والد بے ہوش ہو گئے، ہوش آنے پر فرمایا کہ چٹائی کو ورثاء کے ترکہ میں داخل کر دو اور اسے اب استعمال نہ کرنا کیونکہ اس میں ورثاء کا حق شامل ہو گیا ہے۔

حضرت ابن ابی خالدؒ فرماتے ہیں: میں حضرت ابوالعباس خطابؒ کے ساتھ تھا آپ ایک ایسے شخص کی تعزیت کے لئے حاضر ہوئے کہ جس کی بیوی کا انتقال ہو گیا تھا، آپ نے گھر میں ایک چٹائی بچھی ہوئی دیکھی تو گھر کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور اس شخص سے فرمایا: کیا تیرے علاوہ بھی کوئی وارث ہے؟ اس نے جواب دیا جی ہاں! آپؒ نے فرمایا: تیرا اس چیز پر بیٹھنا کیسا ہے؟ جس کا تو مالک نہیں۔ تو وہ شخص (اس تنبیہ کے بعد) اس چٹائی سے اٹھ گیا۔ (۲)

عمر بن عبدالعزیزؒ کے وصال کے وقت مَسلَمہ بن عبدالملک ان کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: اے امیر المؤمنین! آپ نے ایسا کام کیا ہے جو آپ سے پہلے کسی نے نہیں کیا، وہ یہ کہ آپ نے اولاد تو چھوڑی ہے لیکن ان کے لئے مال نہیں چھوڑا (کیونکہ آپؒ کے پاس مال تھا ہی نہیں بلکہ وہ تنگدستی کی زندگی گزار رہے تھے) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا: مجھے بٹھا دو! چنانچہ آپ کو بٹھا دیا گیا، پھر آپ نے فرمایا: تم نے

---

(۱) حوالہ سابق، ص: ۱۸۳ (۲) مالِ وراثت میں خیانت نہ کیجئے: ۱۰

جو یہ کہا کہ میں نے اپنی اولاد کے لئے مال نہیں چھوڑا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے ان کا حق مار دیا ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ میں نے انہیں دوسروں کا حق نہیں دیا اور میری اولاد کی دو میں سے کوئی ایک حالت ہوگی:

(۱) وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے، اس صورت میں اللہ تعالیٰ انہیں کافی ہوگا کیونکہ وہ نیکوں کا والی ہے۔

(۲) وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے اس صورت میں مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کہ انکے ساتھ کیا معاملہ ہوگا (کیونکہ وہ اپنے اعمال کے خود جواب دہ ہیں) (۱)

عبرتناک واقعہ

ایک بزرگ نے بڑی عبرت کا واقعہ سنایا کہ ان کے زمانے میں ایک بہت بڑے عالم تھے جب ان کا انتقال ہوگیا تو انتقال کے بعد ان کے کسی شاگرد نے ان کو خواب میں دیکھا کہ وہ عالم برہنہ جسم کے ساتھ ایک چٹیل میدان میں دوپہر کی سخت گرمی سے بے چین ہو کر اور پریشان ہو کر ادھر سے ادھر دوڑ رہے ہیں شاگرد نے پوچھا کہ حضرت! آپ نے تو ساری زندگی اطاعت میں، عبادت میں خدمت دین میں گزاری، مخلوق کی اصلاح اور تربیت میں گزاری، کیا ان میں سے کوئی عبادت قبول نہیں ہوئی؟ انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا: نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے جن اعمالِ صالحہ کی توفیق دی تھی، وہ سب قبول ہو گئے، لیکن جس عذاب کے اندر مبتلا ہوں وہ ایک سوئی کی وجہ سے ہو رہا ہے، شاگرد نے پوچھا وہ کیسے؟ انہوں نے جواب دیا کہ انتقال سے چند روز پہلے میں اپنا کپڑا سینے کے لئے سوئی مانگ لیا، اور پھر کپڑا سی کر سوئی الماری میں رکھ دی واپس کرنا یاد نہ رہا، اور اس کے بعد اب میرا انتقال ہوگیا۔ اب یہ عذاب جو تم دیکھ رہے ہو، اسی ایک سوئی کی وجہ سے ہو رہا ہے، تم صبح بیدار ہو کر میرے گھر جانا اور گھر والوں سے کہنا کہ الماری میں فلاں جگہ پر وہ سوئی رکھی ہوئی ہے، وہ تم لیکر میرے فلاں پڑوسی کو پہنچا دینا تا کہ مجھ سے یہ عذاب

(۱) حوالہ سابق

دور ہو جائے۔ چنانچہ وہ شاگرد صبح اٹھ کر سیدھے استاذ کے گھر پہنچے اور گھر والوں سے کہا کہ فلاں الماری میں فلاں جگہ پر کوئی سوئی رکھی ہے یا نہیں؟ گھر والوں نے دیکھ کر بتایا کہ ہاں رکھی ہوئی ہے، اس نے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ سوئی کس کی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہاں! مرحوم فلاں پڑوسی سے لائے تھے، اور ہم نے سوچا کہ ذرا آجانے والوں کا سلسلہ ختم ہو جائے تو یہ سوئی ان کو واپس کر دیں گے۔ شاگرد نے بتایا کہ میں نے ان کو خواب میں دیکھا ہے کہ وہ اس سوئی کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہیں، اس لئے وہ سوئی تم مجھے دیدو تا کہ میں جلدی سے وہ پڑوسی کو پہنچا دوں، اور ان کی طرف سے تاخیر کی معافی بھی مانگ لوں، چنانچہ شاگرد نے وہ سوئی لے کر پڑوسی کو دی، اور ان کو بتایا کہ اس سوئی کی وجہ سے حضرت کو بڑا عذاب ہو رہا ہے وہ پڑوسی بھی سن کر رو پڑا کہ اتنی معمولی چیز کی وجہ سے ان کو عذاب ہو رہا ہے، میں نے اللہ کے لئے ان کو معاف کیا، اے اللہ آپ بھی اپنی رحمت سے ان کو معاف فرما دیں اور ان کا عذاب دور فرما دیں۔ وہ شاگرد کہتے ہیں کہ جب رات کو میں سویا تو پھر دوبارہ میں نے ان کو خواب میں دیکھا، لیکن اب منظر بدلا ہوا تھا۔ اب حضرت ایک خوبصورت سرسبز وشاداب باغ کے بیچوں بیچ ایک مسہری پر آرام فرما رہے ہیں اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں، میں نے قریب جا کر ان کو سلام کیا اور ان سے پوچھا کہ اب کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ جس وقت تم نے پڑوسی کو سوئی پہنچائی اور اس نے یہ کہا کہ میں اللہ کے لئے معاف کرتا ہوں، بس اسی لمحے میرا وہ عذاب ٹل گیا، اور جو نعمتیں تم دیکھ رہے ہو یہ اللہ نے اپنے کرم سے اپنے دین کی خدمت کی جو توفیق عطا فرمائی تھی اس کا صلہ ہے۔ (۱)

۞ بغداد میں ایک سوداگر رہتا تھا، یہ بڑا ہی دیانت دار اور ہوشیار تھا، خدا نے کاروبار خوب چمکا دیا تھا، دور دور سے خریدار آتے اور اپنی ضرورت کا سامان خریدتے، اسی کے ساتھ خدا نے اس کو گھریلو سکھ بھی دے رکھا تھا، اس کی بیوی نہایت خوبصورت، نیک، ہوشیار اور سلیقہ مند تھی سوداگر بھی اس پر دل وجان سے فدا تھا۔

---

(۱) حوالہ سابق، ص: ۱۸۹/ ۱۹۱

سوداگر کاروبار سے کبھی کبھی باہر جاتا اور کئی کئی دن گھر سے باہر سفر میں گذارتا، جب سوداگر نے جلدی جلدی سفر کرنے اور زیادہ وقت باہر گذارنے لگا تو بیوی کو شبہ ہوا، اور اس نے سوچا ضرور اسمیں کوئی راز ہے، چنانچہ اس نے اپنی بھروسہ مند بوڑھی خادمہ کو اپنے اس شبہ سے مطلع کردیا تو اس نے تحقیق کیا تو پتہ چلا کہ اس نے یہاں سے دور ایک اور شادی کرلی ہے اور وہیں ٹھہرا رہتا ہے۔

بوڑھیا کے اس راز فاش کرنے کے بعد اس بیوی کو تھوڑی تکلیف تو ضرور ہوئی؛ لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور سوچا کہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا، اب سوچ کر اپنے آپ کو کڑھانے سے کیا فائدہ؟ چنانچہ وہ حسبِ سابق شوہر کی خدمت میں لگی رہی، کبھی شوہر پر ظاہر ہونے نہیں دیا کہ وہ اس کے راز سے واقف ہے، شوہر نے بیوی کے حقوق کی ادائیگی میں کوئی کمی یا کوتاہی ہونے نہیں دی، بہرحال بیوی نے سوچا کہ یہ شوہر کا جائز حق تھا، اس سے مجھ پر گراں گذرے گا اس لئے مجھے معلوم ہونے بھی نہیں دیا اور نہ ہی شادی کے بعد میرے حقوق میں کوئی کمی کی، اسطرح وہ شوہر کی اور قدرداں ہوگئی، چنانچہ وہ ہنسی خوشی زندگی گذارتے رہے، پھر سوداگر کا انتقال ہوگیا، اس سوداگر کی دوسری شادی کی اطلاع کسی کو نہیں تھی، رشتہ داروں کو بھی یہی پتہ تھا کہ صرف ایک ہی بیوی ہے، چنانچہ جب ترکہ کی تقسیم کا وقت آیا تو لوگوں نے یہ سمجھ کر ترکہ تقسیم کردیا کہ سوداگر کی صرف ایک ہی بیوی ہے، دوسری بیوی کا جس کا صرف اس پہلی بیوی کو پتہ تھا حصہ نہیں کیا، یہ نیک بیوی اس دوسری بیوی کو بھی شریک بنانا چاہتی تھی، پر شوہر کے اس راز سے کسی کو اطلاع دینا نہیں چاہتی تھی، اس نے ترکہ کے تقسیم کے وقت تو اپنا حصہ لے لیا، پھر اس نیک بیوی نے یہ سوچا کہ اگر میں اس بیوی کا حق مار کر کھا بیٹھتی ہوں تو اللہ عزوجل کو روزِ قیامت کیا منہ دکھاؤں گی؟ اس نے اس دوسری بیوی کو بھی اس میں حصہ دار بنانے کی ٹھان لی، چنانچہ اس نے اپنے ایک معتمد آدمی کو اس تمام واقعہ سے باخبر کرکے اس دوسری بیوی کو اپنے حصہ کا آدھا بھیج دیا، لیکن جس کے ہاتھ اس نے یہ حصہ بھیجا تھا وہ تھوڑے دن کے بعد

واپس آ گیا، اس نے مال کے ساتھ دوسری بیوی کا ایک خط بھی ساتھ لایا۔

جس میں اسنے اولاد اور اس کے شوہر کے انتقال پر اس کو تسلی آمیز کلمات لکھے اور اس کی امانت داری اور شوہر کے راز سے مطلع ہونے کے بعد صبر وتحمل کے ساتھ گذاری ہوئی زندگی کا تذکرہ کر کے اسکو داد دی، پھر اس نے آگے لکھا کہ تم نے نہایت امانت داری کے ساتھ میرا حصہ روانہ کر دیا، لیکن ادھر کچھ دنوں سے ہم دونوں کے تعلقات بگڑ گئے تھے، انہوں نے مجھے طلاق دے دی تھی، لہٰذا میں تمہارے بھیجے ہوئے حصہ کی حق دار نہیں رہی، یہ مال تمہارا ہے، دوسوکنوں کے آپسی اس خلوص نے ان دونوں کو تاحیات ایک دوسرے سے قریب کئے رہا اور دونوں بہترین دوست بنی رہیں۔(۱)

(۱) مسنون معاشرت: ۱/ ۱۶۲، ۱۶۳

قرض کا بیان

جب تجہیز وتکفین کے خرچ سے کچھ مال باقی رہے تو قرض ادا کیا جائے کیونکہ جیسے زندگی میں بدن کا لباس قرض سے مقدم ہے اور قرض خواہ اس کو نہیں لے سکتا اسی طرح کفن دفن کے بقدر میت کا حق ہے قرض خواہ کی رعایت کی وجہ سے وہ حق تلف نہ ہوگا۔

قرض کی قسمیں

قرض کی تین قسمیں ہیں:

قسم اول: وہ جو صحت میں (یعنی مرض الموت سے پہلے) میت کے اقرار سے ثابت ہو یا گواہوں کی گواہی سے ثابت ہوا ہو یا عام طور سے لوگوں کے مشاہدے اور معائنہ سے ثابت ہو، مثلاً سب کے سامنے زید نے ایک ہزار روپے مہر مقرر کر کے ہندہ سے نکاح کیا ہے تو ہندہ کا ایک ہزار روپیہ زید کے ذمے بالمشاہدہ ثابت ہو گیا۔

قسم دوم: وہ جس کا مرض الموت میں میت نے اقرار کر لیا مثلاً کہا کہ فلاں شخص کا اس قدر روپیہ میرے ذمہ واجب ہے یا میں نے اس کی فلاں شئے ضائع کر دی تھی اس کی قیمت میرے ذمہ واجب ہے اور صرف میت کا اقرار ہی اقرار ہے گواہوں سے یا عام مشاہدہ سے یہ ثابت نہیں۔(تیسری قسم آگے آرہی ہے)

قرض ادا کرنے کے قاعدے

قاعدہ(۱) اگر تجہیز وتکفین کے بعد باقی ماندہ مال دونوں قسم کے قرضوں کی ادائیگی کے لئے کافی ہے تو بلا تکلف دونوں قسم کے قرض ادا کر دیئے جائیں۔

قاعدہ(۲) اگر صرف ایک ہی قسم کا قرض ہے اور مال کافی ہے تو بھی بلا تکلف قرض ادا کر دیا جائے۔

قاعدہ(۳) اگر مال ادائے قرض کے لئے کافی نہیں اور قرض ایک ہی قسم کا ایک ہی شخص کا ہے تو جو کچھ مال تجہیز وتکفین کے بعد باقی رہے وہ اس کو دے دیا جائے باقی کو وہ اگر چاہے معاف کردے یا آخرت پر موقوف رکھے، وارثوں کے ذمے اس کا ادا کرنا لازم نہیں ہے۔

قاعدہ(۴) اگر ایک ہی قسم کا قرض ہے مگر کئی آدمیوں کا ہے تو سب کو وہ مال دے دیا جائے کہ حصہ رسد تقسیم کرلیں یعنی جس کا قرض زیادہ ہو وہ زیادہ لے اور جس کا قرض کم ہو وہ اسی حساب سے کم لے۔

قاعدہ(۵) اگر دونوں قسم کا قرض ذمہ پر واجب ہے اور مال دونوں کی ادائیگی کو کافی نہیں تو پہلے اول قسم کے قرض ادا کئے جائیں ان سے جو کچھ باقی رہے وہ دوسرے قسم کے قرض میں ادا کیا جائے۔ اگر دوسرے قسم کے قرض خواہ کئی آدمی ہوں تو اس باقی ماندہ کو حصہ رسد تقسیم کرلیں۔

قاعدہ(۶) جب مال اس قدر کم ہو کہ قسم اول کے قرضوں کے لئے بھی کافی نہیں تو بس قسم اول ہی کے قرض خواہوں کو دے دیں، اگر ایک ہی شخص کا قرض ہے تو سب مال وہ لے لے گا اور اگر چند آدمی قسم اول کے قرض خواہ ہوں تو جو کچھ مال ہے وہ اس حصہ رسد کو تقسیم کرلیں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

قاعدہ(۷) جب مال قسم اول کے قرضوں کے لئے کافی نہ ہو یا ان کو کافی ہو کر اور کچھ باقی نہ رہے تو ان دونوں صورتوں میں قسم دوم کے قرض خواہ محروم رہیں گے، اب ان کو اختیار ہے کہ معاف کر کے ثواب واجر حاصل کریں یا معاملہ آخرت پر موقوف رکھیں، میت کے وارثوں پر جبر نہیں کرسکتے کہ تم اپنے پاس سے ادا کردو، البتہ اگر ان کو وسعت ہو تو مناسب یہی ہے کہ قرض ادا کر کے اپنے عزیز میت کو سبکدوش کرادیں۔

واضح ہو کہ زوجہ کا دینِ مہر بھی ایسا ہی قرض ہے جیسے دوسرے لوگوں کا قرض اور اس کا ادا کرنا ایسا ہی ضروری ہے جیسے دوسرے لوگوں کا قرض ادا کرنا جب تک اس کو ادا کرنے

کے بعد کچھ مال باقی نہ رہے تو نہ وصیت جاری ہوسکتی ہے نہ کسی کو میراث ملتی ہے۔

قسم سوم: قرض کی ایک تیسری قسم بھی ہے یعنی خدائے تعالیٰ کا قرض جیسے زکوۃ، کفارہ، قضا نماز اور قضا روزے کا فدیہ وغیرہ۔ جب پہلی دونوں قسموں کے قرض ادا کرنے کے بعد کچھ مال باقی رہے اور میت نے اس قسم کے قرضوں کے ادا کرنے کی وصیت کی ہو تو تجہیز و تکفین و ادائے قرض قسم اول و دوم کے بعد جو کچھ مال باقی رہا ہے اس کے ایک ثلث میں سے ان قرضوں کو ادا کیا جائے اگر ایک ثلث میں ادا نہ ہوسکیں تو ثلث سے زیادہ مال خرچ کر کے ان کو ادا کرنا وارثوں کے ذمے لازم نہیں بلکہ ان کو اختیار ہے خواہ ثلث مال سے زیادہ خرچ کر کے اس کو پورا کریں یا نہ کریں۔

قرض کی پہلی دو قسموں اور تیسری قسم میں فرق

پہلی دو قسموں کے قرض اور اس کی قسم سوم میں تین فرق ہیں:

(۱) ان کا ادا کرنا میت کی وصیت پر موقوف نہیں تھا بلکہ وصیت کرے یا نہ کرے ہر حالت میں تجہیز و تکفین کے بعد اس قرض کا ادا کرنا ضروری تھا اور یہ قسم سوم یعنی حقوق اللہ زکوۃ، صلوۃ و حج وغیرہ میت کی وصیت پر موقوف ہیں۔

(۲) دوسرا فرق یہ ہے کہ اول دو قسم کے قرض کے ادا کرنے میں کوئی حد نہیں تھی، اگر کل مال بھی خرچ ہو جائے تو خرچ کر کے ادا کرنا ضروری تھا اور اس قسم کو تجہیز و تکفین اور ادائے قرض قسم اول و دوم کے بعد جو مال باقی ہے اس کے ایک تہائی میں سے ادا کرنا ضروری ہے۔ ثلث سے زیادہ خرچ کرنا اور وارثوں کے ذمے پر لازم نہیں۔

(۳) تیسرا فرق ظاہر ہے کہ قسم دوم کا قرض جب ہی ادا کیا جاتا تھا کہ قسم اول کا قرض ادا ہو جائے یا اول قسم کا میت کے ذمہ ہی پر نہ ہو اور قسم سوم کا قرض جب ادا کرنا ضروری ہوتا ہے کہ قسم اول و دوم کے قرضے اگر ہوں تو ادا ہو گئے ہوں (یعنی قسم اول و دوم قسم سوم سے مقدم ہیں)

نوٹ: قرض کی اس تیسری قسم کا تعلق باب الوصیۃ سے ہے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اگر میت نے مال نہیں چھوڑا تو اس کے قرض کا ادا کرنا وارثوں کے ذمہ واجب نہیں۔ ہاں محبت کا مقتضی اور بہتر و پسندیدہ یہی ہے کہ حسب مقدور اس کے ذمہ سے دین ادا کر کے اس کو راحت پہنچائے۔ اگر کوئی شخص ادا نہ کرے تو قرض خواہ عالم میں انصاف خداوندی کے منتظر رہیں اور بہتر یہ ہے کہ معاف کر دیں اس معافی کی وجہ سے ان کو اتنا بڑا ثواب حاصل ہوگا کہ اگر روزِ جزا میں فیصلہ ہو کر مقروض کی حسنات اور نیکیاں بھی ان کو دلوادی جائیں تو بھی اتنا بڑا ثواب نہ ہوگا۔ قرض کو معاف کرنے اور مفلس مقروض کو مہلت دینے کی بہت بڑی فضیلت قرآن وحدیث سے ثابت ہے، لہٰذا معافی سب سے بہتر ہے۔(۱)

---

(۱) آسان میراث، مولانا محمد عثمان نووی والا: ۲۹، ۳۲

مرد و عورت کی میراث میں برابری

خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا (۱) اس آیت سے قرآن پاک میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ عورت بھی معنوی اعتبار سے مرد ہی کے وجود کا ایک حصہ ہے، مرد و عورت دو فریق نہیں ہیں، بلکہ وہ ایک دوسرے کی تکمیل ہیں، یہ ایک اہم نکتہ ہے جس کی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا ہے، مغرب میں مساوات مرد و زن اور عورتوں کی حریت کی جو تحریک اٹھی اس میں مردوں اور عورتوں کو دو فریق کی حیثیت سے پیش کیا گیا، اور انسانی نفسیات یہ ہے کہ انسان فریق مقابل کے بارے میں تنگ دل ہوا کرتا ہے اس کے برخلاف اسلام نے یہ تصور پیش کیا کہ مرد و عورت ایک دوسرے کے وجود کا حصہ اور اس کی تکمیل ہیں، اور انسان اپنے جز اور حصہ کے بارے میں فراخ دل ہوتا ہے اور ایثار کا مظاہرہ کرتا ہے۔

پھر انسان کے حقوق و فرائض کے سلسلے میں اسلام نے مساوات کے بجائے عدل کا طریقہ اختیار کیا ہے، مساوات یہ ہے کہ تمام لوگوں کے حقوق و فرائض یکساں ہوں، اور عدل یہ ہے کہ حقوق کی منصفانہ تقسیم ہو، اور ہر آدمی کی صلاحیت اور لیاقت کے لحاظ سے اس کے فرائض متعین کئے جائیں، مردوں اور عورتوں میں پدری اور مادری فرائض کے لحاظ سے صلاحیتوں کا فطری فرق پایا جاتا ہے، اور یہ فرق کسی صنف کا نقص نہیں بلکہ اس کا کمال ہے، اسی لحاظ سے ان کی ذمہ داریاں اور ان کی سماجی سرگرمیوں میں بھی فرق کیا گیا ہے، یہ ایسا فرق ہے جسے مٹانے کی کوشش کرنا قانونِ فطرت کے خلاف بغاوت کے مترادف ہے، اور فطرت سے بغاوت ہمیشہ انسان کے لئے مشکلات اور الجھنوں کا دروازہ کھولتی ہے۔ میراث کا قانون بھی اسی اصول پر مبنی ہے، خاندان کے مختلف افراد سے کفالت کی

(۱) النساء : ۱

جو ذمہ داریاں متعلق ہو گئی ہیں، اسی نسبت سے ان کے حقوق رکھے گئے ہیں، اور خاص طور پر جن لوگوں سے آئندہ مالی ذمہ داریاں متعلق ہونے والی ہیں، ان کے حقوق بھی زیادہ مقرر کئے گئے ہیں، اسی لئے باپ کے مقابلہ بیٹے اور ماں کے مقابلہ بیٹی کا حق زیادہ رکھا گیا ہے، باپ زندگی کی سرگرمیوں سے سبکدوش ہو رہا ہے اور ابھی روز بروز اس کی ذمہ داریاں بڑھتی ہی جائیں گی، خواتین کی میراث کے سلسلے میں بھی یہی اصول پیشِ نظر ہے کہ شریعتِ اسلامی نے مردوں کی ذمہ داریاں زیادہ رکھی ہیں، اسے ماں باپ کی پرورش کرنی ہے، بال بچوں کی کفالت کا بار اس پر ہے، بہت سے حالات میں بھائی، بہنوں اور دوسرے اعزہ کی کفالت بھی اس سے متعلق ہو جاتی ہے، عورت کے لئے یہ سہولت ہے کہ اس پر خود اس کی اپنی کفالت کا بھی بوجھ نہیں ہے، بیٹی ہے تو باپ پر، بیوی ہے تو شوہر پر اور ماں ہے تو اولاد پر اس کی پرورش اور ضروریات کی تکمیل کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اسی مناسبت سے میراث کی ان صورتوں میں جو عام طور پر پیش آیا کرتی ہیں، جیسے مورث کی ماں، بیوی، بیٹی ہونے کی حالت میں، ان میں عورت کا حق میراث مردوں کا نصف رکھا گیا ہے، یہ تقسیم مساویانہ تو نہیں، لیکن ''منصفانہ'' اور ''عادلانہ'' ہے، یہ جنس کی بنا پر حق داروں میں تفریق نہیں ہے، بلکہ ذمہ داریوں کے اعتبار سے حقوق کی تعیین ہے۔

لیکن بعض ایسی صورتیں بھی ہیں، جن میں عورت کا حق میراث مرد سے زیادہ یا مرد کے برابر ہوتا ہے، یا جن حالتوں میں عورت وارث ہوتی ہے مرد نہیں ہوتا، عام طور پر یہ پہلو نگاہ سے اوجھل رہ جاتا ہے اور اس جانب توجہ نہیں دی جاتی۔(۱)

میراث میں فرق وامتیاز کی بنیاد

میراث میں فرق وامتیاز کی بنیاد مرد وعورت ہونے پر نہیں ہے بلکہ اس فرق کی بنیاد تین معیاروں اور اصولوں پر ہے:

اول: وارث (خواہ مرد ہو یا عورت) اور میت مورث کے درمیان درجۂ قرابت

(۱) عورت کی میراث اور مساوات مرد وزن کا مسئلہ: ۷/۸/۹ ڈاکٹر صلاح الدین سلطان ایفا پبلی کیشنز، دہلی

ہے، لہٰذا یہ قرابت جتنی قریبی ہوگی اسی لحاظ سے میراث میں وارث کا حصہ زیادہ ہوگا۔

دوم: نسلوں کے زمانی تسلسل کے تناظر میں وارث ہونے والوں کی نوعیت اور حیثیت ہے، لہٰذا وہ نئی نسلیں جو زندگی کا استقبال کر رہی ہیں عام طور پر میراث میں ان کا حصہ ان پرانی نسلوں سے زیادہ ہوگا جو زندگی کو الوداع کہنے والی ہیں۔ اس میں وارثین کے مرد یا عورت ہونے کو معیار نہیں بنایا گیا ہے، مثلاً بیٹی، ماں سے زیادہ حصہ پاتی ہے حالانکہ وہ دونوں ہی عورتیں ہیں، بلکہ بیٹی باپ سے بھی زیادہ حصہ پاتی ہے اور بیٹا باپ سے زیادہ حصہ پاتا ہے جبکہ وہ دونوں مرد ہیں۔

سوم: وہ مالی ذمہ داری جسے شریعت دوسروں کی کفالت سے متعلق وارث پر لازم کرتی ہے، یہی وہ معیار ہے جو مرد و زن کے درمیان تفاوت کا سبب بنتا ہے۔(۱)

میراث میں عورت کیلئے کتنا حصہ؟

بحث و تحقیق اور استقراء کے نتیجہ میں یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ:

- چار حالات ایسے ہیں جن میں عورت مرد کے مقابلہ میں آدھا حصہ پاتی ہے۔
- چند حالات ایسے ہیں جن میں عورت مرد کے بالکل مساوی حصہ پاتی ہے۔
- دس یا اس سے زیادہ حالات ایسے ہیں جن میں عورت مرد سے زیادہ ترکہ پاتی ہے۔
- کچھ حالات ایسے ہیں جن میں عورت وارث ہوتی ہے اور اسکے بالمقابل جو مرد ہے وہ محروم رہتا ہے۔(۲)

وہ حالات جن میں عورت مرد سے آدھا حصہ پاتی ہے

جن صورتوں میں عورت کو مرد کا آدھا حصہ ملتا ہے ان کی تحقیق و تفتیش کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ درجِ ذیل صورتوں میں منحصر ہیں۔

---

(۱) حوالہ سابق، ص: ۱۲-۱۱ (۲) حوالہ سابق، ص: ۲۱

اول: بیٹی کے ساتھ بیٹے کا پایا جانا" لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ"

اس بنیاد پر اگر باپ یا ماں مرجائے اور ان کے وارثین میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوں تو ترکہ ان دونوں کے درمیان تین حصوں میں تقسیم ہوگا (یعنی دو حصہ بیٹا پائے گا اور ایک حصہ بیٹی)

یہی حکم اس صورت میں ہے جبکہ پوتے اپنے درجہ کی پوتیوں یعنی اپنی سگی بہنوں کے ساتھ وارث بن رہے ہوں، ان کے نتیجے کے سلسلوں میں یعنی اگر پر پوتا پر پوتی کے ساتھ وارث ہو تو یہی حکم ہوگا اور قرآن کے اصول کی رو سے مذکر کو مؤنث کے مقابلہ میں دو گنا حصہ ملے گا۔

دوم: جبکہ باپ کے ساتھ ماں ہو اور کوئی اولاد اور شوہر یا بیوی نہ ہو۔

اس صورت میں ماں کا حصہ ایک تہائی ہے اور باقی دو تہائی باپ کو ملیں گے، لہٰذا اگر کوئی شخص مرجائے اور اپنے والدین کو چھوڑ جائے تو ماں کو ایک تہائی ملے گا اور باپ کو باقی دو تہائی عصبہ ہونے کی بنیاد پر ملے گا۔

سوم: یہ ہے کہ حقیقی بہن یا علاتی بہن کے ساتھ حقیقی بھائی یا علاتی بھائی ہو۔

اس بنا پر اگر کوئی شخص مرجائے اور وہ ایک حقیقی بہن اور ایک حقیقی بھائی چھوڑ جائے تو بھائی کو دو حصے اور بہن کو ایک حصہ ملے گا۔

چہارم: دو عورتوں کے حصے کے برابر ایک مرد کے حصہ پانے کی حالت یہ بھی ہے کہ زوجین میں سے کوئی مرجائے اور دوسرے کو چھوڑ جائے تو بیوی کے مرنے کی صورت میں شوہر کو آدھا اور شوہر کے مرنے کی صورت میں بیوی کو چوتھائی ملے گا جبکہ اولاد نہ ہو۔ اور اگر اولاد ہو تو بیوی کے مرنے کی صورت میں شوہر کو چوتھائی اور شوہر کے مرنے کی صورت میں بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ جس کی مزید وضاحت اس نقشہ سے ہو جائے گی۔

اولاد نہ ہونے کی صورت میں	شوہر آدھا	بیوی چوتھائی
اولاد ہونے کی صورت میں	چوتھائی	آٹھواں
ملنے کا تناسب	دو حصے	ایک حصہ (۱)

وہ حالات جن میں عورت مرد کے برابر

مسائل میراث کا جائزہ لینے اور تتبع اور جستجو کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ صورتوں میں عورت کو مرد کے برابر حصہ ملتا ہے، جن میں سے چند صورتیں درجِ ذیل ہیں:

اول: وہ صورت جس میں ماں، باپ کے ساتھ وارث ہو، اور میت کا ایک لڑکا یا دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں

جیسے (الف)

باپ	ماں	بیٹا
چھٹا حصہ	چھٹا حصہ	عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی دو تہائی کا مستحق ہوگا

جیسے (ب)

باپ	ماں	دو بیٹیاں
چھٹا حصہ	چھٹا حصہ	دو تہائی

نوٹ: ان مثالوں میں عورت (ماں) کو مرد (باپ) کے برابر حصہ ملا ہے۔

بلکہ یہاں ایسی صورت بھی ہے جس میں باپ اور ماں کو برابر حصہ ملتا ہے جبکہ میت کی ایک بیٹی ہو جس کی صورت یہ ہے:

شوہر	باپ	ماں	بیٹی
چوتھائی	چھٹا حصہ	چھٹا حصہ	نصف
۳	۲	۲	۶

(۱) مستفاد از عورت کی میراث: ۳۳-۳۰

یہاں پر ایسے حالات بھی ہیں جن میں نانی کو باپ کے برابر حصہ ملتا ہے حالانکہ باپ کے مقابلہ میں میت سے اس کا رشتہ دور کا ہے مثلاً (الف)

باپ	نانی	بیٹا
چھٹا حصہ	چھٹا حصہ	باقی مال عصبہ ہونے کی وجہ سے

(ب)

باپ	نانی	دو بیٹیاں
چھٹا حصہ	چھٹا حصہ	دو تہائی

دوم: اخیافی بھائیوں کا حصہ میراث میں ہمیشہ اخیافی بہنوں کے برابر ہوگا۔ ارشاد باری ہے:

وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَو امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ (۱)

ترجمہ: اور اگر کوئی میت ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں اور نہ فروع ہوں اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن (اخیافی) ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر ان کی تعداد اور اس سے زیادہ ہو تو وہ سب تہائی میں برابر کے شریک ہوں گے۔

قرآنِ کریم کے اس نص سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ اگر بھائی بہن ماں شریک (اخیافی) ہو تو مرد و عورت دونوں کا حصہ برابر ہوگا۔ (۲)

وہ حالات جن میں عورت کو مرد سے زیادہ

اسلامی شریعت میں میراث کا نظام دو بنیادی طریقوں پر قائم ہے جو درجِ ذیل ہیں:

(۱) فرض کی بنیاد پر میراث کا استحقاق جو قرآن کریم اور سنتِ نبوی میں مذکور ہے۔ یعنی اصحابِ فرائض اپنا وہ حصہ لے لیں جسے نصِ قرآنی نے متعین کر دیا ہے یعنی

(۱) سورۃ نساء: ۱۲ (۲) حوالہ سابق، ص: ۳۴

دوتہائی یا ایک تہائی یا چھٹا حصہ یا نصف یا چوتھائی یا آٹھواں حصہ۔

(۲) عصبہ ہونے کی بنیاد پر میراث کا استحقاق، یعنی اصحاب فرائض کو ان کا حصہ دینے کے بعد جو بچے وہ عصبہ کو ملے گا۔ تو عصبہ وارث ہوتے ہیں لیکن ان کا حصہ متعین نہیں ہے۔ اور وہ عصبہ بنفسہٖ ہیں مثلاً بیٹا اور پوتا نیچے تک اور باپ اور دادا اوپر تک، اور حقیقی بھائی، علاتی بھائی اور ان دونوں کی اولاد، اور حقیقی چچا اور ان کی اولاد نیچے تک اور دوسرے عصبہ بغیرہٖ ہیں یعنی بھائی کے ساتھ بہن اور بیٹے کے ساتھ بیٹی اور پوتے کے پوتی کا وارث ہونا اگرچہ یہ سلسلہ نیچے تک جائے اور تیسرے عصبہ مع غیرہ ہیں یعنی حقیقی بہن یا علاتی بہن کا بیٹی یا پوتی کے ساتھ وارث ہونا۔

اسلام کا نظامِ میراث اسی اصول پر قائم ہے کہ پہلے اصحابِ فرائض کے لئے جو حصے مقرر ہیں وہ اسے لے لیں، پھر عصبہ حضرات، اصحابِ فرائض کے لینے کے بعد باقی ماندہ ترکہ لیتے ہیں اور تنہا ہونے کی صورت میں انھیں پورا ترکہ مل جاتا ہے۔

اور تتبع اور استقراء سے ثابت ہے کہ اصحابِ فرائض میں عورتوں کی تعداد زیادہ ہے اور وہ فرض کی بنیاد پر زیادہ وارث ہوتی ہیں، اور بہت سے حالات میں فرض کی بنیاد پر انھیں جو حصہ ملتا ہے وہ عصبہ ہونے کی بنیاد پر ملنے والے حصے کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔

نیز قرآن کریم میں سب سے بڑا حصہ دوتہائی ہے اور یہ حصہ مردوں میں سے کسی کو نہیں ملتا بلکہ یہ صرف عورتوں کے لئے خاص ہے۔

عورتیں سترہ حالتوں میں اصحابِ فرائض کی حیثیت سے میراث پاتی ہیں، جب کہ مرد صرف چھ حالتوں میں اصحابِ فرائض ہونے کی بنیاد پر میراث پاتے ہیں، یہ تحدید وتعیین یقینی طور پر عورت کے لئے مفید ہے جس کی بنا پر وہ مرد سے زیادہ میراث پاتی ہے۔

نیز (مرد وعورت کے) تقابلی نقشہ سے بھی اس کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے جس سے یہ بات کھل کر ظاہر ہوجاتی ہے کہ عورت کا حصہ بنسبت مرد کے زیادہ مفید ہوتا ہے۔(۱)

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ عورت کی میراث الخ

وہ حالات جن میں عورت وارث مرد نہیں

یہاں کچھ ایسی صورتیں بھی ہیں جن میں عورت تو وارث ہوتی ہے لیکن اس کے مقابلے کا مرد وارث نہیں ہوتا۔ جیسے:

جب شوہر، باپ، ماں، بیٹی کے ساتھ پوتی ہو تو پوتی کو چھٹا حصہ ملتا ہے لیکن اگر انہی وارثین میں پوتی کے بجائے پوتا ہو تو پوتے کو وراثت میں کچھ نہیں ملے گا۔

اسی طرح جب شوہر اور حقیقی بہن کے ساتھ علاتی بہن ہو تو علاتی بہن کو چھٹا حصہ ملے گا لیکن اس کے مقابلہ میں انہی وارثین میں علاتی بہن کے بجائے علاتی بھائی ہو تو وراثت میں کچھ نہ ملے گا۔

اسی طرح دادی بسا اوقات وارث ہوتی ہے اور اجداد میں سے جو اس کے مدمقابل ہو وہ وارث نہیں ہوتا جیسے اگر وارثین میں نانا اور نانی اصحابِ فرائض میں سے ہونے کی وجہ سے نانی کو وراثت میں حصہ ملے گا اور نانا ذوی الارحام میں سے ہونے کی وجہ سے محروم ہو جائیں گے۔

اور جیسے اگر وارثین میں نانی کا باپ اور نانی کی ماں ہو تو نانی کی ماں کو وراثت میں حصہ دیا جائے گا اور نانی کا باپ محروم ہو جائے گا۔

الا یہ کہ درجِ ذیل آیت پر عمل کرتے ہوئے اسے کچھ یونہی دے دیا جائے:

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ”اور جب (وارثوں میں) ترکہ کے تقسیم ہونے کے وقت (دور کے) رشتہ دار اور یتیم اور مسکین لوگ موجود ہوں تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دے دو اور ان کے ساتھ خوبی سے بات کرو۔

خلاصۂ بحث: اسلامی شریعت کے جملہ احکام نہایت حکیمانہ، منصفانہ اور عادلانہ ہیں۔ اس کے تمام اجزاء باہم مربوط ہیں اور ان میں کامل درجے کا توافق اور توازن ہے اس

کا کوئی حکم اس اصول سے خاج نہیں ہے اس میں انسانیت کے تمام افراد واصناف کی پوری رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔کسی کے ساتھ کوئی ظلم وزیادتی اور کسی کی کوئی حق تلفی نہیں کی گئی ہے۔اس لئے کہ اس کا سرچشمہ خود اللہ رب العزت کی ذات ہے جو حکیم وعادل اور علیم وخبیر ہے۔(۱)

عصبہ اور اس کی میراث

عصبہ: میت کے وہ رشتہ دار ہیں جن کا حصہ قرآن وحدیث میں متعین نہیں کیا گیا، وہ تنہا ہونے کی صورت میں پورا ترکہ، اور ذوی الفروض کے ساتھ ہونے کی صورت میں باقی ماندہ ترکہ لیتے ہیں۔ پھر عصبہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) نسبی (۲) سببی

نسبی عصبہ: وہ ہیں جن کا میت سے رشتہ داری کا تعلق ہو۔ اور سببی عصبہ: وہ ہے جس کا میت سے آزاد کرنے کا تعلق ہو۔ پھر نسبی عصبہ کی تین قسمیں ہیں۔عصبہ بنفسہٖ، عصبہ لغیرہٖ اور عصبہ مع غیرہ۔

پھر عصبہ بنفسہٖ کی چار قسمیں ہیں (۱) جزِ میت جیسے بیٹا (۲) اصلِ میت جیسے باپ (۳) جزِ اصل قریب جیسے بھائی (۴) جزِ اصل بعید جیسے چچا۔ ان میں ترجیح الاقرب فالاقرب کے قاعدہ سے دی جاتی ہے۔

عصبہ بنفسہٖ کی توریث کی وجہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ بیان فرماتے ہیں:

پہلے یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ توارث کے دو سبب ہیں: ایک شرف ومنصب وغیرہ میں میت کی قائم مقامی کرنا۔

دوم: خدمت ونصرت اور مہر ومحبت کے جذبات: اور یہ بات بھی بیان کی جا چکی ہے

---

(۱) مستفاد از عورت کی میراث اور مساوات مرد وزن کا مسئلہ

کہ سببِ دوم کا اعتبار نہایت نزدیک کی رشتہ داری میں کیا جاتا ہے، جیسے ماں اور بہنوں میں دور کے رشتہ داروں میں اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا، ان میں صرف پہلا سبب معتبر ہے۔ یعنی چونکہ وہ میت کی قائم مقامی اور نصرت وحمایت کرتے ہیں اسلئے وہ میراث پاتے ہیں اور یہ بات خاندان والوں ہی میں پائی جاتی ہے۔ وہی نسب وشرف میں میت کے حصہ دار ہیں۔ اس لئے باقی ترکہ اس بنیاد پر ان کو الاقرب فالاقرب کے قاعدہ کالحاظ کر کے دیا جاتا ہے۔(۱)

فوراً میراث تقسیم کردیں

جن لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے آخرت کی فکر پیدا فرمائی ہے وہ سب سے پہلے میراث کی تقسیم کا اہتمام کرتے ہیں اور شریعت کا حکم بھی یہی ہے کہ انتقال کے بعد سب سے پہلے اس کے غسل اور کفن دفن کا اہتمام کیا جائے اور اس کے قرضوں کو ادا کیا جائے اس کے بعد اس کی وصیتوں کو ایک تہائی مال کی حد تک پورا کیا جائے اس کے بعد سب سے اہم ترین فرض یہ ہے کہ اس کی میراث تقسیم کی جائے اور جتنی جلدی مرنے والے کی میراث کو تقسیم کر دیا جائے گا اتنی ہی جلدی انسان کو عافیت مل جائے گی اور میراث کی تقسیم میں جتنی دیر ہوگی اتنی ہی اس میں الجھنیں، دشواریاں پیدا ہوتی چلی جائیں گی، یہاں تک کہ بھائی بہن کا گلہ کاٹنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔

وجہ یہ ہے کہ جب کسی کا انتقال ہو جاتا ہے اس وقت تمام پسماندگان کے دل نرم ہوتے ہیں اور دل میں مرنے والا کا صدمہ ہوتا ہے اس وقت دنیا کی محبت دل سے کافی نکلی ہوئی ہوتی ہے، اس وقت تقسیم کا معاملہ بہت آسان ہوتا ہے، اور جوں جوں مرنے والے کا صدمہ کم ہوتا چلا جاتا ہے دنیا کی محبت دل میں بڑھتی چلی جاتی ہے، جس کے نتیجے میں تقسیم میراث کا مسئلہ پیچیدہ اور مشکل ہوتا چلا جاتا ہے اور ہر شخص اپنی من مانی کرنے لگتا

(۱) رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۱۶۵/۴

ہے۔(۱)

تقسیم نہ کرنے میں تین طرح کا ظلم

میراث تقسیم نہ کرنے کے نتیجے میں انسان تین طرح سے ظلم کا ارتکاب کرتا ہے۔ پہلا ظلم یہ ہے کہ یہ مالِ میراث اللہ کی طرف سے بندے کے لئے ایک انعام ہوتا ہے جو پسماندگان کو بلا مشقت اور بغیر محنت کے حاصل ہوجاتا ہے، لہٰذا یہ مال اللہ کی طرف سے شاہی تحفہ ہے، لہٰذا پسماندگان پر یہ فرض تھا کہ اس شاہی انعام کو اس کے حقدار تک پہنچاتے، اور جب انہوں نے حقداروں تک نہیں پہنچایا اور غصب کر کے بیٹھ گئے اور اس میں تصرف شروع کر دیا تو انہوں نے اس انعام میں خیانت کی اور یہ خیانت ظلم عظیم ہے۔ ایک ظلم تو یہ ہوا۔

دوسرا ظلم یہ ہے کہ یہ مالِ میراث ہمارے بھائی کا حق تھا، جو ہم نے مار لیا، اسلئے کہ جب باپ کا انتقال ہوجاتا ہے تو سارے بہن بھائی باپ کے مال میں شریک ہوجاتے ہیں اور مرنے والے کی بیوی بھی اس میں حصہ دار بن جاتی ہے اور جب ہم وہ مال دبا کر بیٹھ گئے اور ان کا حق مار لیا تو ظاہر ہے دوسرے کا حق مارنا بھی ظلم ہے، اور جیسے دوسروں کی زمین چھین لینا، یا کسی کا روپیہ چھین لینا ظلم ہے اسی طرح کسی کا حصہ میراث غصب کر لینا اور حقدار کو نہ پہنچانا بھی ظلم ہے۔

تیسرا ظلم ہے ورثاء کو حق نہ دینے کا، یہ ظلم کئی پشتوں تک چلتا ہے، اس لئے کہ جب تقسیم کرنے کا رواج ہی نہیں ہے اور باپ کے مرنے کے بعد بیٹوں نے میراث تقسیم نہیں کی اور بیٹوں کے مرنے کے بعد پوتوں نے میراث تقسیم نہیں کی اور پھر بغیر تقسیم کے یہ سلسلہ آگے چلتا رہتا ہے، تو ایسے نتیجے میں سارا وبال اور عذاب پہلے نمبر کے پسماندگان پر آئے گا جنہوں نے اپنے باپ کی میراث شریعت کے مطابق تقسیم نہیں کی۔(۲)

(۱) تقسیمِ میراث کی اہمیت، ص: ۱۸۵ (۲) حوالہ سابق، ص: ۱۸۳-۱۸۴

تقسیمِ میراث کے ۷ فوائد و برکات

دینِ اسلام نے مسلمانوں کو جو بھی احکامات اور اصول وقوانین دیئے سبھی دنیا وآخرت کی بے شمار بھلائیوں، برکتوں، رحمتوں اور فوائد کے حامل ہیں، یہاں اسلامی اصول وقوانین کے مطابق میراث تقسیم کرنے کے ۷ اخروی اور دنیوی فوائد وبرکات ملاحظہ ہوں:

(۱) شرعی احکام کے مطابق میراث تقسیم کرنے سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے۔

(۲) میراث کے شرعی احکام پر عمل کرنے والا جنت کا حقدار ہوتا ہے اور جہنم کے رسواکن عذاب سے بچ جاتا ہے۔

(۳) تقسیمِ میراث کے اسلامی احکام پر عمل کرنے سے اگر دوسروں کو ترغیب ملے تو جو اس ترغیب کا سبب بنے اسے دوسروں کے عمل کا بھی اجر ملتا ہے

(۴) شرعی قوانین کے مطابق میراث میں ملنے والا مال حلال ہوتا ہے اور حلال مال سے کی جانے والی مالی عبادتیں قبول ہوتی ہیں اور ان کا قبول ہوجانا بہت بڑا اخروی سرمایہ ہے۔

(۵) شرعی اصولوں کے مطابق میراث تقسیم کرنے سے دولت کی منصفانہ تقسیم ہوتی ہے ورنہ عموماً لڑائی جھگڑے ہی ہوتے ہیں۔

(۶) کمزور عزیز واقارب، عورتوں اور بچوں کو وراثت سے ان کا حصہ دینا ان کی خیرخواہی کرنے کی بھی ایک صورت ہے اور مسلمان کی خیرخواہی دین کا ایک بنیادی مقصد ہے، نیز اس سے ان کی دعائیں، ہمدردی اور محبت ملتی ہیں۔

(۷) شریعت کے مطابق میراث تقسیم کرنے والا ظالموں اور غاصبوں کی صف میں شامل ہونے، وارثوں کی دشمنی بغض وحسد اور لوگوں کے طعن وتشنیع سے بچ جاتا ہے۔(۱)

---

(۱) مالِ وراثت میں خیانت نہ کیجئے، ص:۱۱

یتیم کا مال کھانا حرام

ہمارے معاشرہ میں یہ رواج ہو چکا ہے کہ ہر شخص اپنی مرضی سے مرنے والے کی میراث کو استعمال کرتا چلا جاتا ہے۔ خصوصاً جبکہ وارثین کے اندر نابالغ اور یتیم ہوں تو پھر یہ اور زیادہ وبال اور عذاب کا سبب ہے اس لئے کہ ناحق یتیم کا مال کھانا حرام ہے، جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ دراصل اپنے پیٹوں میں آگ کے انگارے بھر رہے ہیں پھر قیامت کے دن دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے "**یَأْكُلُونَ فِيْ بُطُونِهِمْ نَاراً**"۔

اور عموماً وارثین میں وارثین یتیم بچے بھی ہوتے ہیں، ان کے بڑے بھائی اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ ان یتیم بچوں کا ایک ایک پائی کے اندر حصہ ہے، ان کا حصہ ہم کیسے استعمال کر سکتے ہیں، اس لئے ان بڑے بھائیوں کو چاہئے کہ جلدی سے میراث تقسیم کر کے نابالغوں کا حصہ الگ کریں، پھر جو بالغ ورثاء ہیں وہ اگر چاہیں تو اپنے حصے مشترک طور پر باہمی رضامندی سے استعمال کرلیں، اور چاہیں تو اپنا اپنا حصہ الگ کر کے استعمال کریں۔(۱)

اور حضرت تھانویؒ قدس سرہ نے لکھا ہے: جس طرح یتیم کا مال خود کھانا حرام ہے اسی طرح کسی کو کھلانا یا دینا بطورِ خیرات ہی کے کیوں نہ ہو نیز حرام ہے اور ہر نابالغ کا حکم یہی ہے گو یتیم نہ ہو۔

اور ابن ابی حاتم نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے: صحابہؓ نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! آپ نے معراج کی رات میں کیا دیکھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے فرشتے اللہ کی ایک بہت بڑی مخلوق کے پاس لے گئے جو سب مرد تھے اور ہر ایک کے اونٹ کی طرح دو ہونٹ تھے اور ان پر دوسرے آدمی مسلط تھے، ان میں سے ایک اس کا جبڑا پھاڑتا تھا اور دوسرا آگ کی چٹان لاتا تھا اور اس کو اس کے منہ میں ڈالتا ہے یہاں تک کہ وہ

---

(۱) تقسیم میراث کی اہمیت، ص: ۱۹۸

اس کے نیچے سے نکل جاتی تھی، اور وہ رینگتا چلا تا تھا، میں نے پوچھا: اے جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں انہوں نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو ناحق یتیموں کا مال کھاتے ہیں۔(۱)

وقتِ تقسیم غیر وارثین کی دلجوئی

کسی کی میراث تقسیم ہو رہی ہے، اس وقت ایسے رشتہ دار آئیں جو وارث نہیں، یا یتیم بچے اور مسکین یا غریب آئے تو میراث میں سے ان کو بھی کچھ دے دینا چاہیئے، البتہ نابالغ کے حصہ میں سے نہیں دے سکتے۔"**وإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ**"

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے، حالانکہ وہ منسوخ نہیں ہے، بلکہ تین آیتوں پر عمل کرنے میں لوگ سستی کرتے ہیں، ایک تقسیم میراث کی یہ آیت، دوسری استیذان کی آیت کہ لوگ بغیر اجازت گھر میں گھس آتے ہیں، تیسری **وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ** یعنی انسانوں کی خاندانوں میں تقسیم محض تعارف کے لئے ہے مگر لوگوں نے اس کو عزت وذلت کا مسئلہ بنالیا ہے۔

اور تقسیم میراث کے وقت آنے والوں کو کچھ دینا مستحب ہے، واجب نہیں، اس لئے لوگ اس پر عمل کرنے میں سستی کرتے ہیں اور **فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ** کا مطلب یہ ہے کہ ترکہ میں سے ان آنے والوں کو بھی کچھ دیدو "**وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا**" کا یہ مطلب ہے کہ نہ دینا ہو تو انکے ساتھ خوبی سے بات کرو یعنی ان کا دل مت توڑو، ان سے کہو کہ معاف کرو ورثاء کچھ دینے پر راضی نہیں اس لئے ہم مجبور ہیں۔(۲)

---

(۱) الشريعة للآجری، باب ذكر ماخصه الله عزوجل النبي صلي الله عليه وسلم: ۱۵۲۹،۳ دار الوطن الرياض، **تحفۃ القاری: ج۶ ص ۱۷۲، مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری**

(۲) **تحفۃ القاری: ج۶ ص ۱۶۵**

میت کے مال کو استعمال میں لانا

جونہی کسی شخص کا انتقال ہوتا ہے تو انتقال ہوتے ہی اس کی میراث کا تمام مال اس کی ملکیت سے نکل کر ورثاء کی ملکیت میں داخل ہوجاتا ہے، اور یہ تمام ورثاء اس کے مشترکہ مالک بن جاتے ہیں حتی کہ سوئی دھاگے میں بھی تمام ورثاء شریک ہوجاتے ہیں، لہٰذا اگر تمام ورثاء عاقل بالغ ہیں، وہ سب خوشی سے کسی شخص کو مرنے والے کے سامان کے استعمال کی اجازت دیدیں تب تو اس سامان کو استعمال کرنا جائز ہے، لیکن اگر کوئی وارث استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ وہ مال کو تقسیم کروانا چاہتا ہے یا کوئی وارث موجود نہیں بلکہ غائب ہے، جس کی وجہ سے اس کی رضامندی کا ہمیں علم نہیں، یا کوئی وارث نابالغ ہے، جس کی رضامندی کا اعتبار نہیں، ان تمام صورتوں میں مرنے والے کے مال کو کسی بھی شخص کے لئے یہاں تک کہ کسی وارث کے لئے بھی میت کے مال کو اپنے استعمال میں لانا بالکل ناجائز اور حرام ہے۔(۱)

تقسیم سے متعلق مشورہ

ایک آسان صورت یہ ہے کہ سارے مال کی ملکیت یعنی قیمت لگالی جائے اور بچوں اور بیواؤں کا جو حصہ نکلتا ہے نیک نیتی اور اداء حقوق اور ہمدردی کے طور پر (جس میں ذرہ بھر کٹوتی نہ ہو) علیحدہ کرلیا جائے۔

پھر نابالغوں کا حصہ کسی ولی کے سپرد کردیا جائے۔ اور بیوہ کا حصہ اسی وقت سپرد کردیا جائے، اور جو لوگ غائب ہیں ان کا حصہ امانتاً محفوظ کرلیا جائے، اور جو بالغ موجود ہیں وہ اپنا حصہ بانٹ لیں۔

اور برتن کپڑے فرنیچر وغیرہ کوئی شخص اپنی طرف لگالے اور جو باقی ورثاء ہیں وہ اپنے حصہ تقسیم کرنے کے بعد آپس میں ایک دوسرے کو کمی بیشی حلال کردیں۔

---

(۱) تقسیم میراث کی اہمیت، ص: ۱۸۲

یاد رہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یتیموں اور بیواؤں کو صرف مالیت کی رقم دی جائے، سب کو ہر مال میں سے حصہ دیا جائے رقم بھی حصہ میں آئے گی اور جائیداد دوکان مکان بھی خوب سمجھ لیں۔ جو چیز تقسیم ہوسکتی ہے اس کا طریقہ اور متعدد مکانات اور جائیداد اور زمین کی تقسیم کا طریقہ کتب فقہ میں بیان کیا ہے جسے تقسیم کرنے والے جانتے ہیں۔(۱)

ہبہ کردیں یا ترکہ چھوڑ دیں

وارثین کے لئے ہبہ یا ترکہ کی تقسیم میں اصل مدار نیت پر ہے، اگر صلہ رحمی کی غرض سے زندگی میں ان پر خرچ کرے یا اس مقصد سے مال جمع کرے کہ مرنے کے بعد وارثین دردر نہ پھریں، ان شاء اللہ دونوں صورتوں میں صلہ رحمی کا ثواب ملے گا، حسبِ مصلحت جیسا چاہے معاملہ کرسکتے ہیں، البتہ اس کا خیال رہے کہ زندگی میں اگر تقسیم کا ارادہ ہو تو لڑکے لڑکیوں کو برابر حصہ دینا چاہئے۔ (۲) اس کے تفصیلی مسائل ''اسلام کا نظامِ ہبہ'' میں گذر چکے ہیں۔

شادی کے زیورات میں وراثت

لڑکی کی شادی پر جو زیور اسے دیا گیا تھا وہ لڑکی ہی کا ہے، اسمیں کسی دوسرے کا حق نہیں ہے البتہ جو زیور لڑکے کی شادی کی نیت سے رکھ دیا گیا تھا (ابھی قبضہ نہیں دیا گیا تھا اور مالکانہ حقوق حاصل نہیں ہوئے) تو وہ بدستور باپ کے ترکہ میں شمار ہوں گی لڑکا یا لڑکی اس کے مالک نہ ہوں گے۔

کیونکہ نابالغ لڑکے یا لڑکی کے لئے جو زیور اور برتن الگ رکھ دیئے گئے ہیں وہ ان کی اس وقت تک مالک نہ ہوں گے جب تک کہ اس کو وہ چیزیں سپرد کر کے قابض نہ بنا دیا جائے قبضہ سے پہلے ھبہ میں ملکیت نہیں آتی۔(۳)

---

(۱) وصیت اور میراث کے احکام، ص: ۴۷ مولانا عاشق الٰہی (۲) کتاب النوازل ص ۱۱۱ ج ۱۸
(۳) کتاب النوازل ۱۸/۱۶۰-۱۶۱

وارث کا اپنا حق لینے سے انکار

جن وارثین نے وراثت میں حصہ لینے سے انکار کر دیا ہے، ان کے انکار کرنے اور میراث کو چھوڑ دینے کی وجہ سے ان کا حق باطل نہ ہوگا؛ بلکہ بدستور ان کا حق ترکہ میں باقی رہے گا، البتہ اپنا حصہ لینے اور اس پر قبضہ کرنے کے بعد ان کو اختیار ہوگا کہ وہ جس کو چاہیں اپنے حصہ کا مالک بنا دیں، یا اپنے تمام بھائی بہنوں پر تقسیم کر دیں۔(۱)

البتہ بہ طریق مصالحت کچھ معاوضہ لے کر اپنے حق کو چھوڑنا چاہے تو چھوڑ سکتے ہیں۔(۲)

مسئلہ: جس شخص نے اپنا حصۂ میراث لینے سے انکار کر دیا تھا اس کی اولاد حصۂ میراث کا مطالبہ کر سکتی ہے۔(۳)

لاوارث کے مال کا حکم اگر بیت المال نہ ہوں؟

اگر کوئی میت لاوارث ہو اور اس نے مال چھوڑا ہو تو یہ مال معتبر دینی مدارس کے سپرد کر دیا جائے؛ کیونکہ اسلامی بیت المال موجود نہ ہونے کی صورت میں یہ مدارس اس کے قائم مقام قرار دیئے جاتے ہیں، اس لئے کہ ان اداروں میں بھی مسلمانوں کے اموال کو نادار غریب طلبہ پر صرف کرنے کا انتظام ہوتا ہے۔(۴)

نومسلم کا کوئی مسلمان وارث نہ ہو تب بھی اس کو مدارس وغیرہ میں دے دیا جائے(۵) حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی موجود نہ ہو تو یہ روپیہ ایسے کاموں میں خرچ کرنا چاہیئے، مساجد کی حرمت وخدمت، تیل بتی، لوٹا بدھنا، ڈول رسی، مؤذن وامام کی تنخواہ، مدارسِ اسلامیہ میں علماء کی تنخواہ، طلبہ کی اعانت خوراک وپوشاک، اور جو لوگ

---

(۱) کتاب النوازل: ۱۸/ ۱۶۳ (۲) تفصیل کے لئے دیکھئے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۷/ ۵۰۲، ۵۰۴
(۳) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۷/ ۵۲۳ (۴) کتاب النوازل: ۱۸/ ۱۷۶
(۵) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۷/ ۵۵۲

بلا تنخواہ اللہ کے لئے علم دین پڑھا رہے ہیں۔(۱)

تقسیم سے پہلے ترکہ میں تصرف

میت کی ہر چھوٹی بڑی چیز ترکہ میں شامل ہوتی ہے جس میں اس کے سبھی شرعی وارثین کا حق ہوتا ہے، ان سب کی مرضی کے بغیر اس میں کسی بھی طرح کا تصرف کرنا جائز نہ ہوگا۔ لہٰذا

- تمام وارثین کی رضامندی کے بغیر تقسیم سے قبل اسے فقیر کو یا مسجد میں دینا درست نہ ہوگا۔
- سب وارثین کی رضامندی کے بغیر کسی ایک بھائی کا متروکہ جائیداد کو وقف کرنا جائز نہ ہوگا۔

سب وارثین کی اجازت کے بغیر تقسیم سے قبل رشتہ داروں کو صلہ رحمی میں دینا بھی درست نہیں ہے۔(۲)

بصورتِ تاخیر گذشتہ سالوں کی زکوۃ

بعض فقہی جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مالِ وراثت پر جب تک وارث قبضہ نہ کرے وہ اس کے حق میں دین ضعیف یا دین مضبوط کے درجہ میں ہوتا ہے جس میں قبضہ سے قبل زکوۃ واجب نہیں ہوتی، لہٰذا جس وارث کے پاس مال وراثت موجود ہے اور وہ اس پر قابض ہے اس کے حصۂ وراثت میں تو سابقہ سالوں کی زکوۃ حسبِ شرائط وضوابط واجب ہوگی؛ لیکن دیگر وارثین جن کا قبضہ ابھی تک نہیں ہوا تھا، ان پر اس مال میں گذشتہ سالوں کی زکوۃ واجب نہیں ہے۔(۳)

اولاد کو میراث سے عاق کرنا

عاق کرنا یعنی مال متروکہ کے ہوتے ہوئے لڑکے کو حق وراثت سے محروم کردینا،

---

(۱) امداد الفتاویٰ جدید مطول: ۹/ ۵۸۷ (۲) مستفاد از کتاب النوازل: ۱۸/ ۲۰۱ — ۲۰۲
(۳) کتاب النوازل: ۱۸/ ۲۰۴

شریعت میں اولاد کو عاق کر دینے کا کوئی اعتبار نہیں ہے یعنی عاق کرنے سے اولاد وراثت سے محروم نہیں ہوتی، بلکہ احادیث کی رو سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو شخص اپنے وارث کی میراث قطع کرے گا تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کی وراثت قطع کرے گا۔(۱)

البتہ جو لڑکا یا لڑکی اپنے والدین کے نافرمان رہیں گے وہ عند اللہ سخت عذاب کے مستحق ہوں گے اور یہ ایسا بدترین عمل ہے کہ اکثر دنیا میں ہی اس کی سزا سامنے آجاتی ہے۔

لہٰذا عاق کرنے کے بجائے دعا اور حسنِ تدبیر کے ذریعہ اولاد کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتے رہیں۔(۲)

اپنی حیات میں جائیداد تقسیم کرنے اور بیوی اور بیٹیوں کو کچھ نہ دینے سے متعلق فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں لکھا ہے کہ یہ فعل ظلم، جور اور معصیت ہے لیکن اس کے باوجود حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ مورث نے اپنی زندگی میں جس کو جو دیا وہ اس کا مالک ہو گیا دوسروں کو اس میں کچھ دعویٰ نہیں۔(۳)

مفقود کا شرعی حکم

مفقود: ایسا شخص جو اپنے وطن سے غائب ہو اور اس کی موت وحیات کا کچھ پتہ نہ ہو
''المفقود هو الغائب الذی لم یدر موضعه ولم یدر احی هو ام میت'' (۴)

مفقود کے بارے میں اصل شرعی حکم یہ ہے کہ جب تک اس کی موت متعین نہ ہو جائے، اس وقت تک اس پر اس کے مال کو نہ تو تقسیم کیا جائے اور نہ وہ کسی دوسرے مورث کا وارث بنے گا اور اس کو حکماً میت قرار دینے کی دو شکلیں ہیں:

---

(۱) مشکوۃ شریف: ۱/۲۶۶ (۲) کتاب النوازل: ۱۸/۲۱۴ تا ۲۱۸
(۳) فتاویٰ دار العلوم: ۱۷/۵۰۰ آپ کے مسائل اوران کا حل: ۷/۳۹۶
(۴) التعریفات الفقهیة، ص: ۲۱۳ بحواله افضل الراجی

اول: یہ کہ اس کو غائب ہوئے اتنا طویل عرصہ گذر جائے کہ اس کے ہم عصر لوگوں میں کوئی باقی نہ رہے، جس کا اندازہ مفتیٰ بہ قول پر ۹۰ سال کی عمر سے لگایا گیا ہے۔

اور ایک دوسری صورت یہ ہے کہ اس کے بارے میں عدالتِ عالیہ یا غیر اسلامی حکومتوں میں دار القضاء یا محکمۂ شرعیہ میں مقدمہ درج کیا جائے اور عدالت کی طرف سے مذہبِ مالکی کے مطابق ۴ سال گذر جانے پر اس کی موت کا فیصلہ کر دیا جائے، تو اب اس پر میت کے احکام حسبِ ضابطہ جاری ہوں گے اور جب تک اس پر میت کے احکام جاری نہ ہوں تو اس مفقود کا متروکہ مال محفوظ رکھا جائے گا۔(۱)

تنبیہ اول: مالِ مفقود کے سلسلہ میں: اگر مفقود کی موت کا حکمی فیصلہ کر دیا جائے تو مفقود کا مال اس کے ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا، لیکن یہ مال صرف انہی ورثاء کو ملے گا جو مفقود پر موت کے فیصلے کے وقت موجود ہوں، کیونکہ وراثت کی شرائط میں موت کے وقت وارث کا باحیات ہونا ضروری ہے، لہٰذا اگر کوئی وارث مفقود کے غائب ہونے کے بعد موت پا چکا لیکن ابھی تک مفقود پر موت کا فیصلہ نہیں ہوا تھا تو وہ وارث نہیں ہوگا، کیونکہ اس وقت مفقود (مورث) زندہ کے حکم میں تھا، اور زندہ کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔(۲)

تنبیہ ثانی: حصۂ مفقود کے سلسلے میں: جو حصہ مفقود کے لئے اس کے مورث کے مال میں سے موقوف رکھا گیا تھا وہ حصہ مفقود پر موت کا فیصلہ ہو جانے کے بعد اسی مورث کے وارثین میں تقسیم کر دیا جائے گا، مفقود کے ورثاء میں تقسیم نہیں کیا جائے گا۔(۳)

مفقود کو وارث بنانے کے اصول

جس طرح حمل کے مسئلہ کی تصحیح دو مرتبہ کی جاتی ہے اسی طرح مفقود کو بھی ایک بار زندہ اور ایک بار مردہ فرض کر کے مسئلے کی تصحیح کی جائے گی اور دونوں مسئلوں کے درمیان

---

(۱) مستفاد: طرازی شرح سراجی: ۲۸۳، کتاب النوازل: ۱۸/ ۴۷۴

(۲) افضل الراجی فی حل السراجی: ۲/ ۳۵۵ (۳) افضل الراجی فی حل السراجی: ۲/ ۳۵۵

نسبت دیکھی جائے گی، اگر توافق کی نسبت ہو تو ایک مسئلہ کے وفق کو دوسرے کے کل میں اور تباین کی نسبت ہو تو ایک مسئلہ کے کل کو دوسرے کے کل میں ضرب دیا جائے گا، اور دوسرے مسئلہ کے ورثاء کے حصوں کو پہلے مسئلہ کے کل یا وفق میں ضرب دیا جائے گا، پھر دونوں مسئلوں میں ہر وارث کے حصے کو دیکھا جائے گا، جو حصہ کم ہوگا وہ اس وارث کو دیا جائے گا اور جو زائد ہوگا وہ جب تک مفقود کی حیات مانی ہوئی ہے محفوظ رکھا جائے گا۔(۱)

میراثِ مفقود سے متعلق ایک سوال وجواب

سوال: فی زماننا ہٰذا فساد کی وجہ سے ۹۰ برس تک مال محفوظ رکھنے میں مقصودِ میراث ''ایصال الحقوق لاربابھا'' کے خلاف اور مال کے خرد برد ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے، تو کیا زوجۂ مفقود کی طرح میراثِ مفقود کا بھی حکم ہوگا۔

جواب: اس سلسلے میں حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم فرماتے ہیں: پہلے ایک جگہ کے لوگوں کا حال دوسری جگہ کے لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا تھا یا مشکل سے معلوم ہوتا تھا؛ مگر اب ذرائع مواصلات (ڈاک، تار، ٹیلیفون ریڈیو وغیرہ) عام ہو گئے ہیں، اور نوے برس تک مال محفوظ رکھنے میں مال کے خرد برد ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے؛ نیز اس قدر طویل انتظار اس کی بیوی کے لئے بھی سخت صبر آزما مرحلہ ہے؛ چنانچہ متاخرین احناف نے اس کی بیوی کے نکاح ثانی کے سلسلے میں امام مالکؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے کہ جس تاریخ سے شوہر لاپتہ ہوا ہے، اس تاریخ سے چار سال کے بعد قاضی یا جماعت مسلمین کے فیصلہ کے بعد عورت عدتِ وفات گذار کر دوسرا نکاح کرسکتی ہے؛ پس مفقود کے مال کے سلسلے میں بھی اب اس آخری قول پر فتویٰ دینا چاہئے، مذہب حنفی میں بھی یہ روایت موجود ہے، پس جب اسلامی ملک میں قاضی اور غیر اسلامی ملک میں جماعتِ مسلمین اچھی طرح تحقیق وتفتیش کے بعد اپنی صوابدید گی سے مفقود کی موت کا فیصلہ

---

(۱) حوالہ سابق ص: ۳۵۶/۲

کر دیں تو اس کا مال بوقتِ فیصلۂ موت موجود ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

اسی طرح حضرت قاضی مجاہد الاسلامؒ فرماتے ہیں: مفقود ایسا لاپتہ شخص ہے جس کی موت وحیات کے متعلق کچھ خبر نہ ہو، اس کے مال کا حکم یہ ہے کہ جب قاضی ظنِ غالب کی بنیاد پر اس کی موت کا حکم کر دے تو حکم بالموت کے وقت جو لوگ وارث ہوں گے ان کے درمیان اس کا مال تقسیم کر دیا جائے گا۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مفقود پر موتِ حکمی کے فیصلہ کے لئے اصل مفقود کی موت کا ظن غالب حاصل ہونا ہے، اب اگر قاضی یا جماعت مسلمین نے اچھی طرح تحقیق وتفتیش کرلیا ہے اور موتِ مفقود کا ظن غالب حاصل ہو گیا ہو تو مفقود کے موت کا فیصلہ کرنا درست ہونا چاہئے، خواہ یہ فیصلہ کوئی بھی مدت میں ہو۔(۱)

مسئلہ: اگر کسی میت کا وارث کسی جرم میں قید یا نظر بند ہو تو اس وجہ سے وہ اپنے حق وراثت سے محروم نہ ہوگا۔ بلکہ وہ وارث ہو جائے گا خواہ قید کم ہو یا زیادہ (۲)

مرتد اور وراثت

مرتد وہ شخص ہے جو دینِ اسلام سے پھر جائے۔ جو شخص (مرد یا عورت) پہلے مسلمان تھا پھر قادیانی ہو گیا وہ مرتد ہے اور جو شخص (مرد یا عورت) پیدائشی طور پر قادیانی ہو وہ غیر مسلم (کافر) ہے اور جب وارث اور مورث میں دین کا اختلاف کفر واسلام سے ہو تو وراثت نہیں ملتی۔(۳)

مرتد عورت کی وراثت کا حکم

مرتدہ عورت کی پوری کمائی اس کے مسلمان ورثاء کو دیدی جائے گی خواہ اس نے وہ

---

(۱) حوالہ سابق: ۲/۳۶۴ (۲) اسلام کا قانونِ وراثت: ۳۳

(۳) منتخبات نظام الفتاویٰ: ۲/۲۶۱

مال حالتِ اسلام میں کمایا ہو یا حالتِ ارتداد میں کمایا ہو؛ البتہ وہ مال جو دارالحرب جانے کے بعد کمایا ہو وہ مسلمان وارثین کو نہیں ملے گا کیونکہ وہ عوت کافر حربی کے حکم میں ہو جائے گی، اور مسلمان کافروں کا وارث نہیں ہوتا، اس مسئلہ میں ہمارے علمائے احناف متفق ہیں۔(۱)

مرتد وارث ہوگا یا نہیں؟

مرتد شخص بالاجماع کسی کا وارث نہیں بن سکتا نہ کافر کا نہ مسلمان کا نہ اپنی طرح کسی مرتد کا، کیونکہ اس نے ارتداد اختیار کر کے ایک گناہ کا ارتکاب کیا ہے اور وراثت ایک شرعی صلہ ہے اور گنہگار کو صلہ اور نعمت نہیں ملتی۔ نیز مرتد کا کوئی مذہب ہی نہیں ہے کیونکہ جو مذہب اس نے اختیار کیا ہے اس پر اس کو برقرار نہیں رکھا جائے گا یا تو اس کو اسلام پر مجبور کیا جائے گا یا تو قتل کر دیا جائے گا اور میراث کے لئے کسی بھی مذہب پر ہونا ضروری ہے، اسی وجہ سے مذہب کے مختلف ہونے کی وجہ سے آپس میں وراثت جاری نہیں ہوگی، اور اس مسئلہ کی نظیر مرتد کے نکاح کا مسئلہ ہے کہ وہ کسی سے نکاح نہیں کر سکتا، نہ مرتدہ سے نہ مسلمہ سے اور نہ کافرہ سے؛ کیونکہ اس میں ملت و مذہب کا ہونا ضروری ہے اور مرتد کا کوئی مذہب نہیں ہے۔(۲)

مرتدہ سے مسلمان شوہر وارث ہوگا؟

مرتدہ کے اموال میں اس کے سارے مسلمان ورثاء کو وراثت ملے گی، لیکن اس کے مسلمان شوہر کو وراثت نہیں ملے گی، کیونکہ وہ عورت نفسِ ردت سے ہی اپنے شوہر سے بائنہ ہوگئی تھی، اور ابھی اس کے لئے حکماً موت کا فیصلہ بھی نہیں کیا گیا ہے، اور بینونت کی وجہ سے رشتۂ نکاح کے ختم ہونے کی وجہ سے سببِ میراث باقی نہ رہا اسی لئے مسلمان شوہر وارث نہیں ہوگا لیکن اگر مرتد کا انتقال ہوا، اور اس کی بیوی مسلمان ہو، اور مرتد کا انتقال

---

(۱) افضل الراجی فی حل السراجی: ۲/۳۷۹ (۲) حوالہ سابق: ۲/۳۸۰

زمانۂ عدت میں ہو تو مسلمان بیوی وارث ہو گی۔(۱)

تقسیم کے بعد ارتداد سے توبہ

مرتد دارالاسلام سے دارالحرب چلا جائے پھر مسلمان ہو کر دارالاسلام آجائے تو اس کے مال کا حکم کیا ہوگا؟

تو جواباً عرض ہے کہ اسکا وہ مال جو اس کے ورثاء کو دیا گیا تھا اگر وہ ورثاء کے پاس موجود ہو تو اسے دیدیا جائے گا کیونکہ جب وہ مسلمان ہو کر دوبارہ دارالاسلام آیا تو ورثاء کی نیابت ختم ہو گئی اور مرتد ان ورثاء سے زیادہ اپنے مال کا محتاج ہوا؛ اسی لئے وہ اپنے مال کا مالک ہوگا اور اگر ورثاء نے اس مال کو خرچ کر دیا تھا تو وارث پر بدل دینا لازم نہیں ہوگا کیونکہ وارث تو اس مال میں مرتد کا نائب ہے جس میں مرتد کی عدم موجودگی اور اس کے اس مال کی ضرورت کے نہ ہونے کے پیشِ نظر وارث کا تصرف کرنا جائز تھا، اسی لئے خرچ کرنے کی صورت میں بدل بھی لازم نہیں ہوگا۔(۲)

مرتد کے وارث ہونے کی ایک صورت

ایک شخص کے مورث کا انتقال ہوا بوقت انتقال مورث اس کا وارث مسلمان تھا پھر جائداد کے تقسیم ہونے سے پہلے وہ مرتد ہو گیا، تو اب اس مرتد شخص کو وراثت ملے گی، کیونکہ اس میں تحققِ سبب (موتِ مورث) کے وقت اہلیت ارث موجود تھی۔(۳)

کفار ایک دوسرے کے وارث

کفر چونکہ ملتِ واحدہ ہے، اس لئے کافر ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، اگرچہ ان میں مختلف فرقے ہوتے ہیں، مثلاً مجوسی، نصرانی، یہودی، پارسی وغیرہ لیکن وہ ایک ایسی جہت میں جمع ہو جاتے ہیں جو ان سب میں مشترک ہے، اور وہ جہت حق کو

---

(۱) حوالہ سابق ص: ۲/ ۲۸۳ (۲) حوالہ سابق: ۲/ ۳۸۵ (۳) حوالہ سابق

جھٹلانا اور اس کا انکار کرنا ہے، برخلاف مسلم اور کافر کہ ان دونوں میں تضاد ہے کیونکہ وہ جہت واحدہ کے تحت جمع نہیں ہوتے اسی لئے مسلم کافر کا وارث نہیں ہوتا ہے۔(۱)

حصوں کے امتیاز اور سپردگی کے بغیر تقسیم معتبر نہیں

تقسیم میں جب تک سب کا حصہ علیحدہ نہ ہو جائے وہ تقسیم معتبر نہیں بلکہ مالِ مشترک بدستور مشترک رہے گا، اسی طرح اگر بعض شرکاء اپنا حصہ علیحدہ کرلیں مگر بعض کو ان کا حصہ تسلیم نہ کیا جاوے تب بھی وہ تقسیم نافذ نہیں ہوتی۔(۲)

حمل کی میراث کا ایک مسئلہ

ایسی صورت میں جب کہ میت کا حمل ہو جو حمل وارث بننے والا ہے وضعِ حمل تک تقسیم جائیداد کو موقوف کردیا جائے اور بچے کی پیدائش کے بعد حسبِ حصص شرعیہ ترکہ تقسیم کیا جائے۔

تاہم اگر کسی وجہ سے زید کا ترکہ فوری طور پر تقسیم کرنا ضروری ہو تو تقسیم کا اصول یہ ہے کہ ایک مرتبہ حمل کو ایک لڑکا فرض کر کے مسئلہ بنایا جائے، اور دوسری مرتبہ ایک لڑکی فرض کر کے مسئلہ بنایا جائے، پھر موجود وارثین کو دونوں مسئلوں میں جو کم سے کم حصہ مل رہا ہو وہ انہیں دے کر بقیہ کو موقوف رکھا جائے۔ اس کے برخلاف حمل کو دونوں مسئلوں میں جو زیادہ سے زیادہ حصہ مل رہا ہو اسے محفوظ کیا جائے۔(۳)

نیز ورثاء سے لے لیا جائے کہ اگر بچہ زیادہ پیدا ہو تو وہ ماخوذ ترکہ میں سے زائد بچوں کا حصہ واپس کردیں گے، کیونکہ بطن واحد سے ایک بچے کا پیدا ہونا بہ نسبت دو بچے کے پیدا ہونے کے زیادہ عام ہے، اسی لئے حکم کا مدار بھی اسی پر ہوگا البتہ ورثاء سے احتیاطاً عہد لے لیا جائے گا تا کہ زیادہ بچے کے پیدا ہونے کی صورت میں وہ ماخوذ ترکہ میں سے زائد

---

(۱) حوالہ سابق: ۲/ ۲۸۳ (۲) امداد الفتاویٰ مطول جدید: ۹/ ۵۷۷

(۳) مستفاد از کتاب النوازل: ۱۸/ ۴۲۱

حصہ واپس کردیں (۱)

مسئلہ: اگر بچہ مردہ پیدا ہو تو مسئلہ از سرِ نو بنے گا، اور اس کے لئے روکے گئے سبھی سہام موجود وارثین میں حسبِ ضابطہ تقسیم ہوں گے۔ (۲)

حمل کے وارث ہونے کی شرطیں

حمل کے وارث ہونے کے لئے دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

(۱) شرطِ اول: حمل بوقتِ وفاتِ مورث اپنی ماں کے پیٹ میں یقینی طور پر موجود ہو، کیونکہ ارث ایک قسم کی خلافت ہے اور شئی معدوم میں خلافت متصور نہیں ہوتی ہے۔

(۲) شرطِ ثانی: حمل بحالتِ حیات پیدا ہو تاکہ مالک بننے کی اہلیت ثابت ہوجائے (حیات کی علامت بچہ کا رونا، چھینکنا، یا ماں کے پستان کو چوسنا وغیرہ ہے) (۳)

الٹراساؤنڈ مشین سے حمل کا اندازہ

عصرِ حاضر میں طبی اغراض کے پیشِ نظر عورتیں دورانِ حمل الٹرا ساؤنڈ (Ultra Sound) کرواتی ہیں، جس کے ذریعہ جہاں دیگر طبی امور کی تفتیش وتشخیص ہوتی ہے وہیں پیدا ہونے والا بچہ لڑکا ہے یا لڑکی یہ بھی معلوم کیا جاتا ہے، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ بابِ حمل میں اگر ورثاء فوری تقسیم پر مصر ہوں تو بجائے اس کے کہ اصول حمل کی روشنی میں حمل کے لئے دو مسئلے بنائے جائیں (ایک مرتبہ حمل کو مذکر فرض کر کے، اور ایک مرتبہ مؤنث فرض کر کے) الٹراساؤنڈ کے ذریعہ جنس معلوم کر کے حتمی طور پر ترکہ تقسیم کردیا جائے تاکہ دیگر ورثاء کے حصے روکنے کی نوبت نہ آئے تو کیا شرعاً اس کی اجازت ہوسکتی ہے؟

جواب: عام حالات میں محض تقسیمِ میراث کے لئے الٹراساؤنڈ کے ذریعہ بچے کی

---

(۱) افضل الراجی فی حل السراجی: ۲/۳۱۹ (۲) کتاب النوازل: ۱۸/۴۲۲

(۳) افضل الراجی فی حل السراجی: ۲/۳۲۰، ۳۲۳

جنس (gender) معلوم کرنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ یہ عمل بسا اوقات میاں بیوی میں اختلاف ونزاع کا سبب بن کر علیحدگی کا باعث ہوجاتا ہے، اور کبھی حمل کے ضائع ہونے کا شدید اندیشہ ہوتا ہے۔

تاہم اگر کسی ناگزیر ضرورت کے پیش نظر الٹرا ساؤنڈ کروالیا گیا اور ضمناً یہ بات معلوم ہوگئی کہ حمل لڑکا ہے یا لڑکی تو الٹرا ساؤنڈ کی اس رپورٹ کے مطابق حمل کی تقسیم میراث درست ہونی چاہیئے کیونکہ شریعت نے ظن غالب کے مطابق عمل کی اجازت دی ہے اور الٹرا ساؤنڈ کی اس رپورٹ سے ظن غالب حاصل ہوجاتا ہے۔

البتہ ورثاء سے اس بات کا عہد لے لیا جائے کہ اگر حمل اس رپورٹ کے خلاف ظاہر ہوا، اور اس کا شرعی حصہ فوری تقسیم کے دیئے ہوئے حصے سے زیادہ ہوا، تو وہ اس زیادتی کو واپس کردیں گے یہی وجہ ہے کہ جب صاحب سراجی نے مفتیٰ بہ قول کے مطابق حمل کے لئے ایک لڑکا یا ایک لڑکی کا حصہ روکا، تو اس خدشہ کے پیشِ نظر کہ اگر حمل ایک سے زائد پیدا ہو، تو کیا ہوگا؟ اسلئے ورثاء سے عہد لے لیا کہ حمل اگر ایک سے زائد پیدا ہوتو وہ اس کا حصہ شرعی واپس کردیں گے، اس سے معلوم ہوا کہ اس عہد کے ساتھ الٹرا ساؤنڈ کی اس رپورٹ (جس میں بچے کی جنس ضمناً معلوم ہوگئی ہو) کے مطابق فوری طور پر ترکہ کا تقسیم کرنا درست ہے۔(۱)

بیوہ سے زبردستی مہر معاف کرانا

شوہر کے انتقال کے بعد جب اس کا جنازہ گھر سے نکلنے لگتا ہے تو بعض خواتین اس موقعہ پر بیوہ کو مہر معاف کرنے کے لئے مجبور کرتی ہیں اور اس سے کہتی ہیں کہ جلدی سے معاف کردو، وہ بیوی بیچاری پہلے ہی شوہر کے انتقال کے صدمے میں نڈھال ہوتی ہے، دوسری طرف خواتین اس سے زبردستی مہر معاف کراتی ہیں۔ خوب سمجھ لیجئے! اول تو اس

---

(۱) حوالہ سابق: ۲/ ۳۳۵، ۳۳۶

طرح سے مہر معاف کرانا ناجائز ہے، اور اگر وہ بیوہ مجبور ہو کر بادلِ ناخواستہ مہر معاف کردے تو بھی معاف نہیں ہوگا بلکہ اگر شوہر اپنی زندگی میں بھی زبردستی بیوی سے مہر معاف کرائے تو بھی معاف نہیں ہوگا۔(۱)

بیوی سے مہر معاف کرالینا

بعض جگہ دستور ہے کہ نکاح ہو جانے کے بعد پہلی رات میں شوہر اپنی بیوی سے مہر معاف کرالیتا ہے اور یہ دباؤ ڈالتا ہے کہ میں اس وقت تک تمہارے قریب نہیں آؤنگا جب تک تم مہر معاف نہیں کروگی۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ شوہر کا اس طرح سے زبردستی مہر معاف کرانا ناجائز ہے اور اس طرح معاف کرانے سے مہر معاف بھی نہیں ہوتا بلکہ یہ بڑی بے غیرتی کی بات ہے کہ مرد ہو کر عورت سے اپنا مہر معاف کرائے، بلکہ اگر کسی شوہر کی نیت ہی مہر دینے کی نہیں تھی، بلا مہر نکاح کرنا مقصود ہو تو ایسی صورت میں اس شوہر کا اپنی بیوی سے ملنا ''زنا'' کے برابر ہے۔(۲)

مجنون کے مال کی تقسیم کب ہوگی؟

مجنون جو ذہنی طور سے کمزور ہے جس کی دماغی حالت درست نہیں ہے اس کا مال یا اس کا حصۂ میراث دیگر بھائی، بہنوں کے درمیان تقسیم کرنا درست نہیں ہے، اس مال کو اس کی وفات تک محفوظ رکھا جائے گا اس کی وفات کے وقت اس کے جتنے شرعی وارثین موجود ہوں گے ان کے درمیان اسے حسب حصصِ شرعیہ تقسیم کیا جائے گا۔

نیز مجنون کے نفقہ کی ذمہ داری اسکے بھائی، بہنوں پر حسبِ استحقاقِ وراثت واجب ہے پھر جو بھائی بہن اس پر خرچ کریں گے وہ سب مستحق اجر وثواب ہوں گے(۳)

---

(۱) تقسیم وراثت کی اہمیت، ص: ۱۷۹ مفتی عبدالرؤف سکھروی (۲) حوالہ سابق

(۳) مستفاد از کتاب النوازل: ۱۸/ ۴۹۵، ۴۹۶

علاج کے اخراجات ترکہ سے

بڑا بھائی چھوٹے بھائی پر یا کوئی شخص کسی پر علاج کے طور پر پیسہ خرچ کرتا ہے تو اس کی وفات کے بعد اس کے ترکہ میں سے وہ پیسہ ادا کیا جائے گا یا نہیں؟

تو اس کے لئے پہلے اس بات کی تحقیق کرلی جائے کہ خرچ کی ہوئی رقم بطورِ قرض تھی یا بطورِ امداد؟ اگر خرچ کرنے سے پہلے اس نے کہہ دیا کہ یہ بطورِ قرض ہے تو اسے ترکہ میں وصول کیا جائے گا اور اگر بطورِ تعاون تھی تو اسے ترکہ سے وصول نہیں کیا جائے گا، اور اسے حسنِ سلوک کا ثواب مل جائے گا۔(۱)

مابقیہ قسطیں ترکہ سے ادا کی جائیں گی

قسطوں پر خریدا گیا سامان یا گاڑی (جو مرحوم کے ترکہ میں شامل ہے) جس کی اور قسطیں باقی ہیں جو ادا ہونے سے رہ گئی ہیں، انہیں ترکہ کی رقم سے ادا کیا جائے گا۔(۲)

آپسی اتفاق سے تقسیم نہ کرنا

مورث کے انتقال کے بعد متروکہ جائداد دراصل وارثین شرعی کا حق ہے، لہٰذا اگر جملہ وارثین آپسی اتفاق سے کسی بنا پر تقسیم ترکہ میں تاخیر کریں تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور مرحوم سے اس سلسلہ میں کوئی مواخذہ نہ ہوگا اور نہ میت کی روح کو عذاب پہنچے گا۔(۳)

مشترکہ متروکہ املاک میں مرمت کرنا

اگر کسی وارث نے مشترکہ مکان میں رہائش اختیار کی اور اس میں کچھ تعمیر بھی کرائی،

(۱) مستفاد از کتاب النوازل: ۱۸/ ۵۱۷ (۲) کتاب النوازل: ۱۸/ ۵۱۸

(۳) کتاب النوازل: ۱۸/ ۵۱۹

جبکہ دیگر حصہ دار ورثہ نے باوجود یکہ ان کو معلوم تھا اس کو منع نہیں کیا تو ایسی صورت میں ورثہ کا منع نہ کرنا اور خاموش رہنا رضا مندی پر محمول ہوگا اور یہ سمجھا جائے گا کہ ورثہ کی اجازت سے تعمیر ہوئی ہے لہٰذا ذاتی خرچ سے تعمیر کرنے والے وارث کو تعمیر میں لگی ہوئی رقم دیکر ورثہ سے ان کے شرعی حصوں کے تناسب سے وصول کرنے کا حق ہوگا۔(۱)

سود کا روپیہ ادا کرنا ضروری نہیں

اس حوالہ سے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں لکھا ہے کہ جب اصل روپیہ قرض کا ادا ہو گیا تو اگر وارث سود کا روپیہ نہ دے تو کچھ حرج نہیں بلکہ جس حیلہ سے ہو سکے اس کے ادا کرنے سے بچے، لیکن اگر مدعی نالش کرے اور بہ مجبوری اس وارث کو ادا کرنا پڑے تو دینے میں گنہگار نہ ہوگا۔(۲)

حصۂ میراث دیں! جہیز نہیں

لڑکی کو شادی کے وقت جو جہیز دیا جاتا ہے اس کی وجہ سے والد کے مرنے کے بعد وہ وراثت سے محروم نہیں ہوگی، کیونکہ وراثت ایک امر اضطراری ہے جو بعد مرنے کے ظاہر ہوتا ہے کمافی الدر المختار: اواضطراری وھو المیراث (۳) **اور جو مال بہ طور جہیز شادی کے وقت دیا جاتا ہے وہ لڑکی کی ملک ہو جاتا ہے، والد اور اس کے یعنی لڑکی کے مرنے کے بعد اس کے کسی وارث کو حق استرداد حاصل نہیں** ہے کمافی الدر المختار: جھز ابنته بجهاز وسلما ذلک، لیس له الاسترداد منها ولالورثته بعده ان سلمها ذلک فی صحته بل تختص به وبه یفتی (۴)

بہ صورت نزاع اگر والد بہ دعویٰ عاریت اسے وراثت قرار دے اور زوجہ یا اس کے

(۱) مستفاد از فتاویٰ محمودیہ: ۱۴/۲۰۱ ڈابھیل کتاب النوازل: ۱۸/۵۲۰، ۵۲۱

(۲) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۷/۴۹۶ (۳) الدر مع الرد: ۱۰/۴۰۷

(۴) درمع الشامی: ۴/۲۲۸

مرجانے کے بعد اس کا شوہر دعویٰ تملیک کرے تو زوجہ اور اس کے شوہر کا قول معتبر ہوگا ''فالمعتمد ان القول للزوج الخ ''(۱)

اس حوالہ سے مولانا یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں کہ ترکہ کا حصہ متعین ہوتا ہے کہ کل جائیداد اتنی مالیت کی ہے اور اس میں فلاں وراثت کا اتنا حصہ ہے لیکن جہیز کی مالیت تو متعین نہیں ہوتی والدین حسب توفیق دیا کرتے ہیں، پس جہیز ترکہ کے قائم مقام کیسے ہوسکتا ہے؟ پھر ایک جہیز کے بدلے دوسری چیز دینا ایک معاملہ، ایک سودا، ایک لین دین ہے اور کوئی معاملہ اور سودا دوفریقوں کے بغیر نہیں ہوا کرتا ہے تو کیا والدین اور لڑکیوں کے درمیان یہ سودا طئے ہوا تھا کہ یہ چیز تمہیں تمہارے حصۂ وراثت کے بدلے میں دیا جاتا ہے؟ الغرض لڑکیوں کو میراث نہ دینا اپنے لئے دوزخ خریدنا ہے۔(۲)

حرام ترکہ میں میراث

اس میں تفصیل ہے جن لوگوں سے وہ مال بہ طریق حرام مورث نے حاصل کیا ہے اگر وہ معلوم ہوں تو ان کے پاس لوٹانا واجب ہے اور اگر ان کا پتہ نہ چلے کہ کس کس سے وصول کیا ہے مگر فلاں شئی بعینہٖ اس نے حرام سے حاصل کی ہے تو وارث کو اپنے صرف میں لانا حرام ہے اسے صدقہ کردینا واجب ہے، مگر صدقہ میں اصل مالک کی نیت کرے گویا اس کی جانب سے صدقہ کیا جارہا ہے اور اگر مال مختلط ہے حلال وحرام سے اور نہ ان کا پتا ہے کہ مورث نے کن لوگوں سے حاصل کیا ہے اور شئی بعینہٖ حرام کا پتا نہیں ہے تو اس صورت میں وارث کے لئے یہ مال ازروئے فتویٰ حلال ہے اور صدقہ کردینا زیادہ مستحسن ہے۔(۳)

---

(۱) الدر مع الرد: ۴/۲۲۹، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۵۰۵

(۲) مستفاد از آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۷/۴۰۲

(۳) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷/۵۴۴ ومستفاد از فتاویٰ محمودیہ: ۳۰/۳۳۹

ترکہ میں مخلوط مال ہو؟

جس قدر مال حرام ہے اس کو علیحدہ کر کے مالکوں کو واپس کرے اور اگر وہ نہ ہوں تو ان کے وارثوں کو دیا جائے اور اگر کوئی نہ ملے تو فقراء پر صدقہ کر دیا جائے اور نصف مال جو حلال ہے اس کو علیحدہ کر لیا جائے۔(۱)

اس حوالہ سے حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد غزالیؒ فرماتے ہیں کہ:

کسی شخص کو وراثت میں کچھ مال ملا، مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ اس کے مورث نے یہ مال جائز طریقے سے حاصل کیا تھا یا ناجائز ذرائع سے۔ اس مال میں کوئی ایسی علامت بھی موجود نہیں ہے جو اس کی حلت وحرمت پر دلالت کرے، اس سلسلے میں تمام علماء مذکورہ مال وراثت کے جواز پر متفق ہیں، لیکن اگر وارث کو یہ معلوم ہو کہ اس مال میں حرام مال کی آمیزش بھی ہے، اور یہ نہ جانتا ہو کہ اس حرام مال کی مقدار کیا ہے تو ظن وتخمین سے کام لے، اور حرام مال نکال دے، تیسری صورت یہ ہے کہ وارث نہیں جانتا کہ اس مال میں حرام مال بھی مخلوط ہے، لیکن وہ یہ جانتا ہے کہ اس کا مورث بادشاہ اور حکام کے یہاں آمد ورفت رکھتا تھا، یا ان کا ملازم تھا، یہ ممکن ہے کہ اس نے اپنے عمل کے سلسلے میں ان لوگوں سے کچھ لیا ہو ساتھ ہی یہ خیال بھی ہے کہ طویل عرصہ گذرنے کی وجہ سے وہ مال اب باقی نہیں بچا ہے، یہ شبہ کی صورت ہے اس میں ورع بہتر ہے، واجب نہیں ہے، اور اگر وارث یہ جانتا ہو کہ اسکے مورث کو کچھ مال ظلم کے ذریعہ ملا تھا تو وارث کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اجتہاد کی مدد سے مذکورہ حرام مال اپنے مال سے خارج کر دے، بعض علماء کہتے ہیں کہ وارث پر ایسا کرنا واجب نہیں ہے، نہ اس پر کسی طرح کا کوئی گناہ ہے، گناہ صرف مورث پر ہے۔(۲)

(۱) حوالہ سابق: ۵۴۶/۱۷ (۲) احیاء علوم الدین: ۲۱۰/۲ دار الاشاعت کراچی اردو بازار

وارث اور مورث ایک ساتھ مرجائیں

اگر چند رشتے دار کسی حادثے میں ایک ساتھ مرجائیں مثلاً کشتی ڈوب جائے یا آگ لگ جائے یا دیوار گرجائے ، اکسیڈنٹ ہوجائے وغیرہ، اور ان سب کی وفات ہوجائے اور کسی طرح یہ معلوم نہ ہوسکے کہ کس کی وفات پہلے اور کس کی وفات بعد میں ہوئی ہے تو دوسرے زندہ ورثہ تو ان کے وارث ہوں گے لیکن یہ لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے یہی مختار مذہب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

لیکن اگر ترتیب معلوم ہوجائے یعنی یہ معلوم ہو کہ کون پہلے مرا اور کون بعد میں مرا، اور اس میں کسی قسم کا التباس نہ ہو تو اس میں بعد میں مرنے والا پہلے مرنے والے کا وارث ہوگا۔ ''اعلم ان احوالھم خمسة احدھا ھذا، وھو ما اذا علم سبق موت احدھما، ولم یلتبس فیرث الثانی من الاول'' (۱)

فوت ہونے کی ترتیب ٹسٹ سے

جیسا کہ معلوم ہوا کہ بسا اوقات ایک ہی خاندان کے بہت سے افراد فسادو حوادثات میں لقمۂ اجل بن جاتے ہیں ایسی صورت میں کون پہلے مرا اور کون بعد میں، اس کی خبر نہیں ہو پاتی تو کیا جدید آلات (جسے ڈی این اے ٹسٹ کہتے ہیں) کا سہارا لیکر اس مشکل کو حل کیا جاسکتا ہے، یعنی میراث کی تقسیم ومناسخہ اور حرقی، غرقی میں اس کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ آلات جدیدہ ڈی این اے ٹسٹ کے ذریعہ اس بات کا پتہ لگانا کہ کون پہلے مرا اور کون بعد میں جائز ہے، اس کا تقسیمِ میراث ومناسخہ میں بھی اعتبار ہوگا۔(۲)

---

(۱) رد المحتار: ۱۰/ ۵۵۵، افضل الراجی فی حل السراجی: ۲/ ۳۹۲

(۲) حوالہ سابق: ۲/ ۳۹۵، ۳۹۶

ایک ساتھ مرنے والوں کی تقسیمِ میراث

ہر مرنے والے کا الگ مسئلہ بنا کر اس کے وارثین کے مابین تقسیم کیا جائے گا مثلاً: باپ اور بیٹے کا ایک ساتھ انتقال ہو گیا اور ان میں سے ہر ایک کی صرف ایک بنت وارث ہے تو اس صورت میں نہ تو باپ بیٹے کا وارث ہوگا اور نہ ہی بیٹا باپ کا وارث ہوگا لیکن اب کے لئے وارث اس کی بنت اور بنت الابن ہوگی اور ابن کے لئے اس کی وارث اخت اور بنت ہوگی کیونکہ ابن کی بیٹی اب کی پوتی ہوئی اور ابن کی بیٹی ابن کی بہن ہوئی۔(۱)

متبنیٰ وارث نہیں

اگر کوئی شخص کسی بچے کو لے پالک یعنی منہ بولا بیٹا (متبنیٰ) بنالے تو حقیقت کے اعتبار سے وہ اس کا بیٹا اور وہ اس شخص کا باپ نہیں بن جاتا، اس بچہ کا حقیق باپ وہی ہے جس کے نطفہ سے وہ پیدا ہوا ہے اور اس بچے کا نسب بھی اسی حقیقی باپ سے ثابت ہوگا اور اسی کا وارث بنے گا، جس شخص نے منہ بولا بیٹا بنایا ہے اس کا وارث نہ ہوگا قرآن مجید میں ہے:

وَما جَعَلَ أَدْعِياءَ كُمْ أَبْناءَ كُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْواهِكُمْ

اور تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا (سچ مچ) کا بیٹا نہیں بنادیا یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے (جو غلط ہے واقع کے مطابق نہیں) (۳)

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے افضل الراجی فی حل السراجی: ۲/۳۹۶

موانع ارث کے احکام

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وارث سبب وراثت کے پائے جانے کے باوجود اپنی ذات میں کسی وصف کے پائے جانے کی وجہ سے وراثت سے محروم ہو جاتا ہے یعنی آدمی کے اندر سے اہلیتِ ارث ہی ختم کر دیتا ہے، ان اوصاف کو موانعِ ارث کہتے ہیں اور ایسے اسباب چار ہیں جن سے وارث وراثت سے محروم ہو جاتا ہے۔

پہلا سبب: رقیت (غلامی) ہے اور رقیت ایک معنوی کمزوری ہے جس کو اللہ نے کفر وشرک کے اختیار کرنے کی وجہ سے انسان میں رکھی ہے، اسی لئے اس اثر کی وجہ سے غلام ان اہم تصرفات (شہادت ولایت، ملکیت وغیرہ) سے عاجز ہوتا ہے جن پر ایک آزاد شخص قادر رہوتا ہے۔

غلامی کے مانع ارث ہونے کی وجہ

غلام کے محروم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مال کا مالک نہیں ہوتا، اس کا سارا مال آقا کا ہوتا ہے، اسلئے اس کو وراثت دینا گویا اس کے آقا کو وراثت دینا ہے جو میت کا رشتہ دار نہیں ہوتا ہے، اور غیر رشتہ دار کو بغیر کسی سبب کے وراثت دینا بالاجماع باطل ہے(۱)

دوسرا سبب: دوسرا مانع وہ قتل ہے جس میں قاتل پر قصاص یا کفارہ واجب ہو (یعنی وارث مورث کو قتل کر دے تو وارث وراثت سے محروم ہو جاتا ہے)

قتل کے مانع ارث ہونے کی وجہ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ **صاف فرمایا کہ** ''القاتل لا یرث''(۲) **کہ قاتل وارث نہیں ہوتا۔**

---

(۱) افضل الراجی فی حل السراجی: ۱/۱۲۰ (۲) سنن الترمذی، کتاب الفرائض

نیز قاتل قتل محظور کے ذریعہ میراث کوجلدی حاصل کرتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی چیز کو اس کے وقت سے پہلے لینا چاہے وہ بطورِ سزا اس چیز سے محروم کر دیا جاتا ہے جیسا کہ قاعدۂ فقہیہ ہے ''من استعجل بالشیء قبل اوانه عوقب بحرمانه'' نیز اگر قاتل کو وراثت سے محروم نہ کیا جائے گا تو لوگ میراث کے خاطر مورث کو قتل کریں گے اور نظامِ عالم تہہ وبالا ہوجائے گا۔

تیسرا سبب: اختلاف الدینین (وارث اور مورث کے دین کا مختلف ہونا ہے) یعنی دو مختلف دین والوں کے درمیان وراثت جاری نہ ہوگی، مثلاً ایک مسلمان ہے اور دوسرا خواہ اس کا وارث ہو یا مورث یہودی، نصرانی، ہندو وغیرہ ہو تو وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے کیونکہ بخاری شریف کی روایت ہے اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ''لَا یَرِثُ المسلِمُ الْکَافِرَ وَلَا الْکَافِرُ المسْلِمَ'' (۱) کہ مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بنے گا۔ (۲)

مسلمان کافر میں توارث نہ ہونے کی وجہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوگا۔ اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا، یہ قانون اس لئے نافذ کیا گیا ہے کہ مسلمان اور کافر میں مواسات ومودت اور غمخواری کا رشتہ ٹوٹ جائے، کیونکہ اس قسم کا اختلاف فساد دین کا باعث ہوتا ہے مسلمان اور مشرک میں مناکحت کی ممانعت کی وجہ بھی قرآن نے یہی بیان کی ہے، ارشاد پاک ہے: ''وہ دوزخ کی طرف دعوت دیتے ہیں'' (۳) یعنی مشرکین ومشرکات کے ساتھ اختلاط ومحبت جو مناکحت کا لازمی تقاضا ہے شرک کی طرف رغبت کا باعث ہوگا، جس کا انجام دوزخ ہے، پس اس سے کلی اجتناب چاہئے۔ (۴)

---

(۱) صحیح البخاری: ۲/۱۰۰۱ (۲) حوالہ سابق: ۱/۱۳۹

(۳) سورہ البقرۃ آیت: ۲۲۱ (۴) رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۴/۶۵۶

اگر کافر قبل تقسیم مسلمان ہو جائے؟

اگر کوئی کافر اپنے مسلمان مورث کے انتقال کے بعد، بعض میراث کے تقسیم سے پہلے مسلمان ہو جائے تو وہ اس ما باقی مال کا وارث ہوگا جو ابھی تقسیم نہیں ہوا ہے، اور اگر اس کا پورا مال تقسیم ہو گیا اور ہر وارث کا حق متعین ہو گیا، پھر وہ اسلام قبول کرتا ہے تو اس کو کچھ نہیں ملے گا۔(۱)

چوتھا سبب: میراث کا چوتھا سبب مانع اختلاف دار ہے یعنی اگر ایک دارالحرب کا کافر ہو، دوسرا دارالاسلام کا کافر، تو وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے گرچہ دونوں کے درمیان سببِ ارث قرابت موجود ہو۔

لیکن یہ اختلاف دار فیما بین الکفار مانع ارث ہے، فیما بین المسلمین مانع ارث نہیں ہے لہٰذا اگر ایک مسلمان مورث مثلاً لندن میں ہو اور اس کا وارث مثلاً ہندوستان میں ہو، تو یہ اپنے مورث کا وارث ہوگا۔(۲)

کیا سرکاری مقبوضہ زمین میں وراثت جاری ہوگی؟

سرکاری زمین پر اگر ناجائز قبضہ ہے تو سرکار کی زمین سرکار کو واپس کر دینی چاہئے لیکن اگر یہ قبضہ ۳۳ سال سے زیادہ عرصہ سے چلا آرہا ہے اور سرکار کی طرف سے کوئی دعویٰ نہیں ہے تو شرعی طور پر قابضین کی ملکیت شمار ہوگی اور اس میں قابضین کے وارثین کے لئے میراث جاری ہوگی اور اس جائیداد میں لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کا بھی شرعی حق جاری ہوگا۔(۳)

حقِ کرایہ داری میں وراثت جاری ہوگی یا نہیں؟

اگر کرایہ دار دوسرے کرایہ دار کو اپنے حق کرایہ داری سے دست برداری کے عوض

(۱) افضل الراجی فی حل السراجی: ۲؍۱۴۳ (۲) حوالہ سابق: ۱؍۱۴۵

(۳) فتاویٰ قاسمیہ: ۲۵؍۵۲۸

میں پیسہ لے کر کرایہ منتقل کر دیتا ہے اور اس پر مالک جائیداد بخوشی دستخط کر دیتا ہے تو ایسی صورت میں حق کرایہ داری سے دست برداری پر جو پیسہ لیا گیا ہے وہ پیسہ اس کے سارے ورثاء کے درمیان شرعی حصہ کے اعتبار سے تقسیم ہو جائے گا۔(۱)

کرایہ کی دوکان میں وراثت

کرایہ کی جائیداد ہندوستان میں دو قسموں پر ہے(۱) وہ جائیداد جن کو کرایہ سے خالی کرانے کا مالک کو اختیار نہیں ہے۔(۲) وہ جائیداد جن کو خالی کرانے کا مالک کو اختیار رہتا ہے جیسا کہ مدارس ومساجد وغیرہ کی جائیدادیں ہیں۔

تو جن جائیداد کو خالی کرانے کا اختیار نہیں ہے ان میں شرعاً کرایہ کے تمام ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے، خریدنے کی صورت میں حق خریداری سب کو حاصل ہو جاتا ہے، اور رہائش اور منافع حاصل کرنے کی صورت میں حق رہائش اور حق منفعت بھی سب کو حاصل ہو جاتے ہیں، اور جن کو خالی کرانے کا اختیار رہوتا ہے ان کا معاملہ صرف قابض تک محدود رہتا ہے ان میں ورثاء وغیرہ کسی کا کوئی حق متعلق نہیں ہوتا۔(۲)

کیا پگڑی کی رقم میں وراثت جاری ہوگی؟

پرانے کرائے دار جن سے دوکان خالی کرانے کا اختیار مالک جائیداد کو نہیں ہوتا ہے ان کرایہ داروں کو جائیداد پر ہندوستانی قانون کے مطابق برقرار رہنے کا حق باقی رہتا ہے، شریعت کے نزدیک یہ قانون غلط اور ناجائز ہے اور کرایہ دار کا خالی نہ کرنا یہ بھی ایک ناجائز عمل ہے؛ لیکن فقہاء نے بدلِ خلو کے طور پر حق قرار کا عوض لینے کی گنجائش لکھی ہے اس اعتبار سے خالی کرنے پر پگڑی کی جو رقم ملی ہے اس میں سب کا حق متعلق ہے جیسے لڑکوں کا حق ہے ویسے ہی لڑکیوں کا بھی حق ہے۔(۳)

---

(۱) فتاویٰ قاسمیہ: ۲۵/۱ ۵۳ (۲) حوالہ سابق: ۲۵/۲ ۵۳ (۳) فتاویٰ قاسمیہ: ۲۵/۷ ۵۳

تقسیم ترکہ سے قبل زکوۃ نکالنا

اگر میت نے واقعتاً زکوۃ نہ نکالی ہو اور نہ ہی انتقال کے وقت گذشتہ سالوں کی زکوۃ نکالنے کی وصیت کی ہو تو ترکہ تقسیم کرنے سے قبل اس کے وارثین پر زکوۃ نکالنا ضروری نہیں، بلکہ بغیر زکوۃ نکالے بھی وہ آپس میں ترکہ تقسیم کرسکتے ہیں مگر گذشتہ سالوں کی زکوۃ ادا نہ ہونے کی وجہ سے مذکورہ میت اللہ کے یہاں مواخذ ادار ہوگا، اس لئے وارثین کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے۔ ’’ثم تقدم دیونه التی لها مطالب من جهة العباد واما دین الله تعالیٰ فان اوصیٰ به وجب تنفیذه من ثلث الباقی والالا الخ ‘‘(۱)

شئی مرہون میں وراثت کا حکم

گروی رکھی ہوئی چیز مالک کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتی، اسی طرح مالک کی وفات کے بعد وارثین کی میراث بننے سے خارج نہیں ہوتی ہاں البتہ جس قرض پر رکھی گئی ہے اس کی ادائیگی میں ہر وارث اپنے حصے کے تناسب سے شریک ہوجائیں گے لہذا اگر ایک وارث نے پیروی کرکے اپنے پیسہ سے چھڑالی ہے تو دوسرے وارثین پر لازم ہے کہ اپنے اپنے حصوں کے تناسب سے قرض میں شریک ہوکر پیروی کرنے والے نے جو خرچ کیا ہے اس کو وہ پیسہ ادا کردیں نیز پیروی کرنے والے کے حصہ سے بھی اسی تناسب سے کاٹا جائے گا، کیونکہ یہ میراث میں سے قرض ادا کرنے کے حکم میں ہے اور قرض جمیع میراث سے ادا کرنا ہوتا ہے۔(۲)

ایکسیڈنٹ میں ملنے والی معاوضہ کی رقم ترکہ ہے

ایکسیڈنٹ میں مرنے والوں کے پسماندگان کو حکومت کی طرف سے جو رقم ملتی ہے وہ ہندوستان جیسے ممالک میں اگرچہ باضابطہ دیت نہیں ہے لیکن دیت کے مشابہ ہے،

(۱) شامی: ۱۰/ ۴۹۵، فتاویٰ قاسمیہ: ۲۵/ ۱۹۱ (۲) فتاویٰ قاسمیہ: ۲۵/ ۲۱۴

اس لئے شرعی ورثاء کے درمیان میراث کی طرح تقسیم کردی جائے گی۔(۱)

کتاب النوازل میں لکھا ہے کہ ایکسیڈنٹ کے بعد گورنمنٹ سے جو رقم ملتی ہے وہ ترکہ میں شامل ہوگی اور تمام وارثین میں تقسیم ہوگا فقط بیوی کا حق نہ ہوگا۔(۲)

مفتی شبیر احمد صاحب دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: حادثاتی موت پر حکومت کی طرف سے ملنے والا معاوضہ دیت کے حکم میں ہے، جس کا لینا جائز اور درست ہے اور اس معاوضہ میں تمام ورثاء کا حق ہوگا خواہ حکومت نے مخصوص وارثین کے لئے نامزد تعاون کا اعلان کیا ہو یا نامزد تعاون کا اعلان نہ کیا ہو۔(۳) نیز میڈیکل امداد جو گورنمنٹ کی طرف سے ملتی ہے اسکے متعلق مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی ترکہ میں شامل ہے سب ورثہ اس کے حقدار ہوں گے۔(۴)

سرکاری ملازم کو ملنے والی پنشن میراث ہے یا بیوی کا حق تبرع؟

سرکار کی طرف سے ملنے والی پنشن صرف بیوی کا حق ہے، اس میں میراث جاری نہ ہوگی، کیونکہ میراث میت کے مملوکہ مال میں جاری ہوتی ہے، جبکہ پنشن میت کی ملک نہیں بلکہ سرکار کی طرف سے محض تبرع اور احسان ہے۔

نیز یہ رقم صرف بیوی ہی کو مل سکتی ہے، اگر بیوی نہ ہو تو یہ رقم نہیں ملتی اور بیوی کی موت پر بند ہو جاتی ہے اور کسی موقع پر ہم نے کسی بڑے کا فتویٰ دیکھ کر میراث جاری ہونے کو لکھا تھا جو صحیح نہیں تھا اب ہم نے اس سے رجوع کرلیا ہے۔(۵)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ پنشن کا پیسہ دو وجہوں سے میراث اور ترکہ میں شامل نہیں ہوسکتا۔

---

(۱) فتاویٰ قاسمیہ: ۲۵/ ۲۳۳
(۲) کتاب النوازل: ۱۸/ ۱۶۳
(۳) فتاویٰ قاسمیہ: ۲۵/ ۲۳۶
(۴) فتاویٰ محمودیہ: ۲۰/ ۴۰۴
(۵) فتاویٰ قاسمیہ: ۲۵/ ۲۳۷

(۱) عمر بھر کی پنشن کا سارا پیسہ اکٹھے یک مشت نہیں مل سکتا۔

(۲) بیوی کب تک زندہ رہے گی کسی کو معلوم نہیں ہے اور بیوی جب تک زندہ رہے گی تب تک اس کے نام سے پنشن کا پیسہ منجانب سرکار آتا رہتا ہے لہٰذا کتنی مقدار پنشن کا پیسہ ہے وہ معلوم اور متعین نہیں ہوسکتا اور میراث میں وہی چیز تقسیم ہوتی ہے جو معلوم اور متعین ہوتی ہے اسی لئے ملازم کی موت کے بعد اس کی بیوی کے نام سے جو پنشن جاری ہوتی ہے وہ میراث نہیں بن سکتی وہ بیوی کے ساتھ خاص ہے جب تک وہ زندہ رہے گی سرکار اس کو دیتی رہے گی، لہٰذا پنشن کا پیسہ تنہا بیوی ہی کا حق رہے گا، وارثین کا حق اس سے متعلق نہیں ہوگا۔(۱)

البتہ حکیم الامتؒ سرکاری وظیفہ سے متعلق فرماتے ہیں کہ میراث چونکہ مملوکہ اموال میں جاری ہوتی ہے اور وہ وظیفہ محض تبرع واحسان سرکار کا ہے بدون قبضہ کے مملوک نہیں ہوتا، لہٰذا آئندہ جو وظیفہ ملے گا اس میں میراث جاری نہیں ہوگی سرکار کو اختیار ہے جس طرح چاہے تقسیم کردے، البتہ اگر وظیفہ کسی جائیداد مملوکہ کا نفع جائز ہے تو اس میں میراث جاری ہوگی۔(۲)

اس حوالہ سے فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ ملازم کی کارکردگی کی اجرت کا جز جو کہ جمع کرلیا جاتا ہے وہ ملازم کا دین ہے اس پر جتنی رقم زائد ملتی ہے وہ اسی کا انعام ہے، گو کہ مستحق ملازم ہی ہے، ملازمت ختم ہونے پر وہ اس کو وصول کرسکتا ہے اگر اس سے پہلے اس کا انتقال ہوگیا تو ورثاء پر بحصۂ شرعی اس کی بھی تقسیم ہوگی، تاہم انعام دینے والا چونکہ ابھی تک اپنے انعام کا مالک ہے، وہ اگر ملازم کی کارکردگی کا انعام اس کے کسی مخصوص وارث کو دینا چاہے تو اس کو حق ہے۔(۳)

---

(۱) مستفاد از فتاویٰ محمودیہ، امداد الفتاویٰ، حوالہ سابق: ۲۳۸/۲۵

(۲) امداد الفتاویٰ جدید مطول: ۵۸۱/۹ (۳) فتاویٰ محمودیہ: ۲۴۷/۲۰

مرحومہ کے زیورات، مہر، جہیز وغیرہ کی شرعی تقسیم

لڑکی کو میکہ کی طرف سے جو زیورات ملے ہوئے ہیں وہ لڑکی ہی کی ملکیت ہیں اور شوہر کی طرف سے جو زیورات دیئے گئے ہیں وہ اگر بطورِ ملکیت دیئے گئے ہیں تو وہ بھی لڑکی کی ملکیت میں شمار ہوں گے اور اگر مالکانہ طور پر نہیں دیئے ہیں مگر آپ کے معاشرہ میں ہی رواج ہے کہ جو زیورات دیئے جاتے ہیں وہ لڑکی کے ہو جاتے ہیں تو ایسی صورت میں یہ سب لڑکی کی طرف سے متروکہ میراث میں شمار ہوں گے اور ان زیورات کے علاوہ الگ سے اگر مہر متعین ہو چکا ہے اور اس کی ادائیگی نہیں ہوئی ہے تو شوہر کے اوپر مہر بھی بطورِ قرض کے لازم ہے اور بیوی کی موت کے بعد یہ ساری چیزیں اس کی متروکہ میراث ہیں۔(۱)

مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام اور آپسی تنازعات کا حل

اللہ پاک نے اس روئے زمین کو انسانوں سے آباد کیا، ان کے آپس میں رشتے ناطے قائم کئے، ایک دوسرے کے ساتھ ضرورتیں وابستہ کیں، باہم تعارف کے لئے خاندانوں اور معاشروں کا سلسلہ جاری کیا، اور حقوق وفرائض کا ایک کامل نظام عطا فرمایا، یہ سب چیزیں ظاہر کرتی ہیں کہ انسان باہم مربوط بھی ہے اور اپنی پرائیوٹ زندگی میں بہت حد تک آزاد بھی، یہ دونوں چیزیں توازن کے ساتھ ہوں تو گھر اور معاشرہ جنت نظیر بن جاتا ہے اور توازن بگڑ جائے تو وہی گھر اور سماج جہنم کا نمونہ بن جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ انسان سماجی حیوان ہے، یعنی انسان تنہا زندگی نہیں گذار سکتا، اسے بہت سے لوگوں کی رفاقت کی ضرورت ہوتی ہے، رفاقت کے مختصر دائرے سے (جو قریبی رشتہ داروں پر مشتمل ہے) خاندان بنتا ہے، اور وسیع دائرہ سے جس میں رشتہ دار، ہمسائے، دوست واحباب اور ایک جگہ رہنے والے سارے لوگ شامل ہوں ''سماج''

---

(۱) فتاویٰ قاسمیہ: ۲۵/ ۲۵۱

وجود میں آتا ہے، اسلام میں بھی خاندان کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے خاندان (شعوب وقبائل) کو انسان پر اپنی نعمتوں میں شمار کیا ہے، غرض کہ انسان کی اپنی انفرادیت بھی ہے اور وہ ایک اجتماعی ڈھانچہ کا حصہ بھی حصہ ہے۔

زندگی گزارنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ایک مختصر خاندان کے تمام افراد جیسے اسکے والدین، بیوی، بچے، اور بھائی بہن ایک ساتھ رہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ انسان صرف اپنے بال بچوں کے ساتھ رہے یا زیادہ سے زیادہ اپنے والدین کو اپنے ساتھ رکھے، معاشرت کے ان دونوں طریقوں میں بعض محاسن بھی ہیں اور بعض مفاسد بھی، مشترکہ خاندانی نظام میں خاندان کے کمزور لوگوں کی مدد ہوتی ہے، بیوہ، مطلقہ عورتوں اور یتیم لڑکوں اور لڑکیوں کی بہتر طور پر پرورش ہو جاتی ہے، بوڑھے ماں باپ کو سہارا حاصل ہوتا ہے، جبکہ اس سے بعض اوقات باہمی نزاع بھی اٹھ کھڑی ہوتی ہے، چچازاد اور پھوپی زاد بھائی بہنوں کے درمیان پردہ کا اہتمام دشوار ہو جاتا ہے، دوسری طرف علیحدہ خاندانی نظام میں انسان کے اندر اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کر کے اپنی ضرورتوں کو خود پوری کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے دیر تک تعلقات میں ہم آہنگی باقی رہتی ہے، مگر اس کا منفی پہلو یہ ہے کہ بوڑھے اور خدمت کے محتاج ماں باپ اور خاندان کے بزرگ حضرات تنہا پڑ جاتے ہیں، یتیم بچے اور مطلقہ عورتوں کا بعض دفعہ کوئی پرسانِ حال نہیں رہتا۔

دیہات سے شہر کی طرف نقلِ مکانی، الگ رہنے کا بڑھتا ہوا مزاج اور مکانات کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے اب مشترکہ خاندان کے بجائے جداگانہ خاندان کا رجحان بڑھتا جارہا ہے، اس رجحان کی وجہ سے مغربی ملکوں میں بوڑھے لوگوں کے مستقل ہاسٹل تعمیر ہو رہے ہیں؛ بلکہ اب ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں بھی اس کی شروعات ہو چکی ہے۔

اسلام کے خاندانی نظام میں یہ بات بنیادی طور پر پیشِ نظر رکھی گئی ہے کہ صلہ رحمی بھی برقرار رہے اور ایک دوسرے کے مادی اور اخلاقی حقوق بھی ادا ہوتے رہیں، اور کسی

طرح بھی قائم شدہ رشتہ داریوں میں دراڑ اور شگاف نہ آئے لہٰذا یہ بات اس پس منظر میں کہی جاسکتی ہے کہ اسلام ایسا نظام چاہتا ہے جس میں (۱) محرم اور غیر محرم کے درمیان شرعی حدود بھی قائم رہے اور اختلاط نہ ہو (۲) جس سے جس کے حقوق وابستہ ہیں وہ بھی بحسن وخوبی ادا ہوتے رہیں (۳) اہلِ قرابت، ماں باپ اور بھائی بہن کے درمیان کسی بھی طرح نااتفاقی نہ پیدا ہو۔

سماجی حقوق

یہ مشاہدہ ہے کہ مشترکہ خاندان میں سماجی مسائل اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب نامحرم رشتہ داروں کا اندرونِ خانہ کثرت سے آنا جانا، رہائش پذیر ہونا، اور پھر خواتین کا رفتہ رفتہ بے پردگی کے ماحول میں ڈھلتا جانا، عام ہوجاتا ہے، اور آدمی رشتہ داری اور قرابت داری نبھانے کی حمیت میں شریعت کی قائم کردہ حدود کو توڑتے چلے جانے کا عادی ہوجاتا ہے، شریعت نے بنیادی طور پر ایسے تمام مقامات جہاں شخصی طور پر مرد وعورت کی عزت وشرافت کو ٹھیس پہنچ سکتی ہو، یا ناشتہ ماحول پیدا ہوسکتا ہو، یا خاندانی یا اجتماعی زندگی میں ناروا تلخیاں در آسکتی ہوں، وہاں احتیاطی تدابیر اختیار کئے جانے پر زور دیا ہے اور کتاب وسنت میں کافی مقدار میں نصوص اور ہدایات اس سلسلہ میں موجود ہیں۔

حقوق کی ادائیگی کا مسئلہ

مشترکہ اور علیحدہ خاندانی نظام کی بحث حقوق کی ادائیگی سے بھی جڑی ہوئی ہے، عام طور پر والدین جب بچوں کی شادی کی ذمہ داری سے فارغ ہوجاتے ہیں اور لڑکے اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہنے لگتے ہیں تو پھر والدین کے جانی ومالی حقوق میں دانستہ اور نادانستہ کمی آنے لگتی ہے، اور پھر جانبین سے شکایات کے سلسلے بھی شروع ہوجاتے ہیں۔

اہل قرابت، بھائی بہن اور والدین کے ساتھ انصاف

عام طور سے یہ بھی ہوتا ہے کہ شادی کے بعد دیگر قرابت داروں یتیم اور مسکین خواہر

وبرادران کی طرف لوگوں کی توجہ کم ہونے لگتی ہے اور ایک طرف بیوی بچوں کے حقوق اور دوسری طرف اہل قرابت کے مالی مطالبے اور اس پر معاشی کمزوری کا دباؤ، اس صورتحال میں دن بدن مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں اور گھریلو ماحول پراگندہ ہونا شروع ہوجاتا ہے، اور یہ کبھی انسان کے علاحدہ رہنے کے سبب بھی ہوتا ہے اور کبھی مشترک رہنے کی شکل میں بھی۔

معاشرہ کی ان گوں ناگوں پیچیدگیوں، حقائق پر مبنی والدین اور اہلِ قرابت کی حق تلفیوں اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے سماجی و معاشرتی عدم توازن کے سدِ باب اور عدل وانصاف پر مبنی اسلامی معاشرہ تشکیل دینے کی غرض سے ''اسلامک فقہ اکیڈمی'' نے اپنے بیسویں فقہی سمینار میں ایک اہم موضوع ''مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام'' بھی رکھا ہے۔

تاکہ اسلام کے خاندانی ومعاشرتی نظام کی صحیح تصویر سامنے آسکے، اسلام کا تصور خاندان واضح ہوسکے اور مسلم معاشرہ میں توازن بھی بحال ہوسکے۔

اکیڈمی کا فیصلہ

(۱) مشترکہ خاندانی نظام ہو یا جداگانہ، دونوں کا ثبوت عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ سے ملتا ہے، لہذا دونوں ہی نظام فی نفسہٖ جائز ودرست ہیں، جہاں جس نظام میں شریعت کے حدود وقوانین کی رعایت و پاسداری اور والدین و دیگر زیر کفالت افراد اور معذورین کے حقوق کی حفاظت ہوسکے اور فتنہ ونزاع سے بچا جاسکے اس نظام پر عمل کرنا بہتر ہوگا، کسی ایک نظام کی تحدید نہیں کی جاسکتی ہے، البتہ یہ اجلاس تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ مورث کے انتقال کے بعد جتنی جلدی ممکن ہو ترکہ کی تقسیم کر کے تمام شرعی وارثین کو ان کا متعینہ حصہ دے دیں تاکہ ایک دوسرے کے حقوق کا غلط استعمال نہ ہو اور یہ عمل باہمی نزاع اور نفرت وعداوت کا سبب نہ بن جائے، یہ اجلاس خاص طور سے عورتوں کے حقوق کی

ادائیگی کی طرف مسلمانوں کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہے، کیونکہ اس میں بہت زیادہ کوتاہیاں پائی جاتی ہیں۔

(۲) مشترکہ خاندانی نظام کی بنیاد ایثار وقربانی اور باہمی تعاون پر ہے، ورنہ یہ نظام قائم نہیں رہ سکتا ہے، نیز عدل وانصاف کو قائم رکھنا ضروری ہے، لہٰذا اگر خاندان کے سبھی افراد صاحب استطاعت ہوں تو زیر کفالت افراد کی تعداد سے اخراجات دیں گے، اور اگر کوئی مالی اعتبار سے کمزور ہو تو ہر شخص اپنی آمدنی کے تناسب سے اخراجات برداشت کرے گا، البتہ خاندان کے سبھی حضرات کو چاہئے کہ جائز ذریعہ سے زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل کرنے کی کوشش کریں تاکہ کمانے والوں پر بوجھ نہ پڑے۔

(۳) جب آمدوخرچ دونوں مشترک ہوں تو اخراجات کے بعد بچی ہوئی رقم سے خریدی گئی چیزیں سبھی افراد برابر کے حقدار ہوں گے۔

(۴) جب سبھی بھائیوں کا ذریعہ آمدنی الگ الگ ہو اور سبھوں نے برابر رقم جمع کی اور ایک بھائی نے اپنی زائد آمدنی کو بچا کر اپنے پاس رکھا تو یہ بھائی اپنی زائد آمدنی کا خود مالک ہوگا، دوسرے بھائی اسکے حقدار نہیں ہوں گے۔

(۵) الف: اگر خاندان کے افراد کسی معاہدہ کے تحت کام کرتے ہوں تو بھی آمدنی ہوگی وہ خاندان کے سبھی افراد کے درمیان حسبِ معاہدہ تقسیم ہوگی، خواہ وہ گھر پر کام کرتے ہوں یا باہر۔

(ب) اگر کاروبار ایک ہی ہو، کچھ لوگ گھر پر کام کرتے ہوں اور کچھ لوگ گھر کے باہر تو اس صورت میں کل آمدنی سبھی افراد کے درمیان برابر تقسیم ہوگی۔

(ج) اگر الگ الگ کاروبار ہو اور ان کے درمیان کسی طرح کا معاہدہ نہ ہو تو باہر کمانے والوں کی آمدنی میں گھر کا کام دیکھنے والے حقدار نہیں ہوں گے۔

(۶) والدین کی خدمت وکفالت لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں پر بھی حسبِ استطاعت واجب ہے اگر ماں کو ایسی خدمت کی ضرورت ہو جس کو کوئی عورت انجام دے سکتی

ہے اور بہو کے علاوہ کوئی دوسری قریبی عورت خدمت کرنے والی نہ ہو، نیز ماں مجبور ہو، خود سے وہ کام انجام دینے کے لائق نہ ہو تو ایسی صورت میں بہو پر ساس کی خدمت واجب ہوگی۔

(۷) مشترک خاندان میں بھی شرعی پردہ کا اہتمام کیا جائے، کسی غیر محرم کے ساتھ تنہائی میں ملنے سے، اور ہنسی مذاق نیز غیر ضروری گفتگو سے اجتناب کرنا لازم ہے، البتہ احتیاط کے باوجود اگر سامنے ہو جائے اور ہر طرح کے فتنہ سے بچنے کی کوشش ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(۸) سماج کے معمر اور سن رسیدہ افراد انسانی سماج کے لئے بیش قیمت سرمایہ ہیں، ان کی راحت رسانی اور خدمت انسانی سماج کی ذمہ داری ہے، خصوصاً اولاد اور افرادِ خاندان کی ذمہ داری ہے کہ بوڑھوں کی خدمت کریں، ان کی عزت وتکریم کریں اور انہیں اپنے ساتھ محبت والفت کے ساتھ رکھیں اور ان کی خدمت کو اپنے لئے سعادت سمجھیں۔(۱)

چند عملی کوتاہیاں

❁ کبھی تو مورث خود اپنی زندگی میں کسی ایک وارث کو پوری جائیداد کا مالک بنا دیتا ہے اور دوسروں کو محروم کر دیتا ہے۔

❁ مورث زندگی ہی میں اپنے ترکہ کو کسی ایک وارث کے ہاتھ قیمت میں فروخت کر دیتا ہے کہ مرنے کے بعد کوئی چیز ترکہ میں باقی ہی نہیں رہتی۔

❁ کبھی مورث اپنی زندگی ہی میں اپنے سارے مال کو اللہ کی راہ (مسجد، مدرسہ، قبرستان وغیرہ) میں وقف کر دیتا ہے جس سے اس کے وارثین محروم ہو جاتے ہیں۔

❁ کبھی مورث خود اپنی وفات سے پہلے کسی کے نام (وارث یا غیر وارث) وصیت کر دیتا ہے جس سے وارثین کو تکلیف ہوتی ہے۔

---

(۱) مستفاد: مشترکہ وجداگانہ خاندانی نظام مطبوعہ ایفا پبلیکیشنز، دہلی

❁ وارثین نابالغ ہوں تو بڑا بھائی یا چچا پورے مال پر قبضہ کرلیتا ہے اور وارثین کو حق نہیں مل پاتا۔

❁ کبھی تو بہنوں کی میراث کو دبا دیا جاتا ہے، اور ان سے کہا جاتا ہے کہ تجھے بھائی چاہیئے یا والد کی جائیداد؟ اس طرح اس کو وراثت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

❁ بیوی جوان ہو شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس کی میراث کو سسرال والے ہڑپ لیتے ہیں اور یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ اگر بچوں کو لیکر رہے گی یا ہمارے ساتھ رہے گی تب حصہ دیں گے ورنہ نہیں دیں گے۔ (جبکہ نکاح کے ایک دن بعد بھی انتقال ہو جائے تو بیوی کو اس کا پورا حصہ دیا جائے گا)

❁ اگر بیوی حمل سے ہے، شوہر کا انتقال ہو جائے تو حمل کی میراث نہیں نکالی جاتی۔

❁ کوئی وارث کسی ناگہانی پر جیل خانہ کے حوالہ ہو چکا ہو تو تقسیمِ میراث میں اس کو بھلا دیا جاتا ہے یا توجہ نہیں کی جاتی۔

❁ تقسیمِ وراثت میں کمزوروں، یتیموں کے ساتھ ناانصافی کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔

❁ میراث تقسیم کئے بغیر مرنے والے کے مال میں سے صدقہ، خیرات، دعوت اور دیگر رسمیں پوری کی جاتی ہیں جو شرعاً جواز کے دائرہ میں نہیں آتی کیونکہ اس میں (اس حال میں) تمام وارثین کا حق وابستہ ہو چکا ہوتا ہے، اب سب کی رضا مندی کے بغیر یہ اخراجات ناجائز ہوں گے۔

❁ میت کی بعض جائداد کو تقسیم میں لانا اور بعض کو چھپا لینا یا اس کو غیر ضروری سمجھ کر قبضہ کرلینا ناجائز ہے کیونکہ قرآن پاک کا ارشاد ہے ''مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْكَثُرَ'' کہ ہر چھوٹی بڑی چیز حتیٰ کہ میت کے کپڑوں میں پائی جانے والی الیچی کے اندر بھی سب وارثین کا حق ہوتا ہے۔

❁ تقسیمِ میراث میں غیر معمولی تاخیر کرنا یہ بھی پیچیدگیوں اور اختلاف کا سبب اور

ذریعہ بن جاتا ہے جو ظلم کے دائرہ میں آ کر وعید کا مستحق بن جاتا ہے۔

❁ میت کی کسی خاص چیز یا خاص جائداد کو نشانی سمجھ کر رکھ لینا اور اس کو تقسیم میں نہ لانا یہ بھی عدمِ جواز کے دائرہ میں آجاتا ہے۔

❁ بعض علاقوں میں تو بیٹیوں کو میراث دینے کا رواج ہی نہیں ہے اور اگر وہ مطالبہ کرتی بھی ہیں تو بھائیوں کی طرف سے انھیں تکہ سا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ والد محترم نے آپ کے نکاح میں اتنا پیسہ خرچ کیا، اور اتنا سامان جہیز دیا، اس لئے وہی تمہارا حصۂ میراث ہوگیا۔

❁ موماً میراث تقسیم کرتے ہی نہیں اسے مل جل کر کھاتے پیتے رہتے ہیں وارثوں میں یتیم بچے بھی ہوتے ہیں، ان کا مال کھاپی کر دوسرے لوگ برابر کر دیتے ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ اپنے پیٹوں میں دوزخ کی آگ بھرتے ہیں۔

❁ کفن میں غیر شرعی اخراجات کرتے ہیں، چارپائی کے اوپر چادر کفن کے ساتھ خریدی جاتی ہے، قبر میں اتارنے کے لئے علیحدہ ایک چادر خریدی جاتی ہے پھر یہ چادریں قبرستان والوں کو یا رسم کے مطابق جس کو چاہتے ہیں دیدیتے ہیں، یہ چیزیں کفن کی ضرورت میں شامل نہیں ہیں، میراث کے مشترک مال سے ان کو خریدنا خصوصاً جبکہ غائب وارث اور یتیم بچے بھی ہوتے ہیں جائز نہیں ہے، جو لوگ یہ کپڑے لے لیتے ہیں ان کے لئے یہ کپڑے لے لینا حرام ہے کیونکہ یہ میراث کا مال مشترک ہے جو تقسیم سے پہلے دیا گیا ہے۔

❁ بعض کپڑے لوگوں نے کفن کے ساتھ ضروری سمجھ رکھے ہیں حالانکہ وہ کفن مسنون سے خارج ہیں، ترکہ میت سے ان کا خریدنا جائز نہیں۔

❁ یہ جو دستور ہے کہ مردے کے استعمال کے کپڑے یا برتن وغیرہ خیرات کر دیئے جاتے ہیں یہ بغیر اجازت وارثوں کے ہرگز جائز نہیں اور اگر وارثوں میں کوئی نابالغ ہو تب تو اجازت دینے پر بھی ایسا کرنا جائز نہ ہوگا پہلے مال تقسیم کریں پھر بالغین اپنے حصہ میں جو

چاہیں شریعت کے موافق ایصال ثواب کے لئے خرچ کریں۔

❁ بعض علاقوں میں اسی میراث کے مشترک مال سے میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر روٹیاں یا اور کوئی چیز تقسیم کی جاتی ہے اور بعض جگہ دفن کے بعد فقیروں یا شرکاء جنازہ کو گھر بلا کر کھانا کھلایا جاتا ہے اور یہ سب اسی مشترک مال میں سے خرچ کیا جاتا ہے، یہ رسم بدعت بھی ہے اور اس میں مشترک مال سے خرچ کرنے کا وبال بھی ہے، کھانے والوں کو ہوش نہیں کہ ہم کیا کھا رہے ہیں پھر یہ عقیدہ بھی جاہلانہ ہے کہ قبر پر تقسیم کرنے سے زیادہ ثواب ملے گا۔

❁ پھر اسی مشترک مال سے تیجا، دسواں، چالیسواں کیا جاتا ہے اور سال بھر کے بعد برسی کی جاتی ہے، ان کا بدعت ہونا تو سب کو معلوم ہی ہے لیکن میراث کے مشترک مال میں سے خرچ کرنا یہ مستقل گناہ ہے۔

❁ بہت سے لوگوں کو قرآن پڑھنے کے لئے ایصال ثواب کے لئے گھر بلایا جاتا ہے یا بعض لوگوں کو مقرر کیا جاتا ہے کہ قبر پر چالیس دن تک قرآن پڑھتے رہو اور انہیں کھانا پینا اسی مال سے اجرت کے طور پر دیا جاتا ہے۔ اسی میں اول تو مالِ مشترک سے خرچ کرتے ہیں، دوسرے ایصالِ ثواب کے دھوکے میں رہتے ہیں، جو شخص دنیاوی لالچ کے لئے قرآن مجید پڑھے اسے خود ہی ثواب نہیں ملتا دوسروں کو کیا ثواب بخشے گا۔

❁ بہت سے علاقوں میں حیلۂ اسقاط کا رواج ہے۔ میراث کے اسی مال مشترک سے لے کر بیس تیس سیر غلہ اور کچھ رقم اور قرآن شریف لے کر میت کے چاروں طرف گھما گھما کر گھمانے والے آپس میں بانٹ لیتے ہیں اور ان کا بڑا سردار اولیاء میت پر یکمشت مخصوص رقم واجب کر دیتا ہے، وہ بالکل دکانداری کے طور پر گھٹاتا ہے اور واجب کرنے والا بڑھاتا ہے، اور جس مقدار پر اتفاق ہو جاتا ہے اس کو واجب کرنے والے آپس میں بانٹ لیتے ہیں، یہ سب کچھ اسی مشترک مال میں سے ہوتا ہے جس میں نابالغوں اور **غائبوں** اور بیواؤں کا بھی حصہ ہوتا ہے آپس میں تقسیم کرنے والے اور اس مال کے کھانے والے

بظاہر اہلِ علم اور دیکھنے میں صالحین ہوتے ہیں یہ لوگ اپنی ظاہری دنیاوی آمدنی کو دیکھتے ہیں یہ نہیں سوچتے کہ آخرت میں اس کا کیا وبال ہوگا؟

❁ ورثہ کے مشترک مال میں سے لوگوں کی مہمانداری، آنے والوں کی خاطر مدارات، کھانا کھلانا، صدقہ خیرات وغیرہ کچھ جائز نہیں ہے۔ اسی طرح مرنے کے بعد سے دفن کرنے تک جو کچھ اناج وغیرہ فقیروں کو دیا جاتا ہے مرد کے مال میں سے اس کا دینا بھی حرام ہے مردے کو ہرگز کچھ ثواب نہیں پہنچتا، بلکہ اس میں ثواب سمجھنا سخت گناہ ہے کیونکہ اب یہ سب مال وارثوں کا ہو گیا ہے، پرائی حق تلفی کر کے مال دینا ایسا ہی ہے جیسے غیر کا مال چرا کے دیدیا جائے، اور مال وارثوں کو بانٹ دیا جائے پھر ہر ایک کو اختیار ہے کہ اپنے اپنے حصہ میں سے شریعت کے موافق ایصالِ ثواب کریں یا نہ کریں، وارثوں سے اس خرچ کرنے اور خیرات کرنے کی اجازت بھی نہ لینا چاہئے کیونکہ اجازت لینے سے فقط اوپر کے دل سے اجازت دیتے ہیں۔ اجازت نہ دینے میں بدنامی محسوس کرتے ہیں اس لئے اجازت کے الفاظ بول دیتے ہیں یا سر ہلا دیتے ہیں ایسی اجازت کا کچھ اعتبار نہیں۔

❁ مرنے والے نے چھوٹا موٹا کم اور زیادہ جو بھی مال چھوڑا ہو، رقم ہو، جائداد ہو، پہننے کے کپڑے ہوں، گھر کا سامان ہو، برتن ہوں، یا فرنیچر ہو، ان سب میں میراث جاری ہوتی ہے۔ عام طور سے لوگ میراث تقسیم کرتے ہی نہیں اور اگر تقسیم کرتے ہیں تو رقم اور جائداد مکان دوکان بانٹ لیتے ہیں باقی مال یوں ہی مشترک استعمال ہوتا رہتا ہے، اس میں یتیموں اور بیواؤں کا حصہ ہوتا ہے یہ بھی غصبِ میراث میں شامل ہے۔

❁ صرف نکاح ہو جانے سے شوہر اور بیوی بن جاتے ہیں اور کسی ایک کے فوت ہو جانے پر مذکورہ بالا اصول کے مطابق میراث تقسیم کرنا فرض ہے بعض بیویاں کہتی ہیں کہ میں تو پچاس سال سے اس کے نکاح میں ہوں اور یہ دوسری آج ہی مرحوم کے نکاح میں آئی ہے، میرا اور اس کا حصہ برابر کیسے ہوگا؟ یہ جاہلانہ بات ہے شریعت میں نئی اور پرانی میں

کوئی فرق نہیں۔

❁ عموماً یہ ہوتا ہے کہ جہاں دو بیویوں کی اولاد ہوئی، ان میں سے جس بیوی یا جس بیوی کی اولاد کے قبضے میں مرنے والے کی املاک اور اموال میں سے جس قدر بھی ہو وہی لے اڑتا ہے۔ یہ بالکل نہیں سوچا جاتا کہ یہ مرنے والے کا مشترک مال ہے، شریعت کے مطابق اس کی بیویوں سے جو اولاد ہے ان سب کے حصے ہیں، مرنے والے نے جتنا بھی مال چھوڑا ہے خواہ کسی بھی بیوی اور کسی بھی اولاد کے قبضہ میں شرعاً سب میں میراث کا قانون جاری ہوتا ہے، اگر تقسیم نہ کیا جائے اور جس کے قبضہ میں جو مال ہے وہ مستحقین کو نہ پہونچایا جائے تو جس کے پاس بھی اپنے حصہ سے زیادہ ہوگا وہ حرام کھانے کے گناہ کا مرتکب ہوگا۔

❁ اگر شوہر نے کوئی اولاد بھی چھوڑی ہے خواہ ایک لڑکا یا ایک لڑکی ہی ہو (کسی سابقہ یا موجودہ بیوی سے) تو موت کے وقت جو بیوی اس کے نکاح میں تھی اس کو شوہر کی میراث سے آٹھواں حصہ ملے گا۔

تنبیہ: بیوی سے مہر معاف کرایا جائے یا والدہ سے یا بہنوں سے میراث کا حصہ معاف کرائیں، یا کسی شخص کی کوئی چیز لیں، یا قرض معاف کرائیں تو خود اپنے دل کو ٹٹول لیں کہ اس نے اپنے اندر کی خوشی سے معاف کیا ہے یا یوں ہی اوپر کے دل سے کہہ دیا ہے۔

❁ بعض لوگ کہتے ہیں کہ امی حصہ لے کر کیا کریں گی، ہمارے ہی اوپر تو خرچ کریں گی، لہٰذا ہمارے ہی قبضہ میں رہے تو کیا حرج ہے؟ یہ جاہلانہ بات ہے مرنے والے کی بیوی کا حصہ اس کے سپرد کردو، اسے مالک بنادو پھر وہ جس طرح چاہے خرچ کرے۔ اپنے والدین کو دے یا بھائی کو دے، حج فرض یا حجِ نفل ادا کرے، صدقہ خیرات کرے، وقف کرے، مدرسہ یا مسجد بنوائے یا اولاد پر خرچ کرے۔

❁ بعض لوگ جو دینداری کا دعویٰ کرتے ہیں مرنے والے بھائی کی بیوی کو

میراث دینے سے گریز کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ اس کو میراث دینے سے ہمارے خاندان کی زمین جائیداد اس عورت کے رشتہ داروں کو پہونچ جائے گی، لہٰذا اسے مجبور کرتے ہیں کہ تو مجھ سے نکاح کرلے۔

کثرت سے پیش آنے والے مسائل

(۱) مرحوم کی زندگی کے ایام کی رخصت کی تنخواہ اور جی، پی فنڈ اور مرحوم کی زندگی کے دیگر بقایاجات سب مرحوم کا ترکہ شمار ہو کر حسب تخریج شرعی تمام ورثاء پر تقسیم ہوں گے، شرعاً صرف بیوی کا حق شمار نہ ہوں گے، جی پی فنڈ جو حیات میں ملتا ہے وہ اور بعد مرنے کے جو اضافہ ہو کر ملے گا وہ سب مرحوم کا ترکہ شمار ہوگا۔(۱)

(۲) شادی کے وقت جو زیور بیوی کو دیا جاتا ہے اس میں جو زیور منہ دکھائی میں دیا گیا ہو وہ تنہا بیوی کی ملک شمار ہوتا ہے اور جو زیور اس کے علاوہ دیا جاتا ہے وہ عرف پر محمول ہوتا ہے اگر عرف میں ہبۃً دینا شمار ہوتا ہے تو وہ بھی تنہا عورت کا شمار ہوگا ورنہ نہیں۔(۲)

(۳) مرحوم نے جو قرضہ لوگوں کو دیا ہے وہ مرحوم کا ترکہ شمار ہوگا۔(۳)

(۴) جہیز، زیورات اور مہر میراث کا بدل نہیں بن سکتا، یعنی نکاح کے بعد شوہر نے بیوی کو مہر ادا کردیا پھر شوہر کا انتقال ہوجائے تو بیوی کو شوہر کی میراث میں سے بھی حصہ دیا جائے گا اور اگر مہر ادا نہ کیا تھا شوہر کا انتقال ہوگیا تو اب مہر اور حصۂ میراث دونوں کی مستحق ہوگی۔(۴)

(۵) ایل آئی سی کی اصل رقم جو جمع کرادی جائے وہ اس کے ترکہ میں شامل

(۱) منتخبات نظام الفتاویٰ: ۲/۲۴۸ قاضی پبلیشرز ڈسٹری بیوزر، دہلی
(۲) حوالۂ سابق وفتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۷/۵۱۰ (۳) حوالہ سابق
(۴) مستفاد از کتاب النوازل: ۱۸/۱۵۲، فتاویٰ قاسمیہ: ۲۵/۳۷۰

ہو جائے گی جو تمام وارثین میں تقسیم ہوگی، اور زائد رقم نکال کر غریبوں میں بانٹ دی جائے، اسے کوئی وارث اپنے استعمال میں نہ لائے۔(۱)

(۶) جو شخص ترکہ میں VCR'TV چھوڑے تو اس کو وراثت میں تقسیم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو فروخت کر دیا جائے پھر اس کی قیمت ورثہ میں تقسیم کر دی جائے۔(۲)

(۷) جس علاقہ میں بغیر رجسٹری کرائے لڑکیوں کو وراثت نہیں ملتی وہاں رجسٹری کرانا اس شخص پر فرض اور ضروری ہے (جیسے پنجاب کا علاقہ)(۳)

(۸) خودکشی کرنے سے اس کا کوئی وارث میراث سے محروم نہیں ہوتا، اگر وارث قاتل ہوتا تو وہ میراث سے محروم ہوتا، جب کوئی وارث قاتل نہیں تو وراثت سے محروم بھی نہیں۔(۴)

(۹) لڑکیوں کو شرعی میراث بہ وجہ رواج اس علاقہ کے نہیں مل سکتی، اگر لڑکیوں کو جہیز شرعی میراث کی نیت سے دے تو میراث شرعاً ادا نہ ہوگی اور نہ اس سے لڑکیوں کی میراث ساقط ہوگی، بعد مرنے کے مورث کے وارث اس کے بقدر حصہ دار ہوں گی۔(۵)

(۱۰) مدت دراز کے بعد بھی وارث اپنی میراث طلب کر سکتا ہے کیونکہ حق کسی مالک اور وارث کا تقادم زماں سے ساقط نہیں ہوتا ''ان الحق لا یسقط بالتقادم''(۶)

(۱۱) جو عورت مہر معاف کئے بغیر مرگئی اس کا مہر اس کے وارثوں کو دیا جائے گا، وارثوں میں خود شوہر بھی ہے۔(۷)

(۱۲) مجاورت وخدمت وغیرہ کی آمدنی میں میراث جاری نہیں ہوتی، یہ حق اس کا ہے جو مجاور ہو اور جس کو دیا جاوے۔(۸)

---

(۱) کتاب النوازل:۱۸/۱۶۶
(۲) کتاب النوازل:۱۸/۱۶۶
(۳) فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۱۷/۵۰۱
(۴) فتاویٰ دار العلوم:۱۷/۵۰۴
(۵) فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۱۷/۵۰۴
(۶) شامی:۱۰/۳۸۸، فتاوی دار العلوم دیوبند:۱۷/۵۲۲
(۷) حوالہ سابق:۱۷/۵۲۶
(۸) حوالہ سابق: ج ۱۷ ص ۵۳۸

(۱۳) حق قضاءت وامارت میں شرعاً توریث نہیں ہے، پس جو عطیہ سلطانی بہ وجہ کسی شخص کی خدمت قضاءت وامامت کے ہے، اس کے انتقال کے بعد جس کو سلطان کی طرف سے عہدۂ قضاوامامت عطا ہو وہی اس عطیہ کا مستحق ہوگا۔(۱)

(۱۴) زنا کاری کی وجہ سے بیوہ عورت شوہر کے ترکہ سے محروم نہیں ہوگی۔(۲)

(۱۵) عورت کی وفات کے وقت جو وارث مسلمان تھا اور تقسیم ترکہ سے پہلے مرتد ہوگیا اس کو وراثت ملے گی، اس لئے کہ اختلاف دینین وارث اور مورث میں معتبر ہے اور وارث ہونے کا وقت یا حیات کا آخری جزء ہے یا موت کا وقت ہے، پس جو وارث اس وقت میں مورث کے دین پر تھا اس کو وراثت اور ترکہ میں استحقاق ہے۔(۳)

(۱۶) سوتیلی ماں وارث شرعی نہیں ہے۔(۴) اسی طرح سوتیلے بیٹے کا باپ کی جائیداد میں کوئی حصہ نہیں ہے۔(۵)

(۱۷) داماد میں اگر کوئی دوسری حیثیت عصوبت وغیرہ کی نہیں ہے تو داماد ہونے کی وجہ سے اس کا کچھ حق اس کے خسر کے ترکہ میں نہیں ہے، صرف اس کی زوجہ یعنی دختر متوفی کی وارث اپنے حصۂ شرعی کی ہے۔(۶)

(۱۸) دوسرا نکاح کر لینے کی وجہ سے بیوہ کا حصۂ میراث پہلے خاوند سے باطل نہیں ہوتا۔(۷)

(۱۹) زانی سے جو اولاد ہوئی وہ زانی کے ترکہ کی وارث نہ ہوگی۔(۸) البتہ ولد الزنا کو اپنی ماں کی طرف سے میراث ملے گی اور نسب بھی ثابت ہوگا۔(۹)

(۲۰) دین کے ادا کرنے سے پہلے وارث مال کا وارث ہوجاتا ہے، مگر اس کی یہ

---

(۱) حوالہ سابق (۲) حوالہ سابق (۳) حوالہ سابق ص: ۱۷/۱۵۴

(۴) حوالہ سابق ص: ۱۷/۷۵۴ (۵) آپ کے مسائل اوران کا حل: ۷/۹ ۴۲

(۶) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۷/۱۱۵ (۷) حوالہ سابق ص: ۱۷/۱۵۵

(۸) فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۱۷/۹ ۵۳ (۹) امدادالفتاویٰ جدید مطول: ۹/۶ ۵۷

ملک مشغول بحق غیر ہوگی، مثل اصل صورت کے کہ وہ بھی اپنے مال کا مالک تھا، مگر مشغول تھا بحق غیر۔(۱)

(۲۱) اگر میت کے وارثوں میں کوئی بالغ وارث عوض معین لے کر ترکہ میں ملنے والے اپنے حصہ سے دست بردار ہو جائے اور اس پر دوسرے ورثاء بھی بشرطیکہ میت کے یہ تمام ورثاء بالغ ہوں، راضی ہو جائیں تو یہ جائز ہے اور اسے اصطلاح میں تخارج کہا جاتا ہے۔

(۲۲) تخارج دراصل ایک بیع ہے، یعنی ایک وارث عوض معین کے بدلے اپنا حصہ دوسرے وارثوں کو دے دیتا ہے، اسلئے عقدِ مبادلہ میں جیسے متحد الجنس چیزوں میں مساوات ضروری ہوتی ہے اور مختلف الجنس چیزوں میں مساوات ضروری نہیں رہتی اسی طرح تخارج میں بھی اس کا خاص طور پر لحاظ رکھنا ضروری ہوگا، اور عقد صرف کی صورتوں میں قبضہ کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔

(۲۳) تخارج میں عوض معین ترکہ ہی میں سے کسی خاص چیز کو بنانا بھی صحیح ہے، اور اس صورت میں تمام ورثاء پر ان کے سہام شرعی کے مطابق تقسیم ہوگا۔

اگر تخارج میں ترکہ سے باہر کی کسی چیز کو عوض معین بنایا جائے تو یہ بھی صحیح ہے، اور اس صورت میں عوض معین کو جتنے وارث جس تناسب سے ادا کریں گے اس کے بدل کے حقدار وہی وارث ہوں گے، اور اسی تناسب سے ہوں گے جس تناسب سے انہوں نے عوض معین ادا کیا ہے۔(۲)

(۲۴) دوسری شادی کر کے پہلی بیوی کی اولاد کو وراثت سے محروم کرنا اسلام کے عین خلاف ہے اگر پہلی بیوی کی اولاد کو محروم کرنا چاہے وہ تب بھی محروم نہیں ہوں گے، بلکہ اس فعل سے وہ جہنم ضرور خرید لے گا، بڑی بے عقلی کی بات ہے کہ آدمی دوسروں کی

---

(۱) امداد الفتاویٰ جدید مطول: ۹/ ۶۰۹ (۲) مجموعہ قوانین اسلامی، ص: ۳۸۷، ۳۸۹

دنیا بنانے کے لئے اپنی عاقبت برباد کر لے۔(۱)

(۲۵) اگر شوہر نے طلاقِ رجعی دی اور عدت کے دوران شوہر کا انتقال ہو جائے تو بیوی اپنے شوہر کی وارث ہوگی کیونکہ طلاق رجعی کی عدت میں رشتۂ زوجیت باقی رہتا ہے؛ لیکن اگر شوہر نے طلاقِ بائن دیا ہے، تو چوں کہ طلاقِ بائن سے رشتۂ زوجیت محض طلاق دینے سے ہی ختم ہو جاتا ہے، اس لئے عدت کے دوران بھی انتقال کی صورت میں حکمِ وراثت متعلق نہیں ہوگا(۲)

(۲۶) کوئی عورت جب مرض الموت میں ہو تو اس کا اپنے خاوند کو مہر معاف کرنا درست نہیں ہے۔(۳)

(۲۷) بچوں کے نام سے کی گئی پالیسی بھی مرحوم کے ترکہ میں شامل ہوگی۔(۴)

(۲۸) مہر شوہر کے ذمہ قرض ہے اور قرض کی ادائیگی ضروری ہے، لہٰذا بیوہ کا مہر شوہر کے ترکہ سے ادا کرنا لازم ہے۔(۵)

(۲۹) موت سے پہلے کسی کے مال میں وراثت جاری نہیں ہوتی(۶)

(۳۰) کسی مصلحت اور جائیداد کی حفاظت کی غرض سے کسی وارث کے نام کر دینے کی وجہ سے وہ وارث پوری جائیداد کا تنہا وارث اور مالک نہیں بن سکتا بلکہ اس میں سب کا حق بدستور باقی رہتا ہے۔(۷)

(۳۱) شوہر کے انتقال کے بعد عورت دوسری جگہ نکاح کرنے سے مہر اور وراثت سے محروم نہیں ہوتی۔(۸)

---

(۱) مستفاد از آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۹/ ۴۳۵

(۲) افضل الراجی فی حل السراجی: ۱/ ۲۰۳ (۳) وصیت اور میراث کے احکام ص ۲۷

(۴) فتاویٰ قاسمیہ: ۲۵/ ۲۲۸ (۵) فتاویٰ قاسمیہ: ۲۲۵/ ۲۴۱

(۶) فتاویٰ قاسمیہ: ۲۵/ ۲۵۸ (۷) فتاویٰ قاسمیہ: ۲۵/ ۳۷۵

(۸) فتاویٰ قاسمیہ: ۲۵/ ۴۰۴ فتاویٰ محمودیہ: ۲۰/ ۷۴، امداد المفتیین: ۲/ ۸۶۹

(۳۲)ایف ڈی کی پالیسی میں محض نومنی یا کسی اور نام سے اس کو نامزد کرا دینے سے دیگر ورثاء کا حصہ سوخت یا ختم نہیں ہو جاتا بلکہ شرعاً سب وارثین حسب حصص شرعیہ اس میں شریک ہوں گے اور اس ایف ڈی میں جو سود کی رقم آئے گی وہ حرام اور ناجائز ہے، کسی کے لئے بھی حلال نہیں ہے، اگر انکم ٹیکس یا سیل ٹیکس وغیرہ لازم ہے تو اس میں سے دے سکتے ہیں، ورنہ نادار فقراء کو بغیر نیت ثواب صدقہ کرنا لازم ہے اور رأس المال جو جمع کیا گیا ہے وہ وارثین کے درمیان حصص شرعیہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔(۱)

(۳۳)صرف قانوناً بے دخل کر دینے کی وجہ سے آدمی حق وراثت سے محروم نہیں ہوتا کیونکہ وراثت ایک منجانب اللہ ثابت شدہ حق ہے، بندوں کو وہ حق ختم کرنے کا حق نہیں ہوتا۔(۲)

(۳۴)مرضی سے نکاح کرنے کی بنا پر جائیداد سے محروم نہ ہوں گے۔(۳)

(۳۵)لاٹری کی رقم سے خریدی گئی جائیداد یا رشوت کے پیسے سے خریدا ہوا مکان اولاد اور وارثین کے لئے اس کا استعمال فتویٰ کی رو سے حلال ہے، تقویٰ کے خلاف ہے یعنی فتویٰ کی رو سے اس سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہے مگر تقویٰ اور دیانت کے اعتبار سے اس سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہئے اور اس سے فائدہ اٹھانے سے اپنے آپ کو دور رکھنا چاہئے۔(۴)

(۳۶)وراثت میں سودی رقم آجائے یا سودی رقم سے خریدے گئے ترکہ کو بغیر نیتِ ثواب سب کا صدقہ کر دینا ہوگا۔(۵)

(۳۷)اگر سب ورثاء بالغ ہیں اور بخوشی اپنا اپنا حصہ کارِ خیر میں دینے پر تیار ہیں تو تقسیم سے قبل اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی گنجائش ہے مگر قبضہ میں لے لے اور اس کے

---

(۱) فتاویٰ قاسمیہ: ۲۵/ ۴۱۷
(۲) فتاویٰ قاسمیہ: ۲۵/ ۴۳۴
(۳) فتاویٰ قاسمیہ: ۲۵/ ۴۵۳
(۴) مستفاد از امداد الفتاویٰ: ۴/ ۱۴۷
(۵) فتاویٰ قاسمیہ: ۲۵/ ۵۲۹

بعد آزادانہ طور پر اپنی اپنی ملکیت کو راہِ خدا میں بے تکلف خرچ کر دے۔(۱)

(۳۸) باپ اور بیٹے کے درمیان مسلکی اختلاف کی وجہ سے یا بیٹے کو فیملی سے الگ کر دینے کی وجہ سے بیٹا باپ کی وراثت سے محروم نہیں ہوتا دوسرے بیٹوں کی طرح یہ بھی برابر کا حقدار ہوگا۔(۲)

(۳۹) اولاد کے انتقال کے وقت اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں زندہ ہیں تو وہ بھی اپنی اولاد کے وارث ہیں اور اس کے ترکہ سے حصہ پائیں گے، ہمارے ہاں بعض جگہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ اولاد تو والدین کے مال میں حصہ دار ہوتی ہے لیکن والدین اولاد کے مال میں حصہ دار نہیں ہوتے یہ بات واضح طور پر غلط اور قرآن وحدیث کے خلاف ہے، ایک دوسری غفلت اس صورت میں یہ ہے کہ ماں یا باپ کو وارث تو سمجھا جاتا ہے لیکن وراثت انہیں دی نہیں جاتی، والدین اگر فوری مطالبہ نہ کریں تو اگرچہ انہیں فوراً دینا ضروری نہیں لیکن عموماً اس طرح کے مقامات پر نہ دینے کا نتیجہ بالآخر کلی طور پر محروم کر دینے کی صورت میں ہی نکلتا ہے یعنی والدین کو بالکل ہی وراثت نہیں دی جاتی۔(۳)

(۴۰) ساس سسر کی جائیداد میں داماد یا بہو اپنے اس رشتہ کیوجہ سے کسی طرح وارث نہیں ہاں اگر کسی اور رشتہ کے طور پر وارث بنیں تو ممکن ہے مثلاً داماد بھتیجا ہو اور دیگر مقدم ورثاء نہ ہوں تو اب یہی وارث ہوگا۔(۴)

(۴۱) دیور، دیورانی، نند، بھاوج، سالی، سالا، بہنوئی: یہ سب کے سب رشتہ دار تو ہیں مگر ان میں وراثت کا سلسلہ نافذ نہیں ہے۔ اسلئے یہ وارث نہ ہو سکے گا۔

(۴۲) اگر کسی خاوند نے اپنی بیوی کو مرض موت میں طلاق دے دی اور ابھی عدت ہی میں تھی کہ خاوند مر گیا تو وہ وارث ہو جائے گی۔

---

(۱) فتاویٰ قاسمیہ: ۲۵/ ۵۵۰ (۲) حوالہ سابق: ۲۵/ ۶۱۷

(۳) مالِ وراثت میں خیانت نہ کیجئے ص: ۲۸، ۲۹

(۴) مالِ وراثت میں خیانت نہ کیجئے ص: ۳۴

(۴۳) اگر باپ نے یا دوسرے مورث نے کسی وارث کو اپنی زندگی میں بہت کچھ دے دیا یا اسکی تعلیم پر کافی خرچ کر ڈالا یا بیٹی کی شادی کر دی یا بیٹے کی شادی کر دی، ان تمام صورتوں میں وہ دوسرے ورثاء کی طرح وارث ہو جائے گا۔(۱)

(۴۴) جب شوہر و بیوی کے درمیان ''لعان'' کی وجہ سے تفریق ہو جائے تو جس بچہ کے نسب کی نفی کی بنیاد پر لعان وتفریق ہوئی وہ بچہ اپنی ماں کے واسطہ سے جو قرابت دار ہوں گے ان کا وارث بھی ماں اور ماں کے واسطہ سے جن سے قرابت ہوگی وہی لوگ ہوں گے مرد اور مرد سے قرابت رکھنے والے لوگ وارث نہیں ہوں گے۔(۲)

(۴۵) وراثت تقسیم کرنے کا حکم اس وقت ہوتا ہے جب آدمی کا انتقال ہو جاتا ہے، لہٰذا دوکان اور ان کا سرمایہ جو کچھ بھی والد صاحب کے انتقال کے وقت رہا ہے، اس کو اسی وقت تقسیم کرنا ضروری ہے، اور اسی وقت اس کا حساب لگانا چاہئے، اگر اس وقت تمام وارثین کے مانگنے کے باوجود تقسیم نہیں ہوا ہے اور دو سال کے درمیان (مثلاً) اس سے نفع بڑھا ہے، تو نفع حاصل کرنے والے کے محنتانہ کو مجریٰ کر کے بقیہ نفع تقسیم کر لیا جائے۔(۳)

(۴۶) محققین حنفیہ شیعہ تبرا کو اور منکر خلفاء ثلثہ کو کافر نہیں کہتے اگر چہ بعض فقہاء نے ان کی تکفیر کی ہے مگر صحیح قول محققین کا ہے کہ سب شیخین اور انکار خلافتِ خلفاء کفر نہیں ہے، فسق و بدعت ہے لہٰذا توریث جاری ہوگی۔(یعنی شیعہ وسنی میں)(۴)

(۴۷) دختر (بیٹی) کے فاحشہ و بدرویہ ہو جانے سے وہ ترکہ پدری سے محروم نہ ہوگی۔(۵)

(۴۸) مالِ مغصوب وارثوں کو نہیں مل سکتا اس کا حقدار مالک ہے، اس کو واپس کرنا چاہئے، معاف کرانا چاہئے، مورث نے جو مال حرام ذریعہ سے حاصل کیا ہے وہ ورثہ

---

(۱) اسلام کا قانونِ وراثت، ص: ۳۲، ۳۴ (۲) مجموعہ قوانین اسلامی ص: ۳۸۵
(۳) حوالہ سابق: ۲۵/۶۱۶ (۴) امداد المفتیین: ۱/۷۳۷ زکریا بکڈپو
(۵) حوالہ سابق: ۱/۷۳۷

کے اس حق میں بھی جائز نہیں ہے۔(۱)

(۴۹) ارادہ قتل میراث میں بحکم قتل نہیں۔لہٰذا مورث پر اقدام قتل کیا مگر وہ بچ گیا تو یہ شخص وراثت سے محروم نہیں ہوگا۔(۲)

(۵۰) مورث کے وعدہ کی تکمیل ورثہ کے ذمہ ضروری نہیں ہے یعنی مورث نے مرنے سے پہلے کسی سے کچھ دینے کا وعدہ کرلیا ہو اور اس پر قسم بھی کھالیا ہو پھر اس وعدہ کی تکمیل سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو گیا ہو تو اب ورثہ پر اس وعدہ کی تکمیل کی ذمہ داری نہیں ہوگی۔(۳)

(۵۱) نابالغہ لڑکی کا نکاح گواہوں کی موجودگی میں صحیح ہو جائے لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی ہے کہ شوہر کا انتقال ہو جائے تب بھی مہر اور وراثت پوری پوری ملے گی۔(۴)

(۵۲) گناہ (چاہے جتنا بڑا ہو) میراث سے مانع نہیں ہوگا اسی طرح جنون پاگل پن مانعِ ارث نہ ہوگی۔(۵)

(۵۳) ایک بیوی کی اولاد کو دوسری بیوی کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا، اسی طرح بیوی کے ساتھ پہلے شوہر سے آئی ہوئی لڑکیوں کو وراثت میں حصہ نہیں ملے گا، نیز سوتیلا بیٹا اور سوتیلی اولاد وارثِ شرعی نہ ہوگی۔(۶)

بعض جگہ یہ ہوتا ہے کہ مرنے والے کے انتقال کے بعد کارخانے اور دکان اور کاروبار پر تو لڑکوں کا قبضہ ہو جاتا ہے، اور گھر میں جتنا استعمال کا سامان ہوتا ہے وہ سب بیوہ کے قبضے میں آجاتا ہے اور وہ بیوہ اس کی مالک بن بیٹھتی ہے وہ اس میں جس طرح چاہتی ہے تصرف کرتی ہے جو کہ بالکل ناجائز وحرام ہے۔(۷)

---

(۱) حوالہ سابق: ۱/۳۹۷ (۲) امداد المفتیین: ۲/۸۶۶
(۳) مستفاد از فتاویٰ محمودیہ: ۲۴/۵۱۲ (۴) فتاویٰ محمودیہ: ۲۰/۲۵۱
(۵) فتاویٰ محمودیہ: ۲۰/۲۵۷ (۶) مستفاد از فتاویٰ محمودیہ: ۲۰/۲۵۷
(۷) تقسیمِ وراثت کی اہمیت ص: ۱۹۶

گذارش: لہٰذا مرنے والے کے انتقال کے بعد وارثین کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ایک سوال تیار کریں کہ والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، فلاں فلاں وارث چھوڑے ہیں ان کی میراث وارثین کے اندر ہم کس طرح تقسیم کریں جب جواب آجائے تو پھر تمام ذمہ داروں پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ سب سے پہلے اس جواب کے مطابق میراث کی تقسیم کا اہتمام کریں ورنہ اگر خدانخواستہ کسی کے پاس ایک بالشت زمین بھی دوسرے وارث کی آگئی تو اس پر بڑا ہولناک عذاب اور وبال ہوگا۔(۱)

(۱) حوالہ سابق ص: ۱۹۷

فہرست مراجع

نمبر	نام کتاب	مکتبہ
۱	القرآن الکریم	
۲	احکام القرآن الکریم للجصاص	شیخ الہند بک ڈپو، دار الکتب العلمیہ
۳	روح المعانی	زکریا بکڈ پو
۴	تفسیر قرطبی	دار الکتب العلمیہ بیروت
۵	معارف القرآن	اشرفی بکڈ پو
۶	انعام الباری	مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم
۷	تحفۃ القاری	مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری
۸	بخاری شریف	دار ابن کثیر، بیروت
۹	ترمذی شریف	دار احیاء التراث العربی
۱۰	ابو داؤد شریف	دالفکر بیروت
۱۱	سنن نسائی	مکتبۃ المطبوعات الإسلامیہ
۱۲	سنن ابن ماجہ	دار الفکر بیروت
۱۳	سنن دارمی	دار الکتاب العربي، بیروت
۱۴	سنن دار قطنی	دار المعرفۃ بیروت
۱۵	سنن الکبریٰ للبیہقی	دائرۃ المعارف، حیدر آباد
۱۶	شعب الایمان	دار الکتب العلمیۃ، بیروت
۱۷	مصنف ابن ابی شیبۃ	دار الفکر، بیروت
۱۸	مسند احمد	مؤسسۃ قرطبۃ القاہرۃ

۱۹	مسند عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ	دار الفکر بیروت
۲۰	الصحاح الجوهري	دار العلم للملائين بيروت
۲۱	مفاييس اللغة	دار الفکر بیروت
۲۲	الروض المربع	مؤسسة الرسالة بيروت
۲۳	الاستذکار	دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۴	مصباح الزجاجة	دار العربية بيروت
۲۵	فقه السنة	دار الکتاب العربی بیروت
۲۶	المغنی لابن قدامة	مکتبہ القاهره مصر
۲۷	اعلاء السنن	اشرفی بک ڈپو
۲۸	تاتار خانیه	زکریا بک ڈپو
۲۹	بدائع الصنائع	زکریا بک ڈپو، دار الکتب العلمیہ بیروت
۳۰	فتاویٰ هندية	اتحاد بک ڈپو
۳۱	تکمله فتح القدير	زکریا بک ڈپو
۳۲	الهداية	اشرفی بک ڈپو
۳۳	الوصية بيانها و أبرز أحكامها	صالح بن عبد الرحمن الاطرم
۳۴	لمحات مهمّة فی الوصية	مدار الوطن للنشر ۱۴۳۳ھ
۳۵	احکام المیراث فی الشريعة الاسلامية	دکتور جمعہ محمد سراج، دار یافا العلمیہ
۳۶	احکام المیراث فی الشريعة الاسلامية	جامعہ النجاح الوطنیہ عمادة کلیة الدراسات العلمیہ
۳۷	فتاویٰ قاسمیه	زکریا بک ڈپو
۳۸	احسن الفتاویٰ	ایچ ایم سعید کمپنی
۳۹	رحمۃ اللہ الواسعۃ	مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری، مکتبہ حجاز، دیوبند

۴۰	آپ کے مسائل اور ان کا حل	نعیمیہ بک ڈپو
۴۱	کتاب النوازل	فرید بکڈ پو
۴۲	فتاویٰ دار العلوم	مکتبہ دار العلوم
۴۳	قاموس الفقہ	زمزم پبلیشرز
۴۴	بہشتی زیور	کتاب گھر
۴۵	طریقۂ وصیت	مکتبہ علمیہ سہارنپور
۴۶	**الأشباہ و النظائر**	مکتبہ فقیہ الامت
۴۷	**مصباح اللغات**	مکتبہ برہانی (اردو بازار دہلی)
۴۸	**المعجم**	نعیمیہ بک ڈپو
۴۹	**مجموعہ قوانین اسلامی**	زیر نگرانی آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ
۵۰	میراث و وصیت سے متعلق بعض مسائل	اسلامک فقہ اکیڈمی ایفا پبلیکیشن (نئی دہلی)
۵۱	ہبہ سے متعلق بعض مسائل	اسلامک فقہ اکیڈمی ایفا پبلیکیشن (نئی دہلی)
۵۲	ہمارے عائلی مسائل	مفتی تقی عثمانی صاحب مطبوعہ اریب پبلیکیشن
۵۳	وصیت و میراث کے احکام	مولانا عاشق الٰہی بلند شہری (ادارہ ایم پکس نئی دہلی)
۵۴	آسان تفسیر قرآن مجید	خالد سیف اللہ رحمانی صاحب (کتب خانہ نعیمیہ)
۵۵	امداد الفتاویٰ جدید مطول	مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی
۵۶	افضل الراجی فی حل السراجی	جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا
۵۷	امداد المفتیین مکمل	مفتی شفیع صاحبؒ (زکریا بکڈ پو دیو بند)
۵۸	منتخبات نظام الفتاویٰ	مفتی نظام الدین صاحب (قاضی پبلیشرز ڈسٹری دہلی)

۵۹	عورت کی میراث اور مساوات مرد وزن کا مسئلہ	ڈاکٹر صلاح الدین سلطان (ایفا پبلی کیشنز نئی دہلی)
۶۰	آسان میراث (مکمل)	مولانا محمد عثمان نو وی والا (بیت العلم ٹرسٹ کراچی)
۶۱	تقسیمِ وراثت کی اہمیت	مولانا عبدالرؤوف سکھروی (ضبط وترتیب محمد عبداللہ میمن)
۶۲	احیاء علوم الدین (ابو حامد محمد غزالیؒ)	دارالاشاعت
۶۳	مالِ وراثت میں خیانت نہ کیجئے	مجلس افتاء دعوتِ اسلامی (کراچی)
۶۴	اسلام کا قانونِ وراثت	ادارہ فرقان صوابی

تقسیم جائداد کے اسلامی اصول

اس کتاب میں اسلامی مالیاتی نظام اور مسلم پرسنل لا کے تین اہم ابواب، ہبہ، وصیت، اور میراث کی اہمیت، قدیم اور جدید ضروری پیش آنے والے مسائل کو ذکر کیا گیا ہے، فضائل واکابر کے واقعات کا تربیتی مواد بھی شامل ہے، جا بجا اکیڈمیوں کے فیصلے، اسرار وحکمتوں کے تذکرے نے کتاب کو مستند اور ایمان افروز بنا دیا ہے، صحت، مرض اور مابعد موت حقوق اللہ وحقوق العباد میں صفائی، انصاف پیدا کرنے کی ممکنہ شرعی شکلوں کے مفصل بیان نے اردو اسلامی کتب خانے کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا۔